الفیوضات النبویۃ فی الفتاویٰ الحنفیۃ

فتاویٰ حنفیہ

معروف بہ

فتاویٰ اتراکھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور انڈیا

کاوش:
محمد ثاقب رضا قادری پاکستان

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

الفیوضات النبویہ فی الفتاوی الحنفیہ

فتاوی حنفیہ

معروف بہ

فتاوی اتراکھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دارالافتاء مدنیہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور انڈیا

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

کتاب : فتاوٰی حنفیہ معروف بہ فتاوٰی اُترا کھنڈ

مصنف : مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نظر ثانی : علامہ مفتی قاضی شہید عالم صاحب دام ظلہ

جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب قبلہ برکاتی مدظلہ

دار الافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

کمپوزنگ : زاہد اقبال

صفحات : ۲۸۸

مکتبہ غوثیہ نارووال

انتساب

میں اپنی اس ادنی سی کاوش کو افقہ الفقہاء امام المحدثین والمجتہدین شمس الاولیاء والاصفیاء مقدام العلماء والفقہاء الی یوم القیامہ حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ بابرکات سے منسوب ومعنون کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں جو بشارت نبوی "**لوكان الايمان عندالثريالذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناوله**" (اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو مردان فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اسے حاصل کرلے گا) کے اصل مصداق ہیں۔ اور قیامت تک آنے والے ان کے ہر پیروکار کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ سے مژدۂ مغفرت عطا ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے کہ ہاتف غیبی نے آواز دی "**يااباحنيفة قدعرفتناحق المعرفة وخدمتنافاحسنت الخدمة قدغفرنالك ولمن تبعك ممن كان على مذهبك الى يوم القيامة**" (اے ابوحنیفہ تم نے ہمیں جس طرح پہچاننا تھا پہچان لیا اور ہمارے دین کی بہترین خدمت کی لہٰذا ہم نے تمہاری اور قیامت تک آنے والے تمہارے ہر پیروکار کی مغفرت فرمادی۔

گرقبول افتدزہےعزوشرف

امیدوار کرم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

غفرلہ ولوالدیہ

ہدیہ تشکر

حدیث شریف میں ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

میں ممنون ہوں ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس مجموعہ کے منظر عام تک لانے میں میرے ساتھ تعاون کیا

☆ اپنے اساتذہ کرام خصوصاً حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد)، حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب (جامعہ نعیمیہ مراد آباد) کا۔ جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔

☆ اکابر علماء کرام خصوصاً حضرت علامہ قاضی شہید عالم صاحب (شیخ الحدیث والافتاء جامعہ نوریہ بریلی شریف)، حضرت العلام مفتی صالح صاحب (شیخ الحدیث الجامعۃ الرضا بریلی)، حضرت العلام مفتی شاہد حسین صاحب (مفتی شہر رامپور) مفتی مکرم صاحب (مفتی شہر دہلی)، مفتی محمد عاقل صاحب (پرنسپل منظر اسلام بریلی شریف) اور مفتی مطیع الرحمٰن صاحب (الجامعۃ الرضا بریلی شریف)۔ جنہوں نے میرے فتاوی کو شرف مطالعہ سے نوازا اور دعائیہ کلمات تحریر فرما کر میرے فتاوی کو اپنی بارگاہ سے سند قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔

☆ محبان گرامی وقار مفتی محمد حسین قادری صاحب اور مفتی محمد کاشف رضوی صاحب کا بھی ممنون ہوں۔ جنہوں نے میرے اس فتاوی پر مبسوط مقدمہ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔

☆ عزیزان گرامی محترم محمد ثاقب رضا قادری اور محمد ناظم منصوی مراد آبادی۔ جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نواز کر صحیح طور حق دوستی نبھایا۔

☆ آخر میں جملہ اراکین کمیٹی نوری دارالافتاء مدینہ مسجد اور اہلیان کاشی پور اور اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کرنے والے بھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی بے پناہ محبتوں اور بے لوث تعاون کے طفیل یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

اللہ عزوجل ان سب معاونین کو دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

احقر العباد

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی عفی عنہ

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

تحدیثِ نعمت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

تبلیغ دین کے یوں تو بہت سے ذرائع ہیں لیکن قلم دین کی تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے زبان کی نسبت قلم سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی ہے۔ احقر نے بھی علماء کی تقلید میں ہمیشہ قلم کو ہی ترجیح دینا مناسب جانا، دور طالب علمی ہی سے دین کے کسی نا کسی گوشہ پر لکھنا شروع کر دیا۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ جب میں ملک کے مشہور ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد میں ثالثہ جماعت کا طالب علم تھا اس وقت ایک کتاب بنام **"معراج المومنین"** لکھی، مفتی قاضی شہید عالم صاحب نے اس کی تصیح فرمائی اور تقریظ بھی تحریر فرمائی جس نے میرے حوصلوں کو بے پناہ قوت وتوانائی عطا فرمائی۔

جامعہ نعیمیہ کے ایام طالب علمی میں طلباء کو اساتذہ کی جانب سے **"علماء کرام اور موجودہ سیاسی تقاضے"** کے موضوع پر مضمون لکھنے کا حکم ہوا، اور کہا گیا کہ تمام طلبہ میں جس کا مضمون اساتذہ کو پسند ہوگا وہی ماہنامہ اشرفیہ (مبارک پور) میں اشاعت کے لیے بھیجا جائے گا۔ سبھی طلبہ مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے احقر نے بھی اوراق گردانی شروع کی اور ایک دو دن ہی میں چار پانچ صفحات پر مشتمل مضمون لکھ کر اساتذہ کو پیش کر دیا۔ مجھ سے پیشتر اور بعد کئی طلبا نے مضامین اساتذہ کرام کی بارگاہ میں پیش کیے۔ لیکن میرے مشفق اساتذہ خصوصاً مفتی ایوب صاحب، علامہ ہاشم صاحب۔ مفتی ممتاز صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی سلیمان صاحب قبلہ نے میرے مضمون کو سند پذیرائی عطا فرمائی اور دعاؤں کے ساتھ مجھے وہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ کے لئے ارسال کرنے کا حکم دیا میں نے وہ مضمون محترم قاری محمد رفیق صاحب کے توسط سے ماہنامہ کے پتہ پر روانہ کر دیا اور اگلے ہی ماہ جولائی ۲۰۰۵ء میں میرا مضمون رسالہ میں شائع ہو گیا۔

اساتذۂ کرام کی شفقت سے سفرِ قلم جاری رکھنے کی ہمت بندھی، چنانچہ دوران تدریس مفتی ارشد جمال اشرفی کچھوچھہ شریف کی ایک کتاب **"عمامہ اور ٹوپی کی شرعی حیثیت"** کا مطالعہ کیا۔ اس کتاب میں انہوں نے عمامہ اور ٹوپی کو مستوی العمل قرار دیا اور جا بجا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر تنقید بے جا بھی کی، بات یہیں تک محدود نہیں رکھی بلکہ عمامہ کی فضیلت پر جو احادیث فتاوی رضویہ میں نقل ہوئیں۔ موصوف نے اُن سب احادیث کو موضوع و باطل قرار دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی

تشریحات کو غلط قرار دینے کی سعی کی۔ احقر نے اس کتاب کا رد بنام "**دفع الخمامه عن احادیث العمامه**" تحریر کیا، ۱۴۳۰ھ میں عوام الناس کے لئے ایک مختصر کتاب "**سیرت رسول عربی-تاریخ کے آئینہ میں**" تحریر کی۔ اس کے بعد صدرالا فاضل کی کتاب "**فیضان رحمت**" (جو تقریباً سو سال قبل شائع ہوئی تھی) پر **حاشیہ و تخریج و تقدیم** کا کام کیا، علامہ سید وجاہت رسول صاحب قبلہ پاکستان نے اس پر دس صفحات پر مشتمل تبصرہ بھی تحریر فرمایا جو غلطی سے کتاب میں شامل نہ ہو سکا ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کتاب حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب جامع مسجد ادارہ ترویج واشاعت بولٹن کے مالی تعاون سے مکتبہ نعیمیہ (مرادآباد) سے شائع ہو چکی ہے، پاکستان میں مکتبہ برکات المدینہ، کراچی بھی اسے شائع کر چکا ہے۔

ایک سہ ماہی جریدہ بنام "**جام شرافت**" کا اجراء کیا، جس کے چند شمارے شائع ہوئے- یہ رسالہ بھی اکثر میرے ہی مضامین پر مشتمل رہا۔

ابھی دو ماہ پیشتر عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ایک نایاب فتوی پر تخریج و تحشیہ و تقدیم کا کام کیا جو "**انبیاے کرام گناہ سے پاک ہیں**" کے نام سے **ادارہ تحفظ عقائد اہل سنت** (پاکستان)، **مکتبہ نعیمیہ** (دہلی) اور **نوری مشن** (مالیگاؤں) سے چھپ چکا ہے۔

صدرالا فاضل کی سند المسمی بالکتاب المستطاب "**المحتوی علی الاسانید الصحیحه**" (عربی) پر کام کیا، دو سو سے زائد راویوں کی تحقیق پیش کی عربی زبان میں اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا نیز "**اسانید صدرالا فاضل**" کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ بھی کیا۔

صدرالا فاضل کی ایک کتاب بنام "**حق کی پہچان**" پر تخریج کا کام کیا۔

یہ کتابیں ۲۷ رمئی ۲۰۱۳ء کو منظر عام پر آگئی ہیں۔

مزید درج ذیل کتب زیر ترتیب ہیں:

☆ سوانح صدرالا فاضل

☆ شدھی تحریک اور صدرالا فاضل

☆ محاسبۂ قادیانیت (سنی صحافت کی روشنی میں)

☆ تحریک التوائے حج

☆ رکعات نماز کا ثبوت احادیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں

☆ اعلیٰ حضرت کا ایک تاریخی مناظرہ

علاوہ ازیں پاک و ہند کے موقر جرائد و رسائل میں مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مؤرخہ ۱۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ سے سرزمین **کاشی پور** میں فتوی نویسی کا کام شروع کیا اور اب تک یہ خدمت جاری ہے، ان دو ڈھائی سالوں میں جو فتاوی تحریر ہوئے ان کا مجموعہ پیش نظر کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور علمی بے بضاعتی کا بھرپور احساس ہے۔ یہ سب میرے پاک پروردگار کا فضل واحسان اور اس کے پیارے حبیب نبی مکرم نور مجسم رحمت عالم شاہ بنی آدم **صلی اللہ علیہ وسلم** کی عنایت خسروانہ ہے کہ مجھ ناچیز کو اس خدمت کی توفیق میسر آئی۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے تمام عمر دین متین کی خدمت کی سعادت عطا فرمائے اور علم نافع، عمل صالح اور اخلاص کی دولت نصیب ہو۔

میں اللہ جل مجدہ، رسول رحمت **صلی اللہ علیہ وسلم**، اولیاء اُمت وعلمائے ملت کی ذوات علیا کے سہارے تحریر و تحقیق کی اس دشوار گزار راہ میں حصول منزل کی جستجو لیے سرگرداں ہوں۔

میں قطرہ ہو کے بھی طوفان سے جنگ لیتا ہوں
مجھے بچانا سمندر کی ذمہ داری ہے

ارباب علم ودانش مفکرین قوم وملت علماء اہل سنت کی خدمت میں بصد ادب واحترام عرض ہے کہ اگر کہیں لغزش پائیں تو طعن وتشنیع سے اپنی زبان وقلم کو پراگندہ نہ فرمائیں بلکہ اپنے مناصب جلیلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے درگزر فرمائیں اور اغلاط پر بنظر اصلاح تنبیہ فرمائیں۔

اُمیدوار کرم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور

فہرست

کتاب الایمان و الکفر

باب الصلوٰۃ

باب الجنائز

﴿باب الحج و العمرہ﴾

﴿باب النکاح﴾

﴿باب الطلاق﴾

﴿باب العدۃ﴾

باب البیوع

باب الذبائح

باب الاضحیہ

باب الحظر و الاباحۃ

باب المیراث

دعائیہ کلمات

البحر الزاخر من المعقول والغیث الماطر من اسرار المنقول

علامہ مفتی شبیر حسن رضوی صاحب قبلہ دام بالمفاخر والمعالی

(شیخ الحدیث وزیب مسند افتاء الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ رونا ہی ضلع فیض آباد)

باسمہ تعالیٰ

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

امابعد! عزیزی موصوف (مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی) ایک باصلاحیت عالم دین وشرع متین ہیں درس وتدریس کے ساتھ فتاوی کا کام بھی انجام دیتے ہیں ضرورت پروہ اس رضوی فقیر سے استصواب رائے بھی کرتے رہتے ہیں ان کے کچھ فتاوی بھی نظر سے گزرے انہیں دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کافی محنت ومطالعہ کتب دینیہ فقہیہ سے کام لیا ہے مولی تعالی عزیزی موصوف کو مزید ترقیوں سے ہمکنار فرمائے اور اس طرح کی دینی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق رفیق عطا فرمائے اور مسلک رضوی کا سچا مبلغ وناشر مروج بنائے اور انہیں اور ہم سب اہل سنن کو امام اہل سنن قدس سرہ کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے اور دارین کی سعادتوں، برکتوں سے سرفراز فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فقط

شبیر حسن رضوی

الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد

تقریظ منیر

غواص بحار العلوم کشاف دقائق المنطوق والمفہوم مقدام العلماء

حضرت العلام المفتی سید شاہد علی حسنی رضوی

شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، قاضی شرع ومفتی ضلع رامپور دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ وحزبہ وعلماء امتہ وشہداء محبتہ اجمعین ۔

امـا بـعد : محب محترم ذی المجد والکرم ذی الطبع السلیم والفکر القویم اخی فی الدین حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن اہلسنّت وجماعت کی ایک عظیم مرکزی درسگاہ جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد کے ہونہار، ہوشیار، ذی شعور وباکردار، وقت اور حالات کے نباض، احوال زمانہ سے واقف کار، نوجوان عالم وفاضل ہیں، ساتھ ہی محقق و مدقق، مؤرخ ومفکر، ادیب وصحافی، مصنف ومؤلف، خطیب ومناظر، صالح ومصلح، ہادی ومہدی اور ذی استعداد و باصلاحیت مستند ومعتمد مفتی بھی ہیں۔

نعیمیات پر زبردست کام کررہے ہیں اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر اچھا عبور ہے۔ان کا علمی اور تحقیقی کام دیکھ کر دل مسرور ہوتا ہے اور زبان پر داد وتحسین کے ساتھ اپنے پیر ومرشد آقائے نعمت تاجدار اہلسنّت شہزادۂ اعلیٰ حضرت امام الفقہاء قطب عالم حضور مفتی اعظم عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا مندرجہ ذیل شعر بطور دعا موصوف کے لئے برجستہ لبوں پر آرہا ہے گویا نعیمی صاحب بطور دعا اپنے لئے بزبان حال کہہ رہے ہیں:

ع خدا ایسی قوت دے میرے قلم میں
کہ بدمذہبوں کو سدھارا کروں میں

موصوف کا علم حاضر، ذہن رساں، دماغ تازہ اور قلم رواں دواں ہے۔نعیمی صاحب سلمہ کی بعض تحریرات اور ان کے لکھے ہوئے چند فتاوی فقیر نوری غفرلہ کی نظر سے گزرے میں نے ان کو بغور پڑھا اور سمجھا ماشاء اللہ بہت خوب ہیں قرآن وحدیث، اجماع امت، فقہی جزئیات اور اقوال سلف صالحین سے مدلل ومبرہن ہیں۔موصوف نے اپنے ان فتاوی میں مخالفین ومعترضین کے اقوال وتحریرات پیش کرکے بہت اچھوتا انداز اختیار کیا ہے جوان کا دندان شکن جواب بھی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن

ریزی کے بعد اپنے مستند ومعتمد ومدلل فتاوی کا ایک مجموعہ بنام ''الفیوضات النبویه فی الفتاوی الحنفیه'' تیار کر کے قوم کے سامنے پیش کیا جو اس وقت ہمارے سامنے ہے میں اپنے علم ویقین کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ موصوف اپنے علم وتقوی بصیرت وذکاوت اور عشق ووجدان کی لطافتوں، طہارتوں اور سعادتوں کے اعتبار سے قطعاً اس خدمت کے اہل ہیں اور بلا شبہ ان کی یہ خدمت احترام واعتماد کی نظر سے دیکھی جانے کے قابل ہے۔رسم معہود کے مطابق عزیز گرامی وقار نے اپنے اس گرانقدر مجموعۂ فتاوٰی پر کچھ لکھنے کے لئے مجھ جیسے بے بضاعت وناسزاوار سے فون پر کہا اور اپنے دو مخلص شاگردوں کو فتاوٰی کا کچھ حصہ برائے مطالعہ دے کر بھیجا کہ اب معذرت کی گنجائش باقی نہ رہی ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم خدمت کا میں اہل نہیں ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کو اس گرانمایہ دینی خدمت پر اجر جزیل عطا فرمائے اور اس مجموعۂ فتاوی کو قبول عام وخاص فرمائے۔

آمین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه ونور عرشه
محمدو آله وصحبه اجمعین ۔

فقیر نوری سید شاہد علی حسنی رضوی جمالی
مرکزی درسگاہ اہل سنت الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

تقریظ جلیل

جامع معقول ومنقول مقدام العلماء الفحول بقیۃ السلف عمدۃ الخلف

حضرت العلام مفتی محمد صالح قادری صاحب دام بالمفاخروالمعالی

شیخ الحدیث، مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعض احباب سے سن کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی ذوالفقار صاحب نعیمی ایک اچھے عالم دین و وقیع مفتی ہیں اور بڑی علمی عملی خوبیوں کے جامع ہیں گویا جواں سالی میں شیخ کبیر ہیں۔ حسن افتا، کثرت مطالعہ، زود نویسی، ملت کی خیرخواہی وغیرہ صفات حمیدہ سے متصف ہیں۔ اس خبر سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور ہرسنی کو ہونی چاہئے۔ مولا نے کریم رب قدیر حضرت مفتی صاحب موصوف کی دینی کاوشوں کو مشکور فرمائے اور قوم وملت کو ان کی ذات وکارکردگی سے خوب نفع بخشے۔ آپ کا مجموعہ فتاوی جوزیرکتابت وطباعت ہے اگرچہ میں نے نہیں دیکھا ہے مگر بعض احباب کی تقریظات مشعر ہیں کہ ایک قابل قدر ولائق اعتماد کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے مقبول عام کرے۔ بحرمت نبی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم والحمد للہ رب العٰلمین فی الاولی والآخرۃ۔

راقم الحروف پرقصور

محمد صالح قادری بریلوی غفرلہٗ

خادم الطلبہ بجامعۃ الرضا، بریلی شریف

۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

الصندید المعظم والمسقع المفخم حضرت العلام

مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی دام فیضہ

مسند نشین مفتی اعظم دہلی وشاہی امام فتح پوری مسجد دہلی

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد: فقیہ اعظم مفتی اعظم امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ''**لو لا الخوف من اللہ تعالیٰ ان یضیع العلم ماافتیت**'' (اگر علم کے ضائع ہونے پر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں فتویٰ نہ دیتا) امام کے مذکورہ بالا قول مبارک سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ فتویٰ نویسی نہایت ہی کٹھن اور اہم کام ہے اس کام میں، سوجھ بوجھ، علم، استقامت، اصابت رائے، تقویٰ، حالاتِ زمانہ سے واقفیت، دینی مسائل کا استحضار جیسی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی شامل حال ہونا از حد ضروری ہے، حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی مدظلہ العالی ماشاء اللہ صاحب نسبت اور فقیہانہ ذوق کے حامل ہیں ان کے لکھے ہوئے چند فتاوی میں نے بالاستیعاب دیکھے موصوف کے فتاویٰ مفصل جامع اور مدلل ہوتے ہیں اپنے اسلاف سے اور اساتذہ کرام سے جو کچھ حاصل کیا ہے اسے عوام وخواص تک پہنچانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے آمین۔

وماتوفیقی الاباللہ العلی العظیم۔

محمد مکرم احمد نقشبندی

۲ر جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الالمعی والفاضل اللوزعی حضرت العلام

مفتی محمد سلیمان صاحب نعیمی برکاتی عم فیضہ

نائب مفتی دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

اصطلاحِ شرع میں افتاء کے معنی شرعی حکم اور فیصلہ سنانا ہے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں "الافتاء فانہ افادۃ الحکم الشرعی" فتوی دینے کا مطلب حکم شرعی سے آگاہ کرنا ہے اور امام عشق ومحبت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اس کی تعبیر یوں بیان فرمائی ہے: انما الافتاء ان تعتمد علیٰ شیء وتبین لسائلك ان ھذا حکم شرعی "فتوی دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے [فتاویٰ رضویہ، جلد اوّل] ان اقوال سے یہ بات اظہر من الشمس واجلیٰ من القمر ہے کہ فتوی اور افتاء کو مذہب اسلام میں ایک عظیم مقام حاصل ہے ہر دور میں مفتیانِ کرام وفقہاءعظام نے سائلین مسائل شرعیہ کو تسلی وتشفی بخش جواب عطا فرما کر سیرابی وآسودگی عطا فرمائی ہے، اور گمراہیت ولادینی سے نکال کر صراطِ مستقیم پر چلنا سکھایا ہے آج اس دور الحادوفتن میں جبکہ قحط الرجال ہے حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی فاضل جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد نے درجہ تخصص سے اعلیٰ کامیابی جامعہ سے حاصل کی۔ اور اوّل نمبر پر دستارِ افتاء سے نوازے گئے۔ اور بعد فراغت انہوں نے کافی تعداد میں آنے والے سوالات کے تحقیقی جوابات لکھے جو آپ کے پیش نظر ہیں۔ میں نے بالاستیعاب تمام جوابات پڑھے بحمداللہ تعالیٰ دلائل وبراہین سے مزین پایا اور مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومسلک اعلیٰ حضرت کے مطابق پایا۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل مفتی موصوف کو مزید توفیق عطا فرمائے اور احقاق حق وابطال باطل کا جذبۂ کامل عطا فرمائے اور آپ کی عمر وعلم وعمل میں برکتیں فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم،

محمد سلیمان نعیمی برکاتی

خادم التدریس والافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

مورخہ ۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

بحرِ ذخار علومِ عقلیہ ونقلیہ

حضرت علامہ مفتی قاضی شہید عالم رضوی دامت برکاتھم القدسیہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

باسمہ و حمدہ تعالیٰ

فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی ذوالفقار خان صاحب نعیمی ایک بالغ نظر عالم، باریک بیں مفتی اور کثیر المطالعہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی فعال اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔

موصوف کے فتاوٰی کا مجموعہ باصرہ نواز ہوا۔ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، اس نوعمری میں ہی موصوف نے اس منزل کو پالیا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے کسی ماہر فقیہ کے زیر سایہ ایک طویل مدت تک مشاقی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجموعہ فتاوٰی ایک بیش قیمت علمی خزانہ ہے۔ سوال فہمی، سوال کے ہر پہلو کا احاطہ، قوت استدلال، استحضار جزئیات ہر پہلو سے موصوف کا مجموعہ فتاوٰی قابل ستائش ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعہ کو قبولیت عام عطا فرمائے اور موصوف کو ایک متبحر عالم اور فقیہ بنائے اور اسی طرح زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کرتے رہنے کا جذبہ وحوصلہ مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

قاضی شہید عالم رضوی

جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

مؤرخہ ۷ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الکامل فاصل بین الحق والباطل حضرت علامہ مفتی محمد عاقل دام فیضہ
صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محب مکرم فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد ذوالفقار صاحب نعیمی دام ظلہ دینی لگن، مذہبی حمیت، علمی فکر جیسے اوصاف جلیلہ میں اپنے ہم عصر نوجوان علماء میں انفرادی شخصیت کے حامل ہیں۔

یہ تلخ حقیقت ہے کہ آج کل نئی نسل کے علماء میں کبرونخوت، تن پروری، آرام پسندی، مسلکی بے رہ روی کے گھٹیار جحانات پائے جارہے ہیں، جوخود ان کے لئے نیک فال نہیں ہیں، ان حالات میں مولانا موصوف کا کردار وعمل اوران کی مسلکی خدمات کا وسیع دائرہ ان کے لئے مشعل راہ ہے، یہ جہاں رہتے ہیں دینی کام میں لگے رہتے ہیں بلکہ شب وروز ان کی انتھک کوششوں سے میدان عمل ہموار کرتے ہیں، ان کی تمام تر کدوکاوش، محنت و جانفشانی کا محور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت ہے اس سے پہلے بھی ان کے کئی مضمون اور ایک دو مستقل تصنیف نگاہ سے گذری، بہت اچھا اور علمی انداز میں لکھنے کے عادی ہیں اب مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوتی ہے کہ معتمد علماء کی نظر ثانی کے بعد اپنے فتاویٰ کا مجموعہ شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کے گراں قدر علمی فتاویٰ کا مجموعہ (**العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ**) اہل سنت کا سرمایۂ افتخار ہے جس کا عشر عشیر بھی کسی جماعت کے پاس نہیں۔ فتاویٰ میں قرآن وسنت سے ندرت استدلال کی کثرت، کلام فقہاء سے مسائل جدیدہ کا حسن استنباط، ائمہ کے مختلف اقوال میں واضح تطبیق اپنے موقف کی تائید میں مضبوط دلائل کی فراوانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر عظیم فقیہ ماضی قریب میں کوئی دوسرا نہیں گذرا۔

اعلیٰ حضرت کا علمی فیضان اور فتاویٰ رضویہ کی کرامت کہیے کہ آج فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ حامدیہ، فتاویٰ مصطفویہ، فتاویٰ فیض الرسول، فتاویٰ شارح بخاری جیسا قیمتی سرمایہ اہل سنت کے ہاتھوں میں ہے۔

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
ہے یہ بھی اس جرس کی آواز دوستو

میں اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مولانا موصوف کے فتاویٰ کا مطالعہ تو نہ کرسکا البتہ ان کی قلمی ثقاہت، علمی

لیاقت اور سابقہ تحریروں سے امید ہے کہ ان کے گراں قدر فتاویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی آئینہ دار ہونگے۔ اور انہیں علمی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ اللہ رب العزت جل جلالہ مولانا موصوف کی اس علمی کاوش کو قبولیت کا اعزاز بخشے اور ان کے قلم میں مزید پختگی، فکر میں بلندی اور حوصلوں میں مزید بلندی عطا فرمائے ہمیشہ ان کے قلم کی سیاہی جادۂ مستقیم پر گامزن رہے دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔

آمین بجاہ نبیہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

محمد عاقل رضوی غفرلہٗ

خادم جامعہ رضویہ منظر اسلام سوداگران بریلی شریف

۵ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

الادیب اللبیب الفاضل النسیب
حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن نظامی مدظلہ العالی

زیب مسند تدریس وافتاء مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا
مرکز نگر متھراپور، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحانہ ما اعظم شانہ یضل من یشاء و یھدی من یشاء والصلوٰۃ والسلام علیٰ من شید الایمان و رفع درجات الذین اوتوالعلم والاتقان وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین ایدوا الاسلام والایمان والسلام علیٰ الذین استنبطوا المسائل من الاحادیث والقرآن یبتغون فضلا من اللہ والرضوان ۔

اما بعد! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔

پیش نظر مجموعہ فتاویٰ کی کتاب مستطاب محبّ گرامی وقار مرجع عوام وخواص کاشی پور حضرت العلام مولانا المکرّم ذوالللطف والکرم مفتی محمد ذوالفقار خان ایدہ الرحمٰن بفضل سیدالانس والجان صاحب کا گراں مایہ بیش بہا علمی سرمایہ اور صرف دو (۲) سالہ محنت کا عظیم ذخیرہ ہے۔ اس حقیر فقیر غفرلہ القدیر نے بھی موصوف کے مجموعہ فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہر فتویٰ زیور دلائل و براہین اور جزئیات سے آراستہ پایا جو افتا کی اک شان ہے اور تحقیقات وتنقیحات سے مزین جو فتویٰ نویسی کا اعلیٰ معیار ہے ہر زاویہ سے موصوف کی کاوش سراہے جانے کے لائق اور قابل صد ستائش ہے۔

موصوف محترم نوجوان مفتیانِ کرام میں اپنی الگ ہی پہچان رکھتے ہیں عربی فارسی اور اردو کتابوں کا مطالعہ بھی اتنا وسیع ہے کہ بآسانی سائلین کے سوالات حالات حاضرہ کے تناظر میں سمجھ کر برجستہ جوابات استحضار جزئیات کی روشنی میں سپرد قرطاس کرتے ہیں۔

کچھ سوالات تو ان سے ایسے بھی کئے گئے جس سے خواہی نخواہی ذہنی الجھنیں پیدا ہو جانا لازمی وضروری ہے اور کم علمی کی بناء پر فساد عقیدہ کا بھی امکان نظر آتا ہے۔ مگر موصوف نے ایسے واہیات ذہنیت رکھنے والوں کے سوالات کے بھی جوابات اپنی بالغ علمی اور دقت نظری کا سہارا لے کر فقہا و مشائخ کے علمی فیضان کی روشنی میں تحریر فرما کر عوام کو ضلالت وظلمت اور شیطانی

فتنوں سے بچالیا، اللہ تعالیٰ موصوف کومزید علم وعمل فکرونظراور تفقہ فی الدین کی لازوال نعمت سے سرفرازفرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سیدالمرسلین۔

مجموعہ فتاویٰ میں ۲/۳سوالات پرمیری نظرپڑی جوپریشان کن تھے جیسے:

۱۔ ''لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ'' کا سوال

۲۔ ''کرشن کنہیا'' کا مسئلہ

۳۔ اور''ایک معنی خیزشعر'' سے متعلق

مولانا المکرّم مفتی ذوالفقارحفظہ الغفارصاحب نے ان سوالات کے مسکت جوابات درج فرمائے اوریہ بھی واضح کردوں کہ ایسے واہیات سوالات مذاہب باطلہ فرق عاطلہ ضالہ مضلہ کےلوائے شیطانیت کے سایہ میں زندگی گذارنے والوں ہی کےطرف سے اکثرہواکرتے ہیں موصوف سے میں نے دریافت کیاتو معلوم ہواکہ یہ سب انہیں لوگوں کی خباثت ہے۔

مزیدخوشی کی بات یہ ہے کہ موصوف کثیرالمطالعہ ہونے کے باوجودامام اہل سنت سیدی سرکاراعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی مدظلہ العالی کےفقہی انسائیکلوپیڈیا العطایاالنبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کےمطالعہ اورامام اہل سنت کی تحقیقات و تنقیحات پروسیع نظررکھتے ہیں اوراسی کوحرف آخراورمعیارافتاجانتے ہیں۔

الغرض تحریری وتقریری طورپرمسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں ہمہ دم کوشاں رہتے ہیں اورگستاخان رسول کا دنداں شکن جواب دیتے ہیں۔جزاہ اللّٰہ فی الدین والدنیا وللّٰہ الحمد فی الاولیٰ والآخرہ ھو اھل التقوی والمغفرۃ جعل اللّٰہ سعیہ مشکورا و ذنبہ مغفورا وعدوہ فی الدین مقھوراً ولقی السنۃ نضرۃ وسرورا و رزقہ فی الدارین فضلا و نوراً ۔

فقیراپنے تمام برادران اہل سنت سے سفارش کرتا ہے کہ اس کا مطالعہ کریں اورضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔امید ہے کہ اس کومطالعہ کی میزکی زینت بنانے کی ہماری اس سفارش کوقبول فرماکردارین کی سعادت حاصل کریں گے اورہمیں بھی حصہ داربنائیں گے۔ من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا فی الاولیٰ والآخرۃ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سید المرسلین وآلہ الطیبین واصحابہ المطھرین وائمتہ المجتھدین والعلماء الکاملین والفقھاء المستنبطین الیٰ یوم الدین، وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین ۔

فقیرسراپاتقصیرمحمد مطیع الرحمٰن نظامی

خادم التدریس والافتاءمرکزالدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا

مرکزنگرمتھراپور، بریلی شریف

۱۳رصفرالمظفر ۱۴۳۴ھ

تقدیم

فاضل جلیل حضرت العلام

مفتی محمد حسین صاحب قبلہ دام ظلہ العالی

زیب مسند افتاء کنزالایمان کراچی پاکستان

الحمدللّٰہ الحمیدالمجید، والصّلوۃ علی من امربتبلیغ ماانزل الیہ من ربہ المنیب ھواول من قام بھذاالمنصب الشریف فکان یفتی بوحیہ تعالیٰ فکانت فتاواہ صلی اللہ علیہ وسلم جوامع الاحکام سیدنامحمدسیدالمرسلین وخاتم النبیین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم واصحابہ والسّلام علی ابی حنیفۃ واحبابہ،

امابعد! اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو ہر معاملے میں مکمل رہنمائی دیتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ ہے، ہر کام کے قوانین موجود ہیں، جہاں عبادات کے طریقے بتاتا ہے وہیں معاملات کے متعلق بھی پوری روشنی ڈالتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ اسلام میں اس کے لئے رہنمائی نہ ہو۔ اسلام کا یہ نہ صرف دعویٰ ہے بلکہ تاریخ اس بات کی شاہد ومصدق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تمام ادیان میں انفرادی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام ملل وادیان میں دین اسلام ہی ہے جس نے اپنے ہر ماننے والے کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اسلام کے پاس فقہ وقانون کا جو ذخیرہ ہے وہ مصالح کی رعایت اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی کا ایک شاہکار ہے جس کے مقابل دنیا کا کوئی قدیم وجدید قانون بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ دعوی یوں بھی ممکن ہوا کہ ائمہ دین اور فقہائے مجتہدین نے احکام قرآن وسنت میں گہری نظر اور طویل غور وخوض کے نتیجے میں فقہ کے ایسے اصول وقواعد وضع کئے کہ جن کی روشنی میں نہ صرف بے شمار جزئیات مستنبط کیے بلکہ انہوں نے انسانی زندگی کے جزئیات کا اس قدر احاطہ کیا کہ بجا طور آج اس دنیا میں کم ہی مسائل ایسے ملیں گے کہ جس کے لئے فقہ اسلامی ذخیرہ میں کوئی نظیر موجود نہ ہو۔ فقہ اسلامی کا انسان کی زندگی میں ایک اہم حصہ ہے کہ اس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہو سکتی اور یہ علم عطیہ ربانی ہے کہ خدائے بحر وبر جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اس نعمت سے نوازتا ہے۔

تاریخ فتوی نویسی:

اسلام میں سب سے پہلے افتاء کے منصب پر فائز ہونے والے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ ابن قیم

نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھا''اول من قام بهذا المنصب الشريف سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم و امام المتقين○○الخ''[اعلام الموقعین ،۱/۱۱،دار الجیل بیروت]

عہدِ رسالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی فتوی دیا کرتے تھے جن میں سے بعض صحابہ وہ تھے جنہیں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے کسی خطہ میں دینی اور انتظامی امور کی ذمہ داری سونپی تھی جیسے علی المرتضٰی، معاذ بن جبل وغیرھما رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض صحابہ کرام خود ہی فتوی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم عہدِ رسالت میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔[طبقات ابن سعد۲/۳۷۹ نفیس اکیڈمی کراچی]

اس کے علاوہ بھی مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان کی فتویٰ نویسی کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ ظاہری کے بعد کثیر صحابہ کرام نے فتوی دینے سے اجتناب کیا جس کی مختلف وجوہات کتب میں ملتی ہیں ایک یہ کہ فتوی دینے میں احتیاط کا بڑا دخل ہے دوسرا صلاحیت واستعداد میں تفاوت اور تیسرا کام کو، کیوں کہ صحابہ کرام تعلیم و تعلم، دعوت و جہاد اور انتظام انصرام کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے تھے جس کی وجہ سے ایک محدود تعداد علم و تحقیق اور قضاء و افتاء کے کام میں مشغول ہوئی۔ صحابہ کرام کے عہد سے لے کر اب تک فقہائے کرام کا ایک طویل سلسلہ ہے ابوالحسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب ''المعتمد فی اصول الفقه'' میں صحابہ کرام کے فتاویٰ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاوی پانچویں صدی ہجری تک پائے جاتے تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور فقہ اسلامی کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ ان کے بعد کے فقہاء نے بھی ان فتاویٰ سے خاص طور پر استفادہ کیا مکہ مکرمہ میں امام مجاہد اور عطاء بن رباح مدینہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی شاگردہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر امصار و بلاد میں مختلف تابعین و تبع و تابعین کے فتاویٰ کو بام عروج حاصل تھا۔ اس کے بعد دوسری صدی ہجری میں ایسے ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے جنہوں نے اس باب میں نہایت اہم کارنامے انجام دئے اور آنے والے فقہاء کے گروہ انہیں ائمہ کی تقلید کے پابند رہے۔ ان میں اہل سنت کے چاروں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف بلاد وامصار میں ارباب افتاء موجود تھے۔

یاد رہے کہ تبع تابعین کے دور میں اس علم کی خدمت میں اہل قضاۃ پیش پیش تھے کہ ان کے پاس روز مقدمات پیش ہوتے جن کے وہ فیصلے صادر فرماتے اور ان فیصلوں کو محفوظ بھی رکھتے تھے ایک ایسا ہی مجموعہ امام ابو یوسف کی طرف بھی منسوب ہے۔ کتب فتاویٰ کی تاریخ بہت قدیم ہے جس کی تفصیل حاجی خلیفہ کی کشف الظنون اور اسماعیل پاشا کی ہدیۃ العارفین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اب مختصراً ایک نظر فقہ اور فقیہ کے حوالے سے ڈالتے ہیں کہ فقہ کیا ہے اور فقاہت کسے کہتے ہیں۔

فقہ کی تعریف:

بحر المحیط میں ہے "الفقه العلم بالشیء والفهم له" کسی شے کے علم اور اس کی سمجھ کو فقہ کہتے ہیں۔

لسان العرب کے اندر بھی فقہ کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

مستصفیٰ میں ہے "الفقه عبارة عن العلم والفهم فی اصل الوضع" اصل وضع میں فقہ علم وفہم سے عبارت ہے۔ فصول الحواشی میں ہے: "الفقه لغة فهم غرض المتكلم من كلامه" لغت میں متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھنے کا نام فقہ ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف:

صدر اول سے قبل فقہ فی الدین کا لفظ کافی وسیع معنیٰ میں بولا اور سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ امام اعظم سے "معرفة النفس مالها وما عليها" کے الفاظ کے ساتھ فقہ کی تعریف منقول ہے جو علم فقہ کے علاوہ علم کلام اور علم اخلاق کو بھی شامل تھی لیکن صدر اول میں جب حوادث کی بنا پر اجتہاد کی ضرورت پیش آئی اور مجتہدین کا ظہور ہوا اور اصول فقہ کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اس وقت ائمہ اصول نے فقہ کی تعریف میں یہ اضافہ فرمایا۔ فتاویٰ شامی میں علامہ ابن عابدین نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے: "العلم بالاحكام الشرعية العملية من ادلة التفصيلية" یعنی شرعی معمولات کے احکام کو تفصیلی دلائل سے جاننا فقہ ہے۔

بحر الرائق میں بعض فقہاء کی بڑھائی ہوئی اس قید کا بھی ذکر ہے: "المكتسبة من ادلتها التفصيلية بالاستدلال" یعنی شریعت کے عملی احکام کو ان کے ماخذ اور تفصیلی دلائل جو بذریعہ استدلال حاصل ہوں کے ذریعہ جاننے کا نام فقہ ہے۔

مفتی وفقیہ کی خصوصیات:

فقہ کی ان تعریفات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ مفتی وفقیہ مجتہد ہی ہوسکتا ہے۔ کہ مفتی کے اندر اجتہادی بصیرت کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے: "فليس الفقيه الا المجتهد عندهم واطلاقه على المقلد الحافظ المسائل مجاز" فقہاء کے نزدیک فقیہ صرف مجتہد ہی ہے مگر مقلد فقہی جزئیات ومسائل کے حافظ وعالم پر مجازاً اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ شامی نے فتاوی شامی میں فقیہ کی تعریف یوں بیان کی ہے: "وقد استقر رأی الأصولين على ان المفتی هو المجتهد فاما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت، والواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كالامام على وجه الحكاية فعرف ان مايكون فی زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتی ليأخذ به المستفتی" یعنی اصولیین کی ...

مجتہد ہوتا ہے اور غیر مجتہد جو اقوال مجتہد کا حافظ ہو (حقیقتا) مفتی نہیں ہوتا ایسے شخص پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو بطور حکایت کسی مجتہد جیسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے فقہاء کا فتوی حقیقتا فتویٰ نہیں بلکہ مفتی مجتہد کے کلام کو سوال کرنے والے کے لئے نقل کرنا ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں شرعی حکم پر عمل کر سکے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، ۱/۱۶۲، دارالمعرفۃ بیروت)

سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فتاوی رضویہ میں فتوی کے حوالے سے فرماتے ہیں: "الفتوی حقیقة وعرفية فالحقيقة: هو الافتاء عن معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوى ويقال بهذا افتى الفقيه ابو جعفر والفقيه ابو الليث واضرابهما رحمهم الله تعالى،

والعرفية: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقليداله من دون تلك المعرفة كما يقال فتاوى ابن نجيم والغزى والطورى والفتاوى الخيرية وهلم تنزلا زمانا ورتبة الى الفتاوى الرضوية جعلها الله تعالى مُرضية مرضية آمين"

ایک حقیقی فتوی ہوتا ہے اور ایک عرفی فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتوی دیا جائے۔ یہی وہ لوگ جن کو اصحاب فتوی کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے فتوی دیا، اور فتوائے عرفی یہ ہے کہ اقوال امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاوی ابن نجیم، فتاوی غزی، فتاوی طوری، فتاویٰ خیریہ، اسی طرح زمانہ ورتبہ میں ان سے فروتر فتاوی رضویہ تک چلے آئیے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے، آمین [فتاوی رضویہ، ۱/۱۰۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

یہ تو تھا فقہ اور فتویٰ اب ذرا فقاہت کے سمندر کی طرف بھی نظر دوڑائیے کہ یہ سمندر ہے کیا اور اس میں غوطہ زنی کون کر سکتا ہے۔

فقاہت کے کیا معنی ہیں:

سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اُصول مقررہ وضوابط محررہ و وجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیات غامضہ وظاہر ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتین وسیر مراتب ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسدین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق

ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القافرماتا ہے: **وما یلقھا الا الذین صبر وا وما یلقھا الا ذو حظ عظیم**۔ اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحب توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، الحمد للہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔

وللہ الحمد تحدیثا بنعمۃ اللہ وما توفیقی الا باللہ، وصلی اللہ تعالٰی علی من امدنا بعلمہ وایدنا بنعمہ وعلی الہ وصحبہ وبارك وسلم اٰمین والحمدللہ رب العلمین ۔[فتاوی رضویہ، ۱۶/ ۳۷۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہ کس قدر مشکل فن ہے اور اس سمندر کو عبور کرنا یا اس میں ناؤ چلانا ماہر فن ہی کے بس کی بات ہے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی بہار شریعت کے بارہویں حصہ میں فرماتے ہیں

”فتویٰ دینا حقیقۃً مجتہد کا کام ہے کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب وسنت واجماع وقیاس سے وہی دے سکتا ہے، افتاء کا دوسرا مرتبہ نقل ہے یعنی صاحب مذہب سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اسے بیان کر دینا اس کا کام ہے اور یہ حقیقۃً فتویٰ دینا نہ ہوا بلکہ مستفتی کے لئے مفتی (مجتہد) کا قول نقل کر دینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے۔“ (بہارِ شریعت)

اب اس مفتی ناقل کو کتنا علم ہونا چاہئے اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”حدیث وتفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ، جو ان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے“[فتاوی رضویہ، ۱۸/ ۵۹۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

مفتی ناقل کی صفات بہار شریعت میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہاں تک تو جان لیا کہ فی زمانہ مفتی ناقل ہی کا وجود ہے اب اس بحر ذخار کی شناوری کون کر سکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ

کار ہے ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شامی ردالمحتار میں، بحرالرائق کے حوالے سے فقہی مہارت کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ "انہ لایحصل الابکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتھم والاخذعن الاشیاخ" یعنی علم فقہ کثرت مراجعت تتبع عبارات فقہاء اور ماہر شیوخ سے با قاعدہ سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔[ردالمحتار ۲/۱۷۳، دارالمعرفۃ بیروت]

اور یہ فن اس قدر آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے دن رات کی محنت شاقہ اور مشکل مسائل میں خوب غور وخوض کر کے اسے حل کرنے سے حاصل کرنا ہوگا مزید تفصیل میں جائے بغیر میں اپنی بات کو قاضی ولید بن ابراہیم کے اس واقعہ پر سمیٹتا ہوں جسے تدریب الراوی اور قسطلانی کے حوالے سے شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ القوی نے "نزہۃ القاری شرح بخاری" میں نقل کیا:

"آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے طلبہ کتنے آرام طلب ہیں علماء کتنے سہل پسند ہیں وہ سب پر ظاہر ہے ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشاد نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں شاید ہم کاہلوں کے لئے کچھ مہمیز کا کام کرے۔تدریب الراوی وقسطلانی میں یہ مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم "ری" کی قضا پر فائز تھے ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مدعا کیا تو فرمایا: اے بیٹے! کسی کام کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو میں نے عرض کیا علم حدیث کے حدود ومقادیر کو بیان فرمائیں تو ارشاد فرمایا 'اعلم أن الرجل لا یصیر محدثا کاملا فی حدیثہ الابعدأن یکتب أربعامن أربع کأربع مثل أربع فی أربع عندأربع بأربع علی أربع عن أربع لأربع و کل ھذہ الرباعیات لاتتم الابأربع مع أربع فاذا تمت لہ کلھاھان علیہ اربع و ابتلی بأربع فاذاصبرعلی ذلک أکرمہ اللہ فی الدنیابأربع و أثابہ فی الآخرۃ بأربع"

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہوسکتا۔

ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک بار رباعی دنیا میں ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر گھبرا گیا میں نے درخواست کی کہ اس کی شرح فرمادیں تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی:

أن یکتب أربعا: یعنی چار چیزیں لکھے اوّل احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوم، صحابہ کرام کے حالات اور ان کی تعداد، سوم تابعین کے احوال، چہارم بعد کے علماء کے احوال اور ان کی تاریخ۔

(۲) مع أربع: چار چیزوں کے ساتھ لکھے اول راویوں کے نام، دوم ان کی کنیت، سوم ان کی سکونت، چہارم ان کی ولادت اور وفات کی تاریخ۔

(۳) کأربع: چار کے مثل جیسے خطیب کے لئے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعا اور سورتوں کے لئے بسم اللہ اور نماز کے

لئے تکبیر لازم ہے اسی طرح راویوں کے نام کنیت جائے سکونت ولادت ووفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴) مثـــل أربـــع: چار کے مثل اول مسندات، دوم مرسلات، سوم موقوفات، چہارم قطوعات، ہر قسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵) فی أربع: چار میں۔اول کم سنی، دوم جوانی، سوم ادھیڑ عمر، میں چہارم بڑھاپے میں۔

(۶) عنـد أربـع: چار حالتوں میں اول عدیم الفرصتی، دوم فرصت کے وقت، سوم کشائش کے وقت، چہارم تنگ دستی کے وقت۔

(۷) بأربع: چار جگہوں میں پہاڑ، سمندر، آبادی، جنگل۔

(۸) علی أربع: چار چیزوں، پتھروں، پر ٹھیکروں، پر چمڑوں، پر ہڈیوں، پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(۹) عـن أربـع: ان میں سے جو عمر میں بڑے ہوں، جو ہم عمر ہوں، جو عمر میں کم ہوں، اپنے باپ کی کتاب سے، اگر یہ یقین ہے کہ یہ اس کے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) لأربـــع: چار مقصد کے لئے۔(۱) اللہ کی خوشنودی کے لئے (۲) اس پر عمل کرنے کے لیے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق (۳) اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لیے (۴) تالیف کے لیے تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں بغیران دو رباعیوں کے پوری نہ ہوں گی وہ یہ ہیں۔

(۱۱) الا بأربع: بغیران چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی لکھنے کا ڈھنگ علم لغت علم نحو علم صرف۔

(۱۲) مع أربع: ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں صحت، قدرت، شوق، قوتِ حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) هان علیه بأربع: چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے دشمنوں کے تیر ونشتر، دوستوں کی ملامت، جاہلوں کے طعن، علماء کے حسد سے، فاذا صبر علی ذلك' اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو۔

(۱۵) أکرمه الله فی الدنیا بأربع: اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا قناعت کی عزت، ہیبت، علم کی لذت اور حیات ابد۔

(۱۶) وأثابـــه فـی الآخـرة بأربع: اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ نبی صـلـی اللہ عـلـیه وسلم کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا، اعلیٰ علیین اور جنت میں انبیاء کرام کا جوارِ اقدس عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا، میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکھٹا کر کے سنا دیا۔اب تمہیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کر و یا یہ ارادہ ترک کر دو۔

قاضی ولید نے کہا یہ سب سن کر مجھ پر ہول سوار ہو گیا میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا، ادب سے گردن جھکا دی تو امام بخاری نے فرمایا اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں تو فقہ حاصل کرلو، اس لئے کہ گھر بیٹھ کر فقہ حاصل کرنا ممکن ہے اس کے لئے لمبے لمبے سفر شہر شہر قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں، دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کر دیا اور فقہ حاصل کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس میں آگے ہو گیا۔'' [نزہۃ القاری، ۱/۱۶۲، فرید بکسٹال لاہور]

میرے پیش نظر فاضل جامعہ نعیمیہ مراد آباد مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی زید مجدہ کا فتاویٰ ہے جو کہ حجم کے اعتبار سے اگر چہ کم مگر علمی اعتبار سے وقیع ہے جو فقہ کے مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ حضرت فاضل سے دوبدو ملاقات تو نہیں مگر ہمارے لاہور کے محترم و مکرم ثاقب رضا قادری زید مجدہ دوست ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمائے اہل سنت پر کام کرنے کے جذبے سے سرشار فرمایا ہے کئی علماء پر کام کر چکے ہیں مختلف ماہناموں میں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں، انہیں کے واسطہ سے حضرت کا تعارف ہے اور سوشل میڈیا کے ذریعہ حضرت کی علمی کاوشوں سے مستفیض ہوتا رہتا ہوں۔ موصوف مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ صدر الافاضل کی کتب پر تخریج و تحقیق کا کام بھی سر انجام دے رہے ہیں اور کہنہ مشق مدرس بھی ہیں۔

زیر نظر فتاویٰ کے مجموعہ کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا فاضل مصنف نے کافی محنت سے ان فتاویٰ کو ترتیب دیا ہے ہر مسئلے کو فقہ کی کتب معتبرہ سے مدلل و مزین کیا ہے۔ اوّل تا آخر ہر فتویٰ کئی کتب کے حوالوں سے مزین ہے بعض ذہنی الجھاؤ والے سوالوں کے خالص علمی انداز میں مسکت جواب دئے ہیں جو ان کے فقہی جزئیات کے استحضار پر دال ہیں ہمیں امید واثق ہے کہ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ، مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں لکھے گئے یہ فتاویٰ بھی فقہ میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و قلم میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

محمد حسین قادری غفرلہٗ

دارالافتاء کنز الایمان، کراچی

فتوٰی نویسی ایک جائزہ

فاضل جلیل عالم نبیل حضرت العلام
مفتی محمد کاشف رضوی دام ظلہ العالی
دارالافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

اللہ عزوجل نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا، ان نفوس قدسیہ نے خلق کو خالق سے مربوط کرنے کے لیے اپنے اپنے ادوار میں احکام شریعہ کی تبلیغ کی، انبیائے کرام کی اس مقدس سلسلہ کی تکمیل نبی آخرالزمان سید الانس والجان رحمت عالمیان، سرورِ کون و مکان، راحت قلب و جان، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذاتِ والاصفات پر ہوا، اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رہتی دنیا تک خلق خدا کی ہدایت وفلاح وصلاح ونجاح کے لیے حتمی لائحہ عمل ودستور عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کامل واکمل فرمادیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔(المائدۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شبانہ روز مساعی جمیلہ سے صحابہ کرام کی جماعت تیار فرمائی جس نے چہار دانگ عالم کو نور اسلام سے منور وتاباں کردیا، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حین حیات اور وصالِ ظاہری کے بعد بھی صحابۂ کرام نے تبلیغ اسلام کے فریضہ کو بحسن وخوبی نبھایا، مجاہدین اسلام فتوحات کے دائرے بڑھاتے رہے اور قریہ قریہ نگری نگری شریعت محمدی کے پھریرے لہراتے رہے۔

اصحاب کرام کے بعد تبلیغ دین کی ذمہ داری تابعین، تبع تابعین اور پھر ائمہ کرام وعلمائے عظام پر آئی۔ خدائے بزرگ و برتر کا کروڑہا کروڑ احسان کہ اس نے ہر دور میں ایسی ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا فرمائیں کہ جنہوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین میں صرف فرمادیں، نہ صرف تعلیمات اسلام کا پرچار فرمایا بلکہ جہاں جہاں اور جب جب دشمنانِ اسلام نے سر اٹھایا، اس مبارک جماعت نے اس کا بھرپور جواب دیا، یہ انہیں نفوس قدسیہ کی خدمات جلیلہ کا ثمرہ ونتیجہ ہے کہ آج ۱۴۰۰ چودہ سو سال گزرجانے کے بعد بھی شریعت محمدی اسی صاف وشفاف صورت میں ہمارے پاس ہے۔

جہاں وجود مصطفیٰ منفرد ہے وہیں امت مصطفیٰ بھی دیگر امتوں میں ممتاز ہے اور امت مصطفیٰ میں سب سے ممتاز درجہ پر علمائے اسلام ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں تبلیغ دین اور اشاعت علم پر صرف کریں علماء ہی کی شان میں اللہ عزوجل نے

ارشادفرمایا ''کیا علم والے اور بے علم برابر ہو جائیں گے اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے خاص کر ان کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کی شان یوں بیان فرمائی:

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی آدمی پر'' (مشکوۃ)

حضرت علی سے روایت ہے: ''علماء دنیا کے چراغ ہیں اور انبیاء کے جانشین ہیں اور میرے نزدیک دیگر انبیاء کے وارث ہیں'' (کنزالعمال)

عالم دین چاہے وہ کسی بھی فن کا ہو علم دین کی وجہ سے امت کے لیے فیض و رحمت ہے لیکن علمائے فقہ یعنی فقہا کا مقام سب سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے امت اپنے شرعی مسائل کے حل کے لیے انہیں کی طرف رجوع کرتی ہے۔

محدث کا شغف حدیث سے ہوتا ہے مفسر کا تفسیر سے اصولیوں کا اصول سے مگر فقیہ وہ ہوتا ہے جس کی نظر ہر علم و فن پر ہوتی ہے۔ فقیہ کو کبھی محدث بننا پڑتا ہے تو کبھی مفسر کبھی منطقی تو کبھی فلسفی۔ الغرض فقہ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر تمام علوم مجتمع ہیں۔ فتوی نویسی بھی اسی شجر کی ایک شاخ ہے ہم ذیل میں اس کا قدرے جائزہ لیتے ہیں

فتوی کی تعریف:

لفظ فتوی فاء کے فتحہ کے ساتھ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ منقول ہے لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں کسی بھی سوال کا جواب دینا اور ارباب علم کی اصطلاح میں لفظ فتویٰ شرعی حکم بیان کرنے کے لیے خاص ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی جانب ہی رجوع کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ کا حل ارشاد فرماتے ہاں بعض اوقات سرکار کی اجازت سے بعض صحابہ بھی فتوی دیا کرتے تھے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کسی علاقہ میں حاکم بنا کے بھیجتے تو اسے قرآن و حدیث اور قیاس سے مسائل مستنبط کرنے کی وصیت کرتے جیسا کہ جب حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو یہی تلقین فرمائی۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بافیض اور کمال تربیت نے صحابۂ کرام کے اندر ایسے مجتہدانہ شان کے افراد پیدا فرمائے جو سرکار کے وصال ظاہری کے بعد فتوی دیا کرتے تھے۔ زیادہ فتویٰ دینے والوں میں یہ صحابہ تھے

حضرت عمر بن الخطاب حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہ حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

صحابہ کرام کو جو فیض صحبت نبوی اور میراث علم نبوی کا حصہ ملا تھا وہ انہوں نے اپنے بعد والوں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ منتقل کیا مجتہد صحابہ کرام کے شاگردوں نے بعد میں مسند افتا سنبھالی مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن میسب حضرت ابوسلمہ

بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عروہ بن زبیر یسار اور حضرت خارجہ بن زید فتوی دیا کرتے تھے انہیں کو فقہائے سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح علی بن ابی طلحہ اور عبدالملک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔

کوفہ میں ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان عامر بن شراحیل علقمہ شعبی۔

بصرہ میں حضرت حسن بصری یمن میں طاؤس بن یسان اور شام میں حضرت مکحول ابوادریس الخولانی شراحیل بن سمک عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی اس کام میں مصروف تھے۔ اگرچہ ہر تابعی اپنی جگہ علم نبوی کے روشن ستارے تھے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سب کے درمیان آفتاب اور مہتاب بن کے نکلے۔ آپ کے بارے میں سرکار نے بشارت دی تھی کہ اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص اس کو حاصل کرلے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ خود علم وحکمت کے بحر ناپیدا کنار تھے اس کے باوجود بھی آپ نے مسائل کے حل کے لیے ایک مجلس مشاورت قائم کی تھی جس میں ہرفن کے امام شامل تھے مسائل مشاورت کے سامنے پیش کیے جاتے اور ان پر بحث ہوتی بعض اوقات تو بحثیں گھنٹوں اور دنوں چلتیں آخر میں جس پر اتفاق ہوتا وہ لکھ لیا جاتا۔

فقہ حنفی کی اشاعت میں امام اعظم کے شاگردوں کا خاص حصہ رہا گرچہ امام اعظم نے قضا قبول نہ کیا لیکن آپ کے شاگردوں نے مسند افتاء وقضاء سنبھالی جس کی وجہ سے فقہ حنفی اطراف عالم میں پھیل گیا۔

فقہ حنفی کو یہ شان بھی حاصل رہی کہ خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر ماضی قریب میں سلطنت مغلیہ تک اکثر اسلامی ممالک میں یہ قانونی شکل میں نافذ اور رائج رہا۔ ان صفات اور اقرب الی نصوص ہونے کی وجہ سے فقہ حنفی بہت مشہور ہوا یہی وجہ ہے کہ آج بھی پورے دنیا میں فقہ حنفی کے متبعین سب سے زیادہ ہیں۔

ہر دور میں اللہ عزوجل نے احناف میں ایسے امام پیدا کیے جنہوں نے احکام شریعت اور بالخصوص فقہ حنفی کے فروغ میں نمایاں کردار نبھایا فقہ حنفی پر مجلدات کی مجلدات لکھی گئیں۔

ہندو پاک میں کیوں کہ فقہ حنفی ہی عمومی طور پر رائج ہے اور ایک عرصہ تک یہاں پہ فقہ حنفی ہی قانونی شکل میں نافذ تھا اس لیے فقہ حنفی پہ یہاں کافی کام ہوا۔ عالم اسلام کا مشہور ترین فتاوی، فتاوی عالمگیری اسی سرزمین پر مرتب کیا گیا۔

ماضی قریب کے فقیہ اعظم جنہوں نے فقہ حنفی پہ سب سے زیادہ کام کیا وہ امام احمد رضا محدث بریلوی تھے آپ کے فتاوی کی تیس جلدیں آپ کے فقہ حنفی پہ عبور کی بین دلیل ہے۔

فتوٰی کی اہمیت اور مفتی کے شرائط:

فتوٰی لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) سوال کو کما حقہ سمجھنا

(۲) سوال کے لب ولہجہ سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے یہ سب سے اہم کام ہے جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظریہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

(۳) مفتی مخلص ہو

(۴) انتہائی ذہین وفطین ہو۔

(۵) زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو، عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

(۶) متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کیے ہوئے ہو اور اس کے حافظہ میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

(۷) کسی سے مرعوب نہ ہو۔

(۸) اتنا جری ہو کہ بلاخوف لومۃ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ نرمی۔

(۹) سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینان خاطر نہ ہو جائے کوئی حکم صادر نہ کرے۔

(۱۰) جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشین کر لے۔

(۱۱) متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو وغیرہ وغیرہ۔

مفتی کی تعریف:

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت علیہ الرحمہ نے مفتی کی ایسی جامع تعریف فرمائی ہے کہ اس کے بعد اس پر کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ’’تفسیر وحدیث، اصول وادب ہیأت وہندسہ توقیت (بقدر ضرورت) کتب فقہیہ کا کثیر مشغلہ اشتغال دنیویہ سے یک گونہ فراغ قلب اور توجہ الی اللہ نیت لوجہ اللہ اور ساتھ ہی ساتھ توفیق من اللہ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے جو ان شرائط کا جامع ہو اور اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہو وہ مفتی ہو سکتا ہے۔‘‘

الحمدللہ یہ ساری خوبیاں عزیزی مفتی محمد ذوالفقار نعیمی ککرالوی بدایونی صاحب میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں آپ کے فتاوی تحقیق انیق کے مظہر ہیں۔ اللہ عزوجل آپ کے علم وعمل میں خوب برکتیں عطا فرمائے اور امت کے لیے سرچشمہ فیض وبرکت بنائے۔ آمین

فقیر قادری محمد کاشف رضوی

خادم درس وافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

باب الایمان والکفر

نقل استفتاء

باسمی تعالیٰ

جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل (قول) کہنے والوں کے لیے

(۱) کرشن کنہیا کافر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سو جگہ حاضر ہو گیا

(۲) لاالٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ

(۳) بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا

کیا درج بالا لوگ مسلمان ہیں یا دائرۂ اسلام سے خارج ہیں

محمد شاہد صدیقی، محلہ ٰن خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی النّبی المختار الکریم

والسّلام علیٰ من اتبع الھدی

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے قبل سائل کو ایک اہم مسئلہ سے آگاہ کیا جاتا ہے، سائل نے استفتاء کے شروع میں "**باسمی تعالیٰ**" لکھا ہے یعنی اپنے لئے لفظ "تعالیٰ" استعمال کیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ "تعالیٰ" صرف اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے اور ہر وہ صیغہ جو اللہ کے لئے خاص ہو اس کا استعمال کسی بندہ کے لئے کرنا کفر ہے۔

مجمع الانھر میں ہے:

"اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جلّ وعلا ooooo یکفر"

کسی نے مخلوق پر ان اسماء کا اطلاق کیا جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں تو وہ کافر قرار دیا جائے گا۔ [مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، ۴/۳۹۹]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"عزوجل مخصوص باللہ تعالیٰ فلایقال محمد عز وجل وان کان عزیزاوجلیلاً"

"عزوجل" اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جائے اگرچہ وہ عزیز وجلیل ہیں۔ [ردالمحتار، کتاب الخنثیٰ، ۱۰/۴۸۴]

شاید یہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے اگر ایسا ہی ہے اور حسن ظن ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو سائل خدا کی بارگاہ میں ازراہ احتیاط توبہ

واستغفار کرلے اور آئندہ اس طرح کا کوئی کلمہ خود کے لئے استعمال نہ کرے۔

اب بالترتیب جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

﴿۱﴾ "کرشن کنہیا کافر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سو جگہ حاضر ہو گیا" کہنے کا حکم

مذکورہ بالا قول کفر نہیں ہے اس کے قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ یہ قول دراصل حضور شیخ ابوالفتح جالندھری علیہ الرحمہ کا ہے جسے سبع سنابل شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے سبع سنابل شریف کے حوالے سے اس قول کو اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ ہم ذیل میں سیاق وسباق کے ساتھ اس قول کو نقل کرتے ہیں:

مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری را در ماہ ربیع الاوّل بجہت عرس رسول علیہ الصلاۃ والسلام از دہ جا استدعا آمد کہ بعد از نماز پیشیں حاضر شوند ہر دہ استدعا قبول کردند حاضراں پرسیدند کہ اے مخدوم ہر دہ استدعا قبول فرمودید و ہر جا بعد از نماز پیشیں حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد فرمود کہ کشن کہ کافر بود چندصد جا حاضر می شد اگر ابوالفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب"

ماہ ربیع الاول شریف میں مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری کو میلاد پاک میں ظہر کے بعد شرکت کے لئے دس (۱۰) جگہ مدعو کیا گیا آپ نے قبول کرلیا۔

حاضرین نے پوچھا: اے مخدوم آپ نے دسوں دعوتیں قبول فرمالیں آپ ہر جگہ نماز کے بعد کیسے حاضر ہوں گے؟

فرمایا: کشن جو کافر تھا کئی سو جگہ حاضر ہو سکتا ہے اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہو گیا تو کیا تعجب ہے۔

[فتاویٰ رضویہ جدید ۱۴/ ۶۵۷، ۶۵۸]

الحاصل: اس قول میں کوئی وجہ کفر نہیں ہے جس کے سبب قائل کو کافر کہہ سکیں۔ اس قول کو دراصل مخدوم ابوالفتح نے صرف یہ بتانے کے لئے بیان کیا ہے کہ جب کافر ہو کر کشن ایک وقت میں سیکڑوں مقامات پر جا سکتا ہے (جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے) تو میں مسلمان ہو کر دس (۱۰) مقامات پر جاؤں تو اس میں کیا تعجب ہے!!! یہ بات بالکل ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ کیسے بن سکتا ہے تو جواباً کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے ہوئے کافر جادوگروں کی لاٹھیاں سانپ بن سکتی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جائے کیا تعجب ہے!!! یا کوئی یہ پوچھے کہ پردہ فرمانے کے بعد اولیاء کرام ہماری آواز کیسے سن سکتے ہیں تو جواباً کہا جائے کہ جب ابوجہل وغیرہ کفار ومشرکین اپنے مرگھٹ سے آواز سن سکتے ہیں (جیسا کہ بخاری شریف میں ہے) تو اولیاء کرام اپنے مزارات سے ہماری آوازیں سنیں کیا تعجب ہے!!!

تو جس طرح ان دونوں مثالوں میں کفار ومشرکین کے فعل کی تحسین مقصود نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت معجزہ

اور مسلمانوں کی قوت سماعت کا اظہار مقصود ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا قول میں بھی کافر کے استدراج کی تحسین مقصود نہیں بلکہ استدراج پر فوقیتِ کرامت کا اظہار مقصود ہے۔

ہاں البتہ صرف اتنا ہی قول کرشن کنہیا کافر کی تحسین وتعریف کے طور پر بولا جاتا اور اس کے اس استدراج کو حق سمجھا جاتا تو ضرور محل کلام ہوتا۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ **"غمز العیون"** کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"اتفق مشائخنامن رای امر الکفار حسناً فقد کفر ۔

جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا باتفاق مشائخ کافر ہو گیا۔ [فتاوی رضویہ جدید، ۱۴/ ۲۷۷]

﴿۲﴾"لا الہ الااللہ چشتی رسول اللہ" کہنے والے کا حکم

کلمہ طیبہ میں **"محمد رسول اللہ"** کی جگہ کسی اور کا نام یا نسبت جیسے چشتی رسول اللہ، اشرف علی رسول اللہ کہنے والا اگر ہوش وحواس میں ہے تو بلاشبہ کافر ہے۔

البتہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کلمہ کو خواجہ غریب نواز کی طرف منسوب کر کے مولوی اشرف علی تھانوی کے کلمہ (**اشرف علی رسول اللہ**) کے دفاع میں پیش کیا جاتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ دیکھو خواجہ صاحب نے بھی تو یہی کہا تھا اب اگر اشرف علی تھانوی کافر ہے تو خواجہ صاحب بھی کافر ہیں۔ حالانکہ علماء اہل سنت کے نزدیک اس کلمہ کا انتساب خواجہ صاحب کی طرف جہلا کا الحاق ہے کتب تصوف میں بہت سے واقعات جاہلوں نے الحاق کر دئے ہیں۔ دیوبندی پیشوا مولوی رشید گنگوہی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے وہ لکھتے ہیں:

"بزرگوں کی حکایات اکثر جہلاء نے غلط بنا دی ہیں۔" [فتاوی رشیدیہ، ص ۱۰۷]

لہٰذا علمائے اہلِ سنت کے نزدیک یہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور اس کی نسبت خواجہ صاحب کی طرف باطل و بے بنیاد ہے۔ مگر بر سبیل تنزل تسلیم بھی کر لیں کہ خواجہ غریب نواز نے یہ جملہ استعمال کیا ہے تب بھی اس سے خواجہ صاحب اور مولوی اشرف علی تھانوی کے کلموں میں زمین وآسمان کا فرق ہے خواجہ صاحب کے واقعہ کے شروع میں لکھا ہے:

"خواجہ درحالتے بود"

یعنی اس وقت خواجہ صاحب خاص حالت میں تھے۔

اور اس پر علماء واولیاء کا اتفاق ہے کہ حالت خاص میں ولی **مکلف** نہیں ہوتا ہے اور اس پر شریعت مواخذہ نہیں فرماتی ہے، جیسا کہ حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ کے کلمہ "انـا لاحـق" کو "**اناالحق**" سمجھنے کی بنیاد پر انہیں سولی چڑھا دیا گیا کیونکہ یہ کلمہ کفر ہے مگر دیوبندی عالم رشید گنگوہی سے جب اس بارے میں سوال ہوا کہ جب یہ کلمہ کفر ہے تو منصور حلاج کافر ہوئے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا:

"منصور معذور تھے بے ہوش ہو گئے تھے ان پر کفر کا فتوی دینا بے جا ہے" [فتاوی رشیدیہ، ص ۱۰۷]

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ ولی کا خاص حالت میں ہونا یعنی ہوش وحواس میں نہ ہونا ان کو معذور بنا دیتا ہے جس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔لہٰذا اس فتوی کی رو سے بھی ثابت ہوگیا کہ خواجہ صاحب خاص حالت میں ہونے کے سبب شرعاً معذور ہیں۔

مزید یہ کہ خود اشرف علی تھانوی نے بھی اس کلمہ کو کلمہ کفر تسلیم نہیں کیا ہے وہ اپنی کتاب ''**السنة الجلية فی الجشتية العلية**'' میں خواجہ صاحب کے واقعہ کو لکھنے کے بعد اس کے کلمہ کفر نہ ہونے سے متعلق لکھتے ہیں:

''کلمہ کفر جب ہے کہ ماٗول نہ ہو اور اگر یہ تاویل کی جائے کہ رسول سے مراد معنی لغوی ہوں اور عام ہوں بواسطہ و بلا واسطہ کو اور اس بنا پر یہ معنی ہوں گے کہ چشتی اللہ تعالیٰ کا پیام رساں اور احکام کی تبلیغ کرنے والا ہے بواسطہ رسول اللہ کے جیسا حدیث وارد فی **المشکوٰۃ باب الوقوف بعرفة** ''میں ابن مربع انصاری صحابی کا قول ہے ''**إنی رسول اللّٰه اليكم**'' جس میں رسول اول بمعنی لغوی ہے اور جیسے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادوں کو جو انبیاء نہ تھے سورہ یٰسین میں مرسل فرمایا ہے تو پھر کلمہ کفر نہیں رہتا اسی طرح اگر یہ حمل تشبیہ بلیغ پر مبنی ہو جیسے ابو یوسف ابو حنیفہ میں سب کے نزدیک مسلّم ہے تب بھی کافر نہیں رہتا اور ظاہری و متبادر معنی مراد نہ لینے کی تصریح خود حضرت خواجہ صاحب کے اس قول میں ہے میں کون ہوں اور کیا چیز ہوں البتہ یہ سوال باقی رہا کہ موہم کا استعمال بھی تو جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجلس خاص تھی اور مخاطب و دیگر سامعین خوش فہم تھے اس لئے یہ مفسدہ محتمل نہ تھا اب رہی یہ بات کہ آخر مصلحت ہی کیا تھی جواب ظاہر ہے کہ مصلحت امتحان کی تھی اس طرح کہ اگر یہ راسخ العقیدہ ہے تو مجھ کو مخالف شریعت نہ سمجھے گا کوئی تاویل کرلے گا ورنہ بھاگ جائے گا۔''

[**السنة الجلية فی الجشتية العلية**، باب سوم، ص ۱۲۵]

یہ الگ بات کہ خود مولوی اشرف علی تھانوی کے مجوزہ کلمہ کو علماء اہلسنّت کے علاوہ علمائے دیوبند نے بھی کفر قرار دیا ہے، جیسا کہ دیوبندی عالم مولوی سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ برہان- دہلی لکھتے ہیں:

''معاملات میں تاویل و توجیح اور اغماض و مساحمت کرنے کی مولانا میں جو خُو تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہر چند کلمہ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لاالہ الااللہ کے **بعد اشرف علی** رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے **اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو** لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کردیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے'' [ماہنامہ برہان دہلی شمارہ، فروری

۱۹۵۲ء، ص ۱۰۷]

الحاصل: مذکورہ بالا تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا کلمہ خواجہ صاحب کی طرف منسوب ہے تب تو وہ حالت خاص میں ہونے کے سبب معذور اور شرعی گرفت سے محفوظ ہیں اور اگر اس کا قائل اور مؤید کوئی عام انسان ہے خواہ عالم ہی ہو یا ولی ہو مگر حالت خاص وسکر میں نہ ہو تو اس کلمہ کا حکم "اشرف علی رسول اللہ" کے مثل ہے کہ اس کا قائل اور مؤید از روئے شرع دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

﴿۳﴾ "بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا" کہنے کا حکم

استفتاء میں شعر غلط نقل کیا گیا ہے درست شعر اس طرح ہے

بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی ☆ ہے خداوندِ جہاں بندہ رسول اللہ کا

یہ شعر دراصل خواجہ یار فریدی صاحب علیہ الرحمہ (چاچڑاں شریف) کا ہے، جو اکابر اہل سنت سے ہیں۔

یہ شعر اپنے الفاظ و مفاہیم کے اعتبار سے بالکل صحیح و درست اور معنویت سے لبریز ہے۔ اس شعر کا سادہ سا مفہوم یہ ہے:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی غلامی و اطاعت کے صدقہ میں ہمیں ملکیت وحکومت ملی، بادشاہ رسول اللہ کا غلام ہے۔

دراصل شاعر نے اس شعر میں **بندگی، خداوندی، خداوند جہاں، بندہ رسول اللہ،** جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں جسے سمجھنے میں مستفتی کو اُلجھن پیش آرہی ہے لہٰذا راقم مذکورہ بالا الفاظ کی قدرے وضاحت پیش کئے دیتا ہے۔ تا کہ شعر سے متعلق سائل کی ذہنی اُلجھن دُور ہو جائے۔

"**بندگی**" فارسی لفظ ہے اس کے چند معانی ہیں انہیں میں سے غلامی' تابع داری' 'خدمت' بھی ہے۔ دیکھیں لغات کشوری، صفحہ ۷۴، اور نور اللغات جلد اول صفحہ ۶۷۳۔

اور نبی کی تابع داری و غلامی سے کسے انکار ہے۔ قرآن میں ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار بن جاؤ۔

[کنز الایمان، پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۳۱]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اس کے محبوب بندوں کو اپنی اتباع کا حکم دیں۔

دوسرا لفظ ''خداوندی'' ہے یہ لفظ بھی فارسی ہے جس کا معنی ملکیت، بادشاہت ہے۔[فیروز اللغات اردو ۵۸۷]
اور شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ''گلستاں'' میں (جو کہ اہل سنت کے علاوہ دیوبندی مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہے)
جا بجا اس لفظ کو دنیاوی بادشاہت اور حکومت کے لئے استعمال کیا ہے[گلستاں، صفحہ ۳۳]
تیسرا لفظ ''خداوند جہاں'' ہے یہ بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی بادشاہ ہے۔ گلستاں میں شیخ سعدی نے بادشاہ اتابک ابوبکر بن سعد بن زنگی کو'' خدوَاند جہاں'' لکھا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے دنیاوی بادشاہوں کو'' خداوند جہاں '' لکھا ہے۔[گلستاں، صفحہ ۱۵]

''بندہ'' بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی غلام، تابع دار ہے[لغات کشوری، ص۴۷]
اور بندہ کی نسبت (اضافت) نبی کی طرف بلا قباحت جائز ہے قرآن شریف میں ہے:

'' قل یعبادی''[پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۵۳]
مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ کیا:
''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو''
اس میں بندوں کی نسبت (اضافت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔
علاوہ ازیں مولائے روم کی مثنوی شریف جس کے بارے میں دیوبندی پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کا کہنا ہے:
''دنیا میں تین کتابیں انوکھی ہیں قرآن شریف بخاری شریف مثنوی شریف''
اور دیوبندی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے چوبیس جلدوں پر مشتمل مثنوی کی شرح بنام **کلید مثنوی** لکھی ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس میں اس آیت کریمہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قل یا عباد

[مثنوی شریف، دفتر اول، ص ۶۵]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:
''قرآن میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بندہ کہہ کر پکارا ہے تمام جہان کو قل یا عباد پڑھ لے''
اور پھر اس کی شرح اس طرح کی ہے:
''تمام عالم کو (باعتبار معنی تسخیر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بندہ ارشاد فرمایا ہے چنانچہ تم آیہ ''قل یعبادی الذین اسرفوا'' کو پڑھ کر دیکھ لو''[کلید مثنوی جلد ۲ دفتر ۱، ص ۱۲۵]
اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں مگر یہ مقام اس کا متحمل نہیں ہے۔

عبارات بالا سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مندرجہ بالا شعر میں مندرج الفاظ کا استعمال غیراللہ کے لئے بھی جائز ہے ،لہٰذا مذکورہ بالا اشعار اپنے الفاظ ومفاہیم کے اعتبار سے بالکل درست ہے اس میں از روئے شرع کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے اس کے لکھنے والے کو کافر قرار دیا جاسکے۔

ھٰذا اما عندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۸/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

وجود باری کا انکار کرنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسلمان ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہیں ہے اللہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اگر اللہ ہوتا تو مجھے بیٹا ضرور دیتا زید کے سب لڑکیاں ہیں۔ زید کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام کے لئے اپنے نواسے کو شہید کرادیا، وہ کیا ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں زید مومن ہے یا کافر؟ ایسے شخص سے تعلقات رکھنا یا ایسے کی نماز جنازہ میں شریک ہونا کیا جائز ہے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهّاب

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ۔ نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

زید اپنے جملہ خبیثہ کفریہ کے سبب کافر ومرتد ہوگیا زید پر فرض ہے کہ فوراً توبہ اور تجدید ایمان کرے اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح کرے نیز کسی پیر کامل سے مرید ہو تو ازسرنو بیعت بھی کرے۔ درمختار مع فتاوی شامی باب المرتد میں ہے:

مایکون کفراًاتفاقاًیبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزنا،ومافیہ خلاف یؤمربالاستغفاروالتوبة (أی تجدید الاسلام) وتجدید النکاح" [۳۹۱/۲]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولادِ زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی

و اما ینسینك الشیطان فلا تقعد بعدالذکری مع القوم الظالمین ۔

[پارہ ۲۸: سورۃ الانعام آیت ۶۸]

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

ایاکم و ایاھم لایضلونکم و لایفتنونکم

گمراہوں سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [مسلم شریف، ۱/۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں اور مرنے پر اس کی نماز جنازہ میں بھی شریک نہ ہوں۔

و العلم عنداللّٰہ تعالیٰ ۔

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مورخہ ۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فتوی کا انکار اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان عظام مسئلہ ذیل میں

زید کا باپ جو کہ حافظ ہے اور زید مولوی و مفتی ہے زید کے باپ نے کچھ لوگوں کا سہارا لے کر قبرستان کی جگہ میں ایک مدرسہ کی تعمیر کی ہے جو کہ اس وقت ایک مانٹیسری اسکول کی شکل میں چل رہا ہے، جس میں ہندی، اردو، عربی کے ساتھ پڑھائی ہو رہی ہے اور فیس وظیفہ بھی لیا جاتا ہے گویا کہ حافظ صاحب مذکور نے اس کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے جس وقت اس مدرسہ کی تعمیر ہوئی تو اس وقت جامعہ نعیمیہ سے فتوی لیا گیا اور جامعہ کے اسٹاپ کو دعوت دی گئی جس میں ایک پروگرام اس سلسلے میں منعقد کیا گیا لیکن زید کے باپ نے کہا یہ فتوی ہمارے سر آنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے چونکہ کچھ لوگ جو اہل علم تھے وہ اس کے ساتھ اس کی حمایت میں تھے جب بستی کے علم دار لوگ زید کے خلاف ہوئے اور لعنت و ملامت کی گئی کہ تم مولوی و مفتی ہو اس مسئلہ پر اپنے باپ کو اور جو لوگ تمہارے باپ کے ساتھ ہیں انہیں اس مسئلہ پر سمجھاؤ تو زید نے جمعہ کے دن بھری مسجد میں قسم کھائی کہ آپ لوگ مطمئن رہو اس کو میں توڑوں گا لیکن زید کا اس پر عمل نہیں ہوا بعدہ اس مسئلہ پر ایک قاری صاحب نے زید کو سمجھایا کہ اس مدرسہ کو ختم کر دو تو زید نے قاری صاحب کو یہ جواب دیا کہ قاری صاحب یہ تو میں بھی جانتا ہوں

لیکن اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے۔ آیا اس صورتِ حال میں مدرسہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے یا جو لوگ اس میں چندہ دیں یا اس کی حمایت کریں ایسے لوگوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا اور زید مذکور کے الفاظ ''ہم کسی مفتی متقی کی بات نہیں مانیں گے'' اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے مہربانی فرما کر سب سوالوں کے جواب مدلل و مفصل قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر فرما دیں۔

ڈڑھیال ضلع رامپور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحيم نحمده ونصلّي علىٰ حبيبه الكريم

وقفی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر از روئے شرع ناجائز و حرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وقف کی تبدیل جائز نہیں جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔ سراج وہاج پھر فتاوی ہندیہ میں ہے:

لا يجوز تغير الوقف عن هيأته

(وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں)

[فتاوی رضویہ جدید، ۹/۴۵۷]

لہٰذا حافظ مذکور پر لازم ہے فوراً قبرستان سے مدرسہ ختم کرے اور قبرستان میں کسی طرح کا کوئی تصرف نہ کرے ورنہ مستحق عذاب شدید ہوگا۔

حافظ مذکور کا یہ کہنا ''یہ فتوی ہمارے سر آنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے'' اس میں فتوی کا انکار بھی ہے اور علماء کی توہین بھی اور فتوی کا انکار کرنے والا اور علماء کی توہین کرنے والا گمراہ و کافر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''یہ شخص اگر خود عالم کامل نہیں تو مستند علمائے دین کے فتوے نہ ماننے کے سبب ضال و گمراہ ہے''

[فتاوی رضویہ جدید، ۲۱/۱۷۳]

مزید فرماتے ہیں:

''عالم دین کی توہین کو ائمہ نے کفر لکھا ہے، مجمع الانہر میں ہے:

''الاستخفاف بالاشراف والعلماء كفر''

(علماء اور اشراف کی توہین کفر ہے) ایسے شخص پر توبہ فرض ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۸۱/۳]

حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں: ''خانیہ میں ہے: **رجلان بینهما خصومة فقال احدهما للاخر بیانا بعلم رویم فقال الاخر من علم چه دانم قال ابوبکر القاضی یکفر المجیب لانه یستخف بالعلم**

یعنی دو آدمیوں میں جھگڑا تھا ایک نے دوسرے سے کہا آؤ علم کی طرف چلیں دوسرے نے کہا میں علم کو کیا سمجھتا ہوں قاضی ابوبکر نے فرمایا یہ دوسرا کافر ہو گیا کیوں کہ اس نے علم کا استخفاف کیا۔

رمزی میں ہے: **رجلان بینهما خصومة فجاء احدهما بخطوط الفقهاء و الفتوی فقال الخصم لیس کما افتوا اوقال لانعمل بهذا وهمامن عرض الناس کان علیه التعزیر**

اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تحریر فتوی کو کہہ دینا کہ ہم اس کو نہیں مانتے یا یہ ٹھیک نہیں ہے اس پر تعزیر ہوتی ہے لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ علماء کے جھٹلانے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل کی تکذیب کرنے پر جری ہوگئے ہیں'' [فتاوی صدر الافاضل ص، ۵۵۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فتوی کا انکار گمراہی و لائق تعزیر جرم اور علماء کی توہین کفر ہے۔ للہذا حافظ مذکور پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور اگر مرید ہو تو تجدید بیعت لازم و ضروری ہے اور اگر حافظ مذکور ایسا نہ کرے تو مسلمانوں کو اس کا بائیکاٹ ضروری ہے اور جو لوگ حافظ مذکور کے معاون ہیں وہ لوگ بھی مرتکب جرم و لائق سزا ہیں۔

حدیث میں آیا:

من مشیٰ مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام

جو شخص جان بوجھ کر ظالم کی مدد کو چلا اس نے اسلام کا پٹہ گردن سے نکال دیا۔ [کنز العمال]

اور رہا حافظ مذکور کے بیٹے زید جو مفتی ہیں ان کا یہ کہنا کہ **''اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے''** اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہم شریعت نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی مانیں گے تو گویا یہ شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا ہے اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا شریعت کی توہین ہے اور شریعت کی توہین کفر ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لماجئت به .

تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کی طبیعت میری شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ [مشکوۃ شریف]

اعلیٰ حضرت **''شریعت نامنظور ہے بلکہ رواج منظور''** کہنے والے کے متعلق فرماتے ہیں:

''عالمگیریہ میں ہے: **اذا قال الرجل لغیره حکم الشرع هذه الحادثة کذا فقال ذالك الغیر من**

برسم کارمی کنم نه بشرع یکفرعندالمشائخ ۔

اقول و صورة النازلة اشدمن ھٰذابکثیرفان ھٰذااخبارعن عمله والرجل ربمایعمل بالمعصیة وھولایرضاھافیکون عاصیاًلاکافراًلعدم الاستحسان والاستحلال بخلاف ماثمه فانه صریح فی عدم قبول الشرع وترجیح الرسم علیه فکان کالمسألة قبلهارجل قال لخصمه اذھب معی الی الشرع قال بباده بیارتابروم بے جبر نروم یکفرلانه عاندالشرع ۔

جب کسی نے دوسرے سے کہا کہ اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہے تو اس دوسرے نے جواباً کہا کہ میں تو رسم کے مطابق کروں گا نہ کہ شریعت کے مطابق تو بعض کے نزدیک یہ کافر ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں صورت نازلہ مذکورہ صورت سے بہت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس میں عمل کی اطلاع ہے اور آدمی بہت دفعہ معصیت کا عمل کرتا ہے مگر اسے گناہ تصور کرتا ہے اور دلی طور پر اس سے خوش نہیں ہوتا تو اب عاصی ٹھہرا نہ کہ کافر کیوں کہ اس نے اسے حلال تصور نہیں کیا بخلاف سوالیہ صورت کے یہاں قبول شرع کا انکار ہے اور رسم کو اس پر ترجیح دے رہا ہے یہ اس سے قبل والے مسئلہ جیسا ہے کسی نے مخالف سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل تو اس نے کہا کہ شریعت لادے تا کہ میں چلوں بغیر جبر کے میں نہیں جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا کیوں کہ اس نے شریعت سے عناد روا رکھا۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۴/۶۹۲]

لہٰذا مفتی صاحب پر اپنے ادا کئے ہوئے جملہ خبیثہ کے سبب توبہ تجدید ایمان تجدید نکاح اور تجدید بیعت ضروری ہے۔

درمختار مع فتاوی شامی باب المرتد میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقایبطل العمل والنکاح واولاده اولادزنا،ومافیه خلاف یؤمر باالاستغفار والتوبة (أی تجدیدالاسلام)وتجدیدالنکاح ۔[۶/۳۹۱]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا، نیز مفتی صاحب پر لازم ہے کہ اپنے والد صاحب کو سمجھائیں اور اگر نہ مانیں تو ان کے خلاف لوگوں کا ساتھ دیں گناہ پر والد کی مدد نہ کریں اور نہ ہی ان کی معصیت میں اتباع کریں۔حدیث میں ہے:

لاطاعة فی معصیة اللّٰه انماالطاعة فی المعروف

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت ولحاظ نہیں بلکہ اطاعت نیک کام میں ہے۔[بخاری شریف ۲/۱۰۷۸]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰه تعالیٰ

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مورخہ ۲؍ربیع النور ۱۴۳۳ھ

تصدیقات علماء کرام

الجواب صواب۔ ممتاز احمد نعیمی غفرلہ
لقد اصاب من اجاب۔ محمد سلیمان نعیمی برکاتی خادم الافتاء والتدریس جامعہ نعیمیہ مراد آباد
الجواب صحیح والمجیب نجیح۔ محمد سلطان رضا نعیمی خادم الافتاء والتدریس جامعہ غوثیہ حفیظ العلوم صدیقی مارکیٹ کاشی پور۔

حاتم طائی کا کفر وایمان اور اس کی سخاوت

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ حاتم طائی مسلمان تھا یا کافر اور اسے سخی کہنا کیسا ہے؟ دلائل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری) محمد تصور (امام) چمن مسجد پاکبڑا مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حاتم طائی کی بیٹی کو ایک جنگ کے موقع پر گرفتار کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا تو حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور جواب مرحمت فرمایا۔

حاتم طائی کی بیٹی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے درج ذیل حدیث پاک کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

فقالت یامحمد صلی اللہ علیہ وسلم ان رأیت ان تخلی عنی ومااتشمت بی احیاء العرب فانی ابنۃ سیدقومی وان ابی کان یحمی الذمار، و یفک العانی ویشبع الجائع ویکسوالعاری ویقری الضیف ویطعم الطعام ویفشی السلام ولم یردطالب حاجۃ قط

انا ابنة حاتم طيئ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاجاریة هٰذه صفة المومنين حقالو كان ابوكِ مسلما (نوادرالاصول میں "اسلامیا" ہے بدایہ ونہایہ میں "مومنا" ہے) لترحمنا عليه خلوا عنها فان اباها كان يحب مكارم الاخلاق والله تعالىٰ يحب مكارم الاخلاق الخ

[كنزالعمال لمتقی الهندی، ۳/۲۶۴، نوادرالاصول لحكيم الترمذی ۲/۷۲۷دلائل النبوة للبيهقی، ۵/۳۴۱،البدايه والنهايه، ۲/۲۷۱، احياء علوم الدين للامام الغزالی، ۲/۳۵۳]

حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے رہا فرمادیں اور اہلِ عرب کو مجھ پر نہ ہنسائیں میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ قوم کی حفاظت کرتا اور قیدی کو چھڑاتا بھوکوں کو کھانا کھلاتا مہمان نوازی کرتا اور کھانا کھلاتا اور سلام پھیلاتا اور کبھی حاجت مند کو نہ لوٹاتا۔ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لونڈی یہ تمام باتیں مومنین کی صفت ہیں۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ضرور ہم اس کے لئے دعائے رحمت فرماتے۔ (پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا) اسے چھوڑ دو اس لئے کہ اس کا باپ اخلاقی خوبیوں کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ اخلاقی خوبیاں پسند فرماتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان عدی بن حاتم اتی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان ابی كان يصل القرابة ويحمل الكل ويطعم الطعام قال هل ادرك الاسلام قال لاقال ان اباك كان يحب ان يذكر فذكر"

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے اور کھانا کھلاتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اسلام پایا کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے باپ شہرت پسند کرتے تھے تو وہ مشہور ہو گئے۔

[المعجم الكبير للطبرانی ،۶/۱۹۷]

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حاتم طائی مسلمان نہیں ہے۔

رہا حاتم طائی کو "سخی" کہنا تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے البتہ بطور مدح اس کو سخی نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث سے اس کا کافر ہونا ثابت ہے اور از روئے شرع کافر تو کافر کسی فاسق کی بھی مدح جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں

ہے آتا ہے:

ان اللہ عزوجل یغضب اذامدح الفاسق فی الارض ۔

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش ۔

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

[شعب الایمان للبیہقی ج۴ص ۲۳۱،باب فی حفظ اللسان]

ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ۔

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مورخہ ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

باب الصلوٰة

رکعات نماز کا ثبوت احادیث سے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ کی بابت کہ کیا نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات یعنی فرض، سنت قبلیہ وبعدیہ، وتر ونوافل احادیث سے ثابت ہیں؟ عام کتابوں میں رکعات کا ذکر تو ہے البتہ احادیث کے حوالے سے نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات کا ذکر یکجا نہیں ہے۔ اگر رکعات نماز کے سلسلے میں احادیث کریمہ بیان فرمادیں تو بہتر ہوگا

محمد ثاقب رضا قادری ضیائی (مرکز الاولیاء لاہور پاکستان)

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم – نحمده ونصلّی علٰی حبيبه الكريم

یقیناً سبھی نمازوں کا ثبوت احادیث میں موجود ہے ہم قدرے اجمال سے ان احادیث کو بالترتیب قلمبند کرتے ہیں جن میں نماز پنج گانہ کا واضح ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

احادیث نبویہ کی روشنی میں فرض نمازوں کا اجمالی بیان

بخاری شریف میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

"جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس يسمع دوی صوته، ولا يفقه ما يقول حتى دنا فإذا هو يسأل، عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات فی اليوم والليلة، فقال: هل علی غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع"

(ایک شخص نجد کا رہنے والا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، رسول اللہ کے پاس آیا اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سنی جارہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے البتہ جب وہ قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی بابت پوچھ رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، وہ شخص بولا کہ کیا ان کے علاوہ بھی میرے اوپر فرض ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے پڑھے)

[۱/۱۱، ۱۲، باب الایمان، باب الزکوۃ من الاسلام]

الحاصل: مندرجہ بالا حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بندوں پر ایک دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

کس نماز میں کتنی رکعات ہیں اب ہم اس کا تفصیلی بیان احادیث نبویہ کی روشنی میں قلمبند کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز فجر کی رکعات

نماز فجر کی سنت رکعات کا ثبوت

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي ركعتين خفيفتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں اذان اور اقامت کے درمیان ہلکی سے دو رکعت پڑھتے تھے)

[بخاری، ۱/۸۷، باب الاذان بعد الفجر، مسلم، ۱/۲۵۰، باب استحباب ركعتي سنة الفجر]

نماز فجر کی فرض رکعتوں کا بیان

بخاری شریف میں ہے "حدثنا سيار بن سلامة قال دخلت أنا وأبي على أبي برزة الأسلمي فسألناه عن وقت الصلوات فقال كان النبي صلى الله عليه وسلم oooooo يصلي الصبح فينصرف الرجل فيعرف جليسه، وكان يقرأ في الركعتين، أو إحداهما ما بين الستين إلى المئة"

(سیار بن سلامہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی سے ملنے گئے ہم نے ان سے نماز کے اوقات سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ....... نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز اس وقت ادا کرتے جب کہ اتنی روشنی ہو جاتی کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا آپ دونوں رکعتوں میں یا ایک میں سو سے ساٹھ آیات تک تلاوت فرماتے تھے) [۱/۱۰۶، باب القراءة في الفجر]

سنن ابوداؤد شریف میں ہے "عن قيس بن عمرو قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا يصلي بعد صلاة الصبح ركعتين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الصبح ركعتان فقال الرجل إني لم أكن صليت الركعتين اللتين قبلهما فصليتهما الآن فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم"

(حضرت قیس بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے فجر سے پہلے کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں اس وقت وہ پڑھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی)

[سنن ابو داود ۱/۱۸۰، باب التطوع، باب من فاتته متى يقضيها]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث کریمہ کی روشنی میں صاف ہوگیا کہ فجر کی فرض نماز دو(۲) رکعت ہے اور اس سے قبل دو رکعات نماز سنت ہے۔

نماز ظہر کی ابتدائی چار رکعت سنتوں کا بیان

بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان لا يدع أربعا قبل الظهر"
(نبی ظہر سے پہلے کی چار رکعات کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔)

[بخاری، ۱/ ۱۵۷، باب الرکعتان قبل الظهر]

سنن بوداؤد وسنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ام حبیبہ سے مروی ہے فرماتی ہیں:

من حافظ علی أربع ركعات قبل الظهر وأربع بعدها حرمه الله على النار
(جو شخص ظہر سے قبل اور بعد چار چار رکعات نماز (نوافل) کا اہتمام کرے، اللہ اسے آگ پر حرام کردے گا۔)

[سنن ابوداود، ۱/ ۱۸۰، باب الاربع قبل الظهروبعدها، سنن ترمذی: ۱/ ۹۸، باب ماجاء في الرکعتين بعدالظهر، سنن ابن ماجه، ص ۱۸، باب ماجاء فيمن صلى قبل الظهر اربعاوبعدهااربعا]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت (سنت مؤکدہ) ہیں۔

نماز ظہر کے چار رکعات فرض کا ثبوت

صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں ہے:

"عن أنس بن مالك، رضى الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى الظهر بالمدينة أربعا"

(حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں چار رکعت نماز ظہر ادا فرمائی)

[۱/ ۲۰۹، باب من بات بذى الحليفة حتى أصبح [سنن ترمذی: ۱/ ۱۲۲، باب التقصير في السفر]

سنن دارقطنی میں ہے:

"عن أبی مسعود قال أتى جبريل عليه السلام النبي صلى الله عليه وسلم فقال قم فصل وذلك دلوك الشمس حين مالت الشمس فقام فصلى الظهر أربعا."
(حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور کہا کھڑے ہو جاؤ نماز پڑھو اور وہ سورج ڈھلنے کا وقت تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کھڑے ہوئے ظہر کی چار رکعت ادا فرمائی)

[۱/۱ ۳۶، باب عدد رکعات الصلوات الخمس]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے نماز ظہر کی فرض رکعات چار ثابت ہیں۔ یعنی نماز ظہر میں فرض نماز چار رکعت ہے۔

نماز ظہر کے فرض کے بعد سنتوں اور نفل کی رکعتوں کا بیان

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی فرماتے ہیں

"صلیت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ٥٥٥٥ر كعتين بعد الظهر"

میں نے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحیح بخاری، ۱/۱۵۶ ،باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی،سنن مسلم،]

اسی میں حضرت عنبسہ بن ابوسفیان سے مروی فرماتے ہیں:

"أخبرتنی أختی أم حبیبة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أن حبیبها أبا القاسم صلی اللّٰه علیه وسلم أخبرها قال ما من عبد مؤمن یصلی أربع ركعات بعد الظهر فتمس وجهه النار أبدا إن شاء اللّٰه عز و جل"

(مجھے میری بہن حضرت ام حبیبہ نے بتایا کہ ان کے حبیب ابوالقاسم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ کوئی مومن بندہ ایسا نہیں جو ظہر کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے اسے جہنم کی آگ چھوے اگر اللہ چاہے تو)

[سنن نسائی، ۱/۲۰۱، باب الاختلاف علی اسماعیل]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے دو رکعت سنت مؤکدہ اور دو نفل ثابت ہیں۔ ظہر کے فرض ادا کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعت (سنت مؤکدہ) فعلاً ثابت اور چار رکعت یعنی دو سنت مؤکدہ اور دو نفل قولاً ثابت ہیں۔

نماز عصر سے قبل کی چار رکعت سنتوں کا بیان

سنن ابوداؤد و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

"عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال رحم اللّٰه امرأ صلی قبل العصر اربعاً"

(اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل فرمائے جو عصر کی نماز سے قبل چار رکعات پڑھے)

[سنن ابوداود، ۱/۱۸۰، باب الصلاۃ قبل العصر، سنن ترمذی: ۱/۹۸، باب الاربع قبل العصر]

الحاصل: نماز عصر سے پہلے چار رکعت سنت (غیر مؤکدہ) ہیں۔

نماز عصر کی فرض رکعات

مسلم شریف اور سنن ابوداؤد میں حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى العصر فسلم في ثلاث ركعات ثم دخل منزله فقام إليه رجل يقال له الخرباق وكان في يديه طول فقال يا رسول الله فذكر له صنيعه وخرج غضبان يجر رداءه حتى انتهى إلى الناس فقال أصدق هذا قالوا نعم فصلى ركعة ثم سلم ثم سجد سجدتين ثم سلم"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا پھر اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک آدمی کھڑا ہوا جسے خرباق کہا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ بھی لمبے تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے یاد دلا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے اور لوگوں تک پہنچ گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ سچ کہتا ہے لوگوں نے کہا کہ ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا)

[مسلم، ۱/ ۲۱۴، باب السهو في الصلاة والسجود له، سنن ابو داود، ۱/ ۱۴۶، باب في سجدة السهو]

سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

"قال النبي صلى الله عليه وسلم أتى جبريل عليه السلام ooooo حين كان ظله مثله فقال قم فصل فصلى العصر أربعا"

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے.....اس وقت جب کہ سایہ ایک مثل ہو گیا کہا کھڑے ہو جاؤ نماز پڑھو تو آپ نے عصر کی چار رکعت نماز ادا فرمائی)

[۱/ ۲۶۱، باب عدد ركعات الصلوات الخمس]

الحاصل: درج بالا احادیث سے عصر کی فرض نماز چار رکعت ثابت ہوئی۔

نماز مغرب کی فرض رکعات

مسلم شریف میں ہے:

"عن ابن شهاب ان عبيدالله بن عبدالله بن عمر اخبره أن أباه قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين المغرب والعشاء ليس بينهما سجدة وصلى المغرب ثلاث ركعات"

(حضرت شہاب سے مروی ہے کہ عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی سجدہ نہیں کیا (یعنی کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں)

[مسلم، ١/٤١٧، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة واستحباب صلاتي المغرب والعشاء]

حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا "كان أول ما افترض على رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة ركعتان ركعتان إلا المغرب فإنها كانت ثلاثا"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولاً دو دو رکعت نماز فرض ہوئی سوائے مغرب کے کہ وہ تین رکعت ہوئی)

[مسند احمد ٦/٢٧٢]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب میں فرض نماز تین رکعت ہیں۔

مغرب کی سنت ونفل رکعات کا ثبوت

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں

"صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ○○○○○ ركعتين بعد المغرب"

(میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحيح بخاري، ١/١٥٦، باب ماجاء في التطوع مثنى مثنى، صحيح مسلم]

سنن نسائی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد المغرب ركعتين في بيته"

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[سنن نسائی، ١/١٠٠، باب الصلاة بعد الظهر]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز سنت (مؤکدہ) ہے۔

اور مؤخر الذکر حدیث سے مغرب کی نماز کے بعد سے عشاء تک بیس رکعت نفل نماز ثابت ہے، اس میں دو رکعت ابتدائی سنت (مؤکدہ) اور اس کے بعد ہمارے یہاں جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں اس کی اصل بھی اس میں موجود ہے۔

قبل عشاء سنتوں کی رکعتوں کا بیان

عشاء سے پہلے کی چار سنتوں کا ذکر کتب احادیث میں نہیں ہے البتہ فقہ حنفی کی کتاب "الاختیار لتعلیل المختار لابن المودود" میں حضرت عائشہ سے مروی درج ذیل روایت نقل کی گئی ہے جس میں عشاء سے قبل چار رکعات سنتوں کا ثبوت

موجود ہے

"عن عائشة أنه عليه الصلاة والسلام كان يصلي قبل العشاء أربعا"

(حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[۷۲/۱]

نماز عشاء کی فرض رکعات

بخاری شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

شكا أهل الكوفة سعدا إلى عمر رضي الله عنه فعزلهواستعمل عليهم عمارا، فشكوا، حتى ذكروا أنه لا يحسن يصلي، فأرسل إليه فقال يا أبا إسحاق إن هؤلاء يزعمون أنك لا تحسن تصلي؟ قال أبو إسحاق: أما أنا والله فإني كنت أصلي بهم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أخرم عنها، أصلي صلاة العشاء، فأركد في الأولیين، وأخف في الأخريين"

(کوفہ والوں نے حضرت عمر سے حضرت سعد کی شکایت کی حضرت عمر نے حضرت سعد کو معزول فرمادیا اور عمار کو ان کا گورنر بنادیا انہوں نے حضرت سعد کی بہت زیادہ شکایتیں کیں یہاں تک کہ وہ نماز بھی درست نہیں پڑھاتے تھے حضرت عمر نے انہیں بلالیا اور ان سے کہا کہ اے ابو اسحاق یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے تھے حضرت سعد بولے خدا کی قسم ان کے ساتھ میں نے ویسی نماز ادا کی ہے جیسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہوتی تھی، چنانچہ میں عشاء کی نماز پڑھاتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر لگاتا تھا اور اخیر کی دو رکعت ہلکی پڑھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو اسحاق تم سے یہی امید تھی)

[۱۰۴/۱، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر]

الحاصل: مذکورہ بالا حدیث پاک کی روشنی میں ثابت ہوا کہ عشاء کی فرض نماز چار رکعت ہے۔

عشاء کے بعد کی سنت وتر اور نوافل رکعات

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی فرماتے ہیں

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي ٥٥٥٥بعد العشاء ركعتين"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے) [صحيح بخاري، ۱۲۸/۱، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، صحيح مسلم]

درج بالا حدیث سے فرض کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ثابت ہوتی ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

حدثنا زرارة بن أوفى أن عائشة رضى الله عنها سئلت عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في جوف الليل فقالت كان يصلى صلاة العشاء في جماعة ثم يرجع إلى أهله فيركع أربع ركعات"

(زرارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء جماعت سے ادا فرمانے کے بعد اپنے گھر والوں میں تشریف لے آتے تھے اور چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[سنن ابوداود، ۱/۱۹۰، باب صلاة الليل]

اس حدیث پاک سے نماز عشاء کے فرض کے بعد چار رکعت نماز یعنی دو رکعت سنت (مؤکدہ) اور دو نفل کا ثبوت ملتا ہے۔

سنن ترمذی میں حضرت علی سے مروی فرماتے ہیں:

"كان النبي صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث ○○○ قال أبو عيسى وقد ذهب قوم من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم إلى هذا ورأوا أن يوتر الرجل بثلاث قال سفيان إن شئت أوترت بخمس وإن شئت أوترت بثلاث وإن شئت أوترت بركعة قال سفيان والذى أستحب أن يوتر بثلاث ركعات وهو قول ابن المبارك وأهل الكوفة"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے.....امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں علماء صحابہ وغیرہم کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے کہ وتر میں تین رکعات پڑھی جائیں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ پانچ رکعت تین رکعت ایک رکعت جتنی چاہے پڑھے لیکن میرے نزدیک وتر کی تین رکعتیں پڑھنا مستحب ہے ابن مبارک اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے)

[سنن ترمذی: ۱/۱۰۶، باب فى الوتر بثلاث]

سنن نسائیؒ میں حضرت ابی بن کعب سے مروی" أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلاث ركعات"

(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعات پڑھتے تھے)[سنن نسائي، ۱/۱۹۱، باب كيف الوتر بثلاث]

درج بالا احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت

"أن رسول اللہ ○○○ رکع رکعتین وھو جالس بعدالوتر"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نماز بیٹھ کر ادا فرماتے تھے)

[سنن ابوداود، ۱/۱۹۱، باب فی صلاۃ اللیل]

الحاصل: احادیث بالا سے ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ہیں دو رکعت نفل اور تین وتر اور پھر دو نفل ،یعنی عشاء کے بعد کل سنن و نوافل سوائے تین رکعت وتر واجب کے چھ رکعت ہیں۔

نماز جمعہ سے قبل کی چار سنتیں

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرکع قبل الجمعۃ أربعا."

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعت ادا فرماتے تھے)

[سنن ابن ماجہ: ص ۷۹، باب ماجاء فی الصلاۃ قبل الجمعۃ]

الحاصل: مذکورہ حدیث پاک سے جمعہ کی فرض نماز سے قبل چار رکعت نماز (سنت مؤکدہ) ادا کرنا ثابت ہے۔

جمعہ کی دو رکعت فرض کا بیان

سنن نسائی میں ہے:

"عن عبد الرحمن بن أبی لیلی قال قال عمر صلاۃ الجمعۃ رکعتان"

(عبدالرحمن بن ابولیلی نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا جمعہ کی نماز دو رکعت ہے)

[سنن نسائی، ۱/۱۵۹، باب عدد صلاۃ الجمعۃ]

سنن ابوداؤد میں حضرت نافع سے روایت ہے

"أن ابن عمر رأی رجلا یصلی رکعتین یوم الجمعۃ فی مقامہ فدفعہ وقال أتصلی الجمعۃ أربعا"

(حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر نے ایک شخص کو جمعہ کے دن اسی جگہ (جہاں اس نے جمعہ کی دو رکعت نماز ادا کی تھی) نماز ادا کرتے دیکھا تو آپ نے اس کو ہٹایا اور فرمایا کہ کیا جمعہ کی چار رکعت نماز پڑھ رہا ہے (یعنی جمعہ کی نماز تو دو رکعت ہے تو اسی جگہ جہاں پر ابھی جمعہ کی دو رکعت پڑھی ہیں دو اور پڑھ رہا ہے گویا جمعہ کی چار رکعت پڑھ رہا ہے؟)

[سنن ابو دائود، ۱/۱۶۰ ،باب الصلاۃ بعد الجمعۃ]

الحاصل: احادیث کریمہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی فرض نماز دو رکعت ہے۔

جمعہ کے بعد کی سنتوں کا بیان

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعاً"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے)

[مسلم، ۱/۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعد الجمعۃ]

درج بالا حدیث سے نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنا ثابت ہے۔اور مندرجہ ذیل احادیث سے ان چار رکعت کے علاوہ دو رکعت نماز کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمر سے مروی ہے

"أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ooo، وکان لا یصلی بعد الجمعۃ حتی ینصرف فیصلی رکعتین"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد واپس آکر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[صحیح بخاری ،۱/۱۲۸ ،باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلھا]

صحیح مسلم میں حضرت سالم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

"أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین"

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے)

[مسلم، ۱/۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعد الجمعۃ]

الحاصل: درج بالا احادیث سے جمعہ کے فرض ادا کرنے کے بعد چھ رکعت نماز ادا کرنا ثابت ہے۔جس میں چار رکعت نماز سنت مؤکدہ اور دو بعد والی سنت غیر مؤکدہ ہے۔ھٰذا ماعندی والعلم اتم عند اللہ تعالیٰ ۔

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۶/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

اذان واقامت سے قبل درود شریف پڑھنا اور بد مذہبوں سے میل جول رکھنے والے کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) ہمارے یہاں اذان اور اقامت سے پہلے مؤذن بلند آواز سے درود شریف پڑھتا ہے اور امام صاحب نماز کے بعد دعا سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ کچھ لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں۔

(۲) ہماری مسجد کے امام صاحب دیوبندی غیر مقلد اور شیعہ حضرات سے خوب میل جول رکھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی محمد ندیم بٹ جامع مسجد میترا ضلع رام بن جموں کشمیر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

(۱) اذان واقامت سے قبل اور نماز کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا جائز بلکہ مستحب ومستحسن ہے۔خواہ دھیری آواز میں پڑھیں یا بلند آواز میں۔

جو لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کے لئے دلائل درکار ہیں ان سے شرعی دلائل طلب کریں زندگی بھر نہ پائیں گے۔البتہ اس کے جواز واستحباب پر بے شمار دلائل موجود ہیں چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

"عن عروة بن الزبير عن امرأة من بني النجار قالت كان بيتي من أطول بيت حول المسجد و كان بلال يؤذن عليه الفجر فيأتي بسحر فيجلس على البيت ينظر إلى الفجر فإذا رآه تمطى ثم قال اللهم إني أحمدك وأستعينك على قريش أن يقيموا دينك قالت ثم يؤذن قالت والله ما علمته كان تركها ليلة واحدة تعني هذه الكلمات" [سنن ابو داؤد ۱/۷۷، باب الاذان فوق المنارة]

(حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بنی نجار کی ایک صحابیہ خاتون سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے ارد گرد جو گھر تھے ان سبھی گھروں کے مقابلے میرا گھر زیادہ بلند تھا۔حضرت بلال فجر کی اذان اسی پر کہتے تھے وہ پچھلی رات آکر مکان کی چھت پر بیٹھ جاتے اور فجر طلوع ہونے کا انتظار کرتے جب اسے دیکھتے

تو انگڑائی لیتے اور یہ کلمات کہتے (اے اللہ! میں تیری حمد وثنا بیان کرتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں اس بات پر کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں) پھر اذان کہتے۔ وہ صحابیہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتی کہ انہوں نے کسی رات یہ کلمات ترک کیے ہوں۔)

اس حدیث سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اذان سے پہلے بلند آواز سے قریش کے لیے دعا کرنا ثابت ہوا۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ درود وسلام بھی دعا ہی ہے تو جب قریش کے لئے اذان سے پیشتر دعا مانگی جاسکتی تو سردار قریش، قریش کی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا بھلا کیوں ناجائز ہوسکتی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"اول مازید الصلاۃ والسلام بعد کل اذان علی المنارۃ فی زمن السلطان المنصور حاجی بن الاشرف شعبان بن حسین بن الناصر محمد بن المنصور قلاوون بامر المحتسب نجم الدین الطنبدی وذلک فی شعبان سنۃ احدی وتسعین وسبعمائۃ وکان حدث قبل ذلک فی ایام السلطان صلاح الدین بن ایوب ان یقال قبل اذان الفجر فی کل لیلۃ بمصر والشام السلام علیک یا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم واستمر ذلک الی سنۃ سبع وستین وسبعمائۃ فزید بامر المحتسب صلاح الدین البرلسی ان یقال "الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم "ثم جعل عقب کل اذان سنۃ احدی وتسعین وسبعمائۃ"

(اذان کے بعد درود وسلام کا سب سے پہلے آغاز شعبان المعظم ۷۹۱ھ میں سلطان حاجی بن اشرف کے دور میں محتسب نجم الدین طلنبذی کے حکم سے ہوا اور اس سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور مبارک میں مصر اور شام کے تمام شہروں میں فجر کی اذان سے پہلے السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ ۷۶۷ھ تک جاری رہا اس کے بعد محتسب صلاح الدین برلسی کے حکم پر "الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا اضافہ کیا گیا اور پھر ۷۹۱ھ سے ہر اذان کے بعد اس کو شروع کردیا گیا) [الوسائل الی معرفۃ الاوائل، مخطوطہ، ص ۲۰]

علامہ سخاوی اپنی کتاب "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" میں فرماتے ہیں

"قد احدث المؤذنون الصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعۃ فانھم یقدمون ذلک فیھا علی الاذان والا المغرب فانھم لایفعلونہ اصلا لضیق وقتھا وکان ابتداء حدوث ذلک من ایام السلطان

الناصر صلاح الدین ابی المظفر یوسف بن ایوب وامره ٥٥٥وقداختلف فی ذلك هل هو مستحب اومکروه بدعة اومشروع ٥٥٥والصواب انه بدعة حسنة یوجرفاعله بحسن نیته"

(موذن حضرات نے پانچوں نمازوں میں اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا آغاز کیا فجر اور جمعہ کی اذان سے پہلے درود وسلام پڑھتے تھے اور مغرب میں وقت تنگ ہونے کے سبب نہیں پڑھتے تھے اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے دور میں ان کے حکم سے ہوئی۔اس کے مستحب اور مکروہ، بدعت، جائز، ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن ٹھیک یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ ہے اچھی نیت سے کرنے والا اجر پائے گا)[صفحہ ۱۹۵،۱۹۶، مطبع دارالریان]

دیوبندی مشہور عالم زکریا کاندھلوی اپنی کتاب فضائل اعمال میں فتاوی شامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''علماء نے تصریح کی ہے اس کے استحباب کی جمعہ کے دن .....اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت اور دعا مانگنے کے شروع میں بیچ میں اور اخیر میں'' [فضائل اعمال، فضائل درود شریف، ص ۶۷]

اعلیٰ حضرت اقامت سے پیشتر درود شریف پڑھنے سے متعلق رقمطراز ہیں:

''درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے۔''

فتاوی فیض الرسول میں ہے:

''اذان واقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے مگر درود شریف پڑھنے کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان واقامت پڑھے تاکہ دونوں کے درمیان فصل ہو جائے یا درود شریف کی آواز اذان واقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز رہے'' [۱۸۰/۱]

اور رہا نماز کے بعد دعا سے پیشتر درود شریف پڑھنا تو یہ تو دعا کی مقبولیت کی دلیل ہے بارگاہ رسالت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ترمذی شریف میں ہے:

''عن فضالة بن عبید قال :بینا رسول اللّٰه صلی الله علیه و سلم قاعدا إذ دخل رجل فصلی فقال اللهم اغفر لی وارحمنی فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم عجلت أیها المصلی إذا صلیت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله وصل علی ثم ادعه قال ثم صلی رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلی علی النبی صلی الله علیه و سلم فقال له النبی

صلی اللہ علیہ و سلم أیھا المصلی ادع تجب'

(حضرت فضالہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتھے کہ ایک شخص نے آکرنماز ادا کی پھران الفاظ سے
"اللھم اغفر لی وارحمنی" دعا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھے تو بیٹھ جا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کر اس کی شان کے مطابق اور پھر مجھ پر درود پڑھ پھر دعا مانگ حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی دعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی)[ترمذی شریف]

الحاصل: درود وسلام خواہ اذان سے پہلے پڑھا جائے یا اذان کے بعد اقامت سے پہلے پڑھیں یا نماز کے بعد ہر طرح جائز و مستحب اور باعث برکت ہے۔

(۲) جو امام بدمذہبوں سے میل جول رکھتا ہے اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق بھی ہے تب تو وہ بھی کافر و بدمذہب ہے۔اور اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق نہیں بلکہ ان کو گمراہ و کافر تسلیم کرتا ہے لیکن ان سے میل جول رکھتا ہے تو ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق امام کی اقتداء ناجائز و حرام ہے۔

حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے

"إمامة الفاسق مکروھة تحریما"

(فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے)[۳۰۲،فصل فی بیان احق بالامامة]

امداد الفتاح شرح نور الایضاح میں ہے:

"کرہ إمامة الفاسق العالم لانہ لایھتم لامر دینہ ولان فی تقدیمہ للامامة تعظیمہ وقدوجب إھانتہ شرعا"

(فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے اس لئے کہ وہ اپنے دینی معاملات کا اہتمام نہیں کرتا اور اس لئے کہ اس کو امامت کے لئے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ از روئے شرع اس کی توہین واجب ہے)

[ص ۳۴۲فصل فی بیان احق بالامامة]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ ۲٦/۲شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

بد مذہب کی نماز جنازہ بد مذہب امام کی اقتداء میں پڑھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) ہمارے گاؤں گلڑیا میں ایک دیوبندی کا انتقال ہوگیا اس کی نماز جنازہ بھی دیوبندی امام نے پڑھائی کچھ سنی حضرات نے نماز جنازہ میں شرکت بھی کی مٹی بھی اور اس کے لئے ایصال ثواب بھی کیا شریعت میں ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز جن لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی ان میں سے ایک شخص مسجد میں اذان واقامت بھی پڑھتا ہے تو کیا اس کی اذان واقامت درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

محمد ریاست علی، محمد وسیم احمد، محمد سلیم گلڑیا لہری کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم — نحمده ونصلّي علىٰ حبيبه الكريم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کے سبب دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھنا اگر انہیں مسلمان سمجھ کر ہے تو پڑھنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اس پر توبہ، تجدید ایمان، تجدیہ بیعت، اور تجدید نکاح لازم وضروری ہے اور اگر لاعلمی میں یا انہیں کافر جانتے ہوئے پڑھے تو سخت گنہگار ہے اس پر توبہ لازم ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ [سورہ توبہ آیت ۸۴]

(اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مرگئے)

حضور صدر الافاضل اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے جنازے کی نماز اور ان کے دفن میں شرکت کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر کے جنازے کی نماز کسی حال میں جائز نہیں اور کافر کی قبر پر دفن وزیارت کے لئے کھڑے ہونا بھی ممنوع ہے'' [کنز الایمان، سورہ توبہ آیت ۸۴]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''فلاتواکلوهم ولا تشاربوهم ولا تجالسوهم ولاتصلوا عليهم ولاتصلوا معهم''

(بد مذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو)

[کنز العمال ۱۱/۵۴۰]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جسے یہ معلوم ہو کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے پھر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا کہ پیچھے نماز پڑھنا اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ان کو مسلمان سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو مسلمان سمجھنا کفر ہے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کو کافر مرتد لکھا اور صاف فرمایا کہ ''من شك في كفره وعذابه فقد كفر''جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان جاننا درکنار ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر اور جن کو اس کی خبر نہیں اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ یہ برے لوگ بدعقیدہ بد مذہب ہیں وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے سخت اشد گنہگار ہوتے ہیں اور ان کی وہ نمازیں سب باطل و بیکار''

الحاصل:۔ صورت مسئولہ میں دیوبندی کی نماز جنازہ دیوبندی امام کے پیچھے پڑھنے والوں نے اگر میت اور امام دونوں کو مسلمان سمجھ کر پڑھی ہے تو وہ لوگ توبہ، تجدید ایمان، تجدیہ بیعت، اور تجدید نکاح کریں، اور جن لوگوں نے میت اور امام دونوں کو ان کے عقائد کفریہ کے سبب کافر ہی جانا لیکن رسماً یا کسی اور سبب سے جنازہ میں شرکت کی وہ توبہ واستغفار کریں، اور جب تک وہ توبہ نہ کریں ہرگز ان کے لئے اذان اور اقامت پڑھنا جائز نہیں ہے۔ هٰذا ماعندي والعلم عند الله تعالىٰ.

كتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۴/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

امام کا حافظ قرآن ہونا ضروری نہیں

محترم المقام واجب الاحترام جناب مفتی صاحب! سلام مسنون

بعدہٗ عرض یہ ہے کہ ایک امام ایسا ہے کہ جس پر لوگوں کو قرآن یاد ہونے پر اختلاف ہے اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کو قرآن یاد نہیں ہے لھٰذا یہ بتائیں کہ ایسے امام کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو امامت سے اسی وجہ سے ہٹانا درست یا نہیں؟ از روئے شرع جواب دیں۔

المستفتی عبدالغفار گلرو یا لہیر کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم – نحمده ونصلّي علىٰ حبيبه الكريم

صورت مسئولہ میں امام میں کوئی ایسی کمی نہیں جس کے سبب ان کی اقتدا نا جائز ہو یا انہیں امامت سے ہٹایا جائے مکمل قرآن کا یاد ہونا امام کے لئے ضروری نہیں ہے، بس اس قدر قرآن یاد ہو کہ نماز میں قراءت مسنونہ ادا ہو جائے کافی ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

''حافظا من القرآن قدر ما تقوم به سنة القراءة وقيده المصنف في الكافي بأن يكون حافظا قدر ما تجوز به الصلاة، وينبغي أن يكون المختار قولا''

(قراءت مسنونہ کی مقدار حافظ قرآن ہو اور مصنف نے کافی میں مقید کیا اسے کہ امام اتنے قرآن کا حافظ ہو جس سے نماز جائز ہو جائے اور مناسب ہے کہ یہی قول مختار ہو)[۱/ ۶۰۷، باب الامامة]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة هكذا في المضمرات وهو الظاهر هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه كذا في الكفاية وهكذا في النهاية''

(امامت کے سلسلے میں وہ شخص زیادہ بہتر ہے جو احکام نماز لوگوں سے زیادہ جانتا ہو ایسا ہی مضمرات میں ہے اور یہی ظاہر ہے یہ بحرالرائق میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ قراءت بھی بقدر مسنون جانتا ہو ایسا ہی تبیین میں ہے)[فتاوی هنديه، ۱/ ۸۳، فصل في بيان احق بالامامة]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر واقع میں امام اول نہ وہابی ہے نہ غیر مقلد نہ دیوبندی نہ کسی قسم کا بدمذہب، نہ اس کی طہارت یا قرأت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی وجہ کراہت، بلا وجہ اس کو معزول کرنا ممنوع ہے حتی کہ حاکم شرع کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ ردالمحتار میں ہے ''ليس للقاضي عزل صاحب وظيفة بغير جنحة ''یعنی بلا وجہ شرعی قاضی بھی امام کو معزول نہیں کر سکتا'' [فتاوی رضویہ قدیم،۳/۲۴۱]

الحاصل: اگر امام میں کوئی شرعی کمی نہیں ہے تو اتنی سی بات پر کہ لوگوں کا خیال ہے امام کو قرآن یاد نہیں، امام کی اقتدا نہ کرنا اور انہیں امامت سے معزول کرنا جائز نہ ہوگا۔

كتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۷/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

مکروہ اوقات کا بیان اور فجر کا مستحب وقت

محترم مفتی صاحب السلام علیکم! آپ کی خدمت میں کچھ سوال پیش کر رہا ہوں جواب دے کر ممنون فرمائیں؛

(۱) نماز کے مکروہ وقتوں کے بیان میں طلوع آفتاب ،غروب آفتاب اور نصف النہار ان تینوں وقتوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ نفل نہ ادا نہ قضا نہ سجدہ سہو نہ سجدہ تلاوت معلوم یہ کرنا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا مطلب سورج کا پوری طرح نکل آنا اور ڈوب جانا ہے یا سورج نکلنے اور ڈوبنے کا ابتدائی وقت مراد ہے؟

(۲) فجر کی نماز کس وقت پڑھنا مستحب ہے؟

مقبول انصاری پنت نگر
کوارٹر نمبر ۶۹۶، پنت نگر ضلع اودھم سنگھ نگر
۲۵؍ مارچ ۲۰۱۴ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

(۱) جس وقت سے سورج نکلنا شروع ہو اُس وقت سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانے تک کے وقت کو طلوع آفتاب سے اور جب سورج سرخ ہو جائے اس پر نگاہ ٹھہرنے لگے اس وقت سے سورج بالکل ڈوب جانے تک کے وقت کو غروب آفتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علمائے کرام کے تجربات کے مطابق یہ وقت بیس (۲۰) منٹ کا ہوتا ہے یعنی طلوع آفتاب بیس منٹ اور غروب آفتاب بھی بیس منٹ۔ ان دونوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں البتہ غروب آفتاب کے وقت اس دن کی عصر پڑھنے کی اجازت ہے لیکن بلا عذر تاخیر نا جائز ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

حد الطلوع قدر رمح او رمحين وفي المصفىٰ مادام يقدر على النظر الى قرص الشمس فهي في الطلوع لاتباح الصلاة فاذا عجز عن النظر يباح .

طلوع شمس کی حد سورج کا ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانا ہے اور مصفی میں ہے جب تک سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہے تو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں اور جب نگاہ کرنے سے عاجز آجائے تو اس وقت نماز جائز ہے)[باب الاوقات التی تکرہ فیھا الصلاۃ ، ۱/ ۹۷]

محیط برہانی میں ہے:

اذا طلعت حتى ارتفعت قدر رمحين او قدر رمح تباح الصلاة و كان الشيخ الامام الجليل

ابو بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ یقول مادام الانسان یقدر علی النظر الی قرص الشمس فالشمس فی الطلوع لا تباح فیہ الصلاۃ فاذا عجز عن النظر تباح فیہ الصلاۃ وقال الشیخ الامام ابو محمد عبداللہ بن الفضل مادامت الشمس محمرۃ او مصفرۃ علی رؤس الحیطان والجبال والاشجار فھی فی الطلوع فلا تحل الصلاۃ فاذا ابیضت فقد طلعت وحلت الصلاۃ۔

جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جائے تو نماز جائز ہے اور شیخ ابو بکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ جب تک انسان سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہو تو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں جب نگاہ کرنے سے عاجز آ جائے تو اس وقت نماز جائز ہے اور شیخ ابو محمد عبداللہ بن فضل نے فرمایا کہ جب تک دیواروں کے سروں پر اور پہاڑوں اور پیڑوں پر سورج سرخ یا زرد رہے تو وہ طلوع میں ہے تو نماز جائز نہیں جب سفید ہو جائے تو سورج طلوع ہو چکا، اب نماز جائز ہے۔

[۱/۳۸۷، الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی تکرہ فیھا الصلاۃ]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ثلاث ساعات لا تجوز فیھا المکتوبۃ ولا صلاۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارھا الی ان تغیب الا عصر یومہ ذلک فانہ یجوز اداؤہ عند الغروب ھکذا فی فتاوی قاضی خان"

تین اوقات جن میں فرض نماز، نمازِ جنازہ اور سجدہ تلاوت جائز نہیں جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور سورج کے قائم ہونے کے وقت سے زوال تک اور سورج کے سرخ ہونے سے لے کر اس کے ڈوبنے تک مگر اس دن کی عصر کہ اس کا ادا کرنا سورج ڈوبنے کے وقت تک جائز ہے ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے) [الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لا تجوز فیھا الصلاۃ وتکرہ فیھا، ۱/۵۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''تجربہ سے یہ وقت بیس منٹ ثابت ہوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقت کراہت آ جائے گا اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی۔'' [فتاوی رضویہ قدیم ۲/۲۱۵]

(۲) فجر کی نماز کا مستحب وقت

حدیث شریف میں ہے:

اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر .

فجر کی نماز خوب اُجالا کر کے پڑھو اس میں زیادہ ثواب ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یستحب تاخیر الفجر و لایؤخرھا بحیث یقع الشك فی طلوع الشمس بل یسفر بھا بحیث لو ظھر فساد صلاته یمکنه ان یعیدھا فی الوقت بقراء ة مستحبة کذافی التبیین .

فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ طلوع شمس میں شک پڑ جائے بلکہ اس قدر اجالا ہو جانے پر نماز پڑھے کہ اگر نماز کا فساد ظاہر ہو تو دوبارہ وقت کے اندر قراءت مستحبہ کے ساتھ نماز لوٹانا ممکن ہو ایسا ہی تبیین میں ہے۔ [۱/ ۵۲، ۵۳ الفصل الثانی فی بیان فضیلة الاوقات]

فتاویٰ شامی میں ہے:

حد الاسفار ان یمکنه اعادة الطھارة ولو من حدث اکبر کمافی النھر والقھستانی و اعادة الصلاة علی الحالة الاولی قبل الشمس .

اسفار کی حد یہ ہے کہ طہارۃ اگر چہ حدث اکبر سے ہو اس کا اعادہ ممکن ہو جیسا کہ نہر اور قہستانی میں ہے اور نماز کا اعادہ بہتر طریقہ پر سورج نکلنے سے قبل ممکن ہو۔ [کتاب الصلاة، ۲/ ۲۴]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کما فی البحر الرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے...... مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولی کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہو سکے"

مزید دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"رہا یہ کہ حد اسفار کی کیا ہے بدائع و سراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو حصے کیے جائیں حصہ اول تغلیس اور آخر میں اسفار ہے اور امام حلوائی و قاضی امام ابو علی نسفی وغیرہما مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقراءت مسنونہ ترتیل و اطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ نسیان حدث پر متنبہ ہو تو وضو کر کے پھر اسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز آفتاب طلوع نہ کرے۔" واللہ تعالیٰ اعلم .

[فتاویٰ رضویہ قدیم ۲/ ۳۶۰، ۳۶۵]

کتبــــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

کلماتِ اذان واقامت کی ادائیگی کا سنت طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ کیا اذان میں اللہ اکبراور دیگر کلمات اذان کو مجزوم پڑھا جائے گا یا متحرک شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری) محمد عمر

(خطیب وامام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

اذان میں اللہ اکبر کی راء اور دوسرے کلمات اذان کا آخری حرف ساکن پڑھا جائے گا۔فتاویٰ شامی میں ہے:

وحاصلهاأن السّنة أن يسكنَ الرّاء من الله اكبرالاوّل او يصلها بالله اكبر الثّانيةفان سكنهاكفى وان وصلهانوى السكون فحرّك الرّاء بالفتحة فان ضمهاخالف السنة

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی اللہ اکبر کی راء کو ساکن کرنا سنّت ہے یا وصل کرے پہلی اللہ اکبر کا دوسری سے تو اگر ساکن کرے کافی ہے اور اگر وصل کرے تو سکون کی نیت کرے پس راء کو فتحہ کی حرکت دے پس اگر ضمہ دیا خلاف سنت کیا۔ [ردالمحتار ۲/۵۲، کتاب الصلاۃ باب الاذان]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والترسل أن يقول الله اكبرالله اكبرويقف ثم يقول مرةً اخرى مثله وكذالك يقف بين كلّ كلمتين الى آخرالاذان ooooo ويسكن كلماتهماعلى الوقف .

اورترسّل یہ ہے کہ اللہ اکبراللہ اکبر کہے اوروقف کرے پھر دوسری مرتبہ اسی کے مثل کہے۔اور ایسے ہی ہردوکلموں کے درمیان وقف کرے اذان کے آخرتک اوراذان واقامت کے کلمات وقف پر ساکن کرے۔

[الفتاوی الهندیه، ۱/۵۶، الفصل الثانی فی کلمات الاذان]

مراقی الفلاح میں ہے:

ویجزم الراء فی التکبیرویسکن کلمات الاذان والاقامة فی الاذان حقیقة وینوی الوقف لقوله صلی الله علیه وسلم الاذان جزم والتکبیر جزم والاقامة جزم .

اور تکبیر میں راء کو جزم کرے اوراذان واقامت کے کلمات ساکن کرے اذان میں حقیقۃ اور وقف کی نیت کرے نبی صلی الله علیه وسلم کے فرمان اذان اور تکبیر اور اقامت جزم ہے، کی وجہ سے)[۱/۱۳۲]

الحاصل: کلمات اذان واقامت کو مجزوم پڑھنا ہی درست ومشروع ہے۔

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه ۹/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿غیر وسط میں محراب کی رعایت جائز نہیں﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کا محراب بیچ صف میں نہیں ہے بلکہ دو چار فٹ ہٹ کر ہے امام صاحب اس میں نماز پڑھاتے ہیں اور اگر کبھی پہلی صف میں نماز پڑھاتے ہیں تو نہ محراب کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں اور نہ درمیانِ صف میں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ درمیان صف میں کھڑے ہوا کریں تو وہ کہتے ہیں یہی ٹھیک ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کا محراب میں یا درمیان صف سے ہٹ کر نماز پڑھانا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی

حاجی عبدالواحد انصاری پاکیزہ مسجد کچہری کے پاس کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحیم – نحمده و نصلّی علٰی حبیبه الکریم

حدیث شریف میں ہے:

توسطواالامام۔

امام کو بیچ میں کھڑا کرو۔

ملاعلی قاری طیبی کے حوالہ سے اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای اجعلوا امامکم متوسطابان تقفوا فی الصفوف خلفه وعن یمینه وشماله

یعنی اپنے امام کو درمیان میں کھڑا کرو اس طور پر کہ تم صفوں میں امام کے پیچھے اس کے دائیں

اور بائیں کھڑے ہو جاؤ) [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصف،۳/۱۶۲]

حدیث شریف کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ وسط صف ہے، نا کہ محراب۔ محراب تو درحقیقت وسط مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بتانے کے لیے موضوع ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی قدعینت لمقام الامام ۔

(محراب مساجد کے بیچ میں ہوتے ہیں اور وہ امام کی جائے قیام کے لئے متعین ہیں) [کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ۲۔ ۳۱۰]

اور اس کا مسجد کے وسط میں ہونا ہی سنت متوارثہ ہے تو اگر محراب غلطی سے غیر وسط میں بن جائے تو اس میں امام کھڑا نہ ہو۔ یوں ہی مسجد کے جس حصہ میں بھی نماز پڑھی جائے تو وسط صف کا لحاظ ہو گا نہ کہ محراب کی رعایت۔ کیوں کہ امام کا درمیان صف میں کھڑا ہونا سنت ہے اور غیر وسط میں موجود محراب کی رعایت کرتے ہوئے غیر وسط میں کھڑے ہونے سے سنت کا ترک لازم آ رہا ہے جو مکروہ ہے فتاوی شامی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ اور امام بکر خواہرزادہ کی مبسوط کے حوالے سے ہے:

السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان لوقام فی احدجانبی الصف یکرہ ۔

چند سطور بعد فرماتے ہیں:

السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف ۔

[فتاوی شامی کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ۲/ ۳۱۰]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وینبغی للامام ان یقف بازاء الوسط فان وقف فی میمنۃ الوسط اوفی میسرتہ فقداساء لمخالفۃ السنۃ ۔

[ج ا ص ۸۹ ،الفصل فی بیان مقام الامام والماموم]

اعلی حضرت فرماتے ہیں:

امام کے لئے سنت متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود ہے وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو تو امام وسط صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی ومتوارث ہے محراب صوری کہ طاق نما ایک خلا وسط دیوار قبلہ میں بنانا حادث ہے اسی محراب حقیقی کی علامت ہے یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کا اتباع نہ ہوگا مگر مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت وانتفائے کراہت وامتثال ارشاد حدیث "توسطوا الامام" [فتاوی رضویہ جدید،۷/۴۷]

الحاصل: امام صاحب کو چاہیے کہ محراب میں نماز پڑھائیں یا مسجد کے کسی اور حصہ میں لیکن درمیان صف کا لحاظ ضرور

رکھیں، شریعت کے معاملہ میں لاپرواہی سے کام نہ لیں، بہارِ شریعت وغیرہ کتب مسائل کو مطالعہ میں رکھیں اپنی اور مقتدیوں کی نماز کی حفاظت کریں۔

هٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

امام کا محراب سے ہٹ کر نماز پڑھانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و حامیان دین مسئلہ ذیل میں کہ محراب سے باہر نکل کر امام صاحب کا نماز پڑھانا سنت کے مطابق ہے یا کہ خلاف یا کیا؟ اگر سنت کے خلاف ہو تو حدیث کے خلاف عمل کرنے پر کیا وعید آئی ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت درکار ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی عبد الغفور مرادآباد

۲۲/جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ و نصلّی علٰی حبیبہ الکریم

امام ابن عابدین شامی درمختار کے حاشیہ میں فتاوی تاتارخانیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

وفی التاترخانیہ :ویکرہ أن یقوم فی غیر المحراب الالضرورۃ و مقتضاہ أن الامام لوترک المحراب وقام فی غیرہ یکرہ ولوکان قیامہ وسط الصف لانہ خلاف عمل الأمۃ ۔

اور تاتارخانیہ میں ہے کہ امام کا محراب چھوڑ کر کھڑا ہونا بلاضرورت مکروہ ہے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر امام محراب چھوڑ کر دوسری جگہ کھڑا ہو گیا تو مکروہ ہے اگرچہ بیچ صف میں ہی کھڑا ہو اس لئے کہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔

[کتاب الصلاۃ باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، ۲/۴۱۵]

اور حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

سئل عما اذا صلی فی غیر المحراب الذی عینه الواقف للامام قال الحموی رأیت فی فتاوی الشمس الغزی أنه لم یر نصاًفی الکتب علی ذالك اه والظاهر أنه مکروه لفوات غرض الواقف

اس بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر محراب جس کو واقف نے امام کے لئے معین کیا ہے اس کے غیر میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا امام حموی نے فرمایا کہ میں نے فتاوی شمس غزی میں دیکھا کہ انہوں نے اس پر کوئی نص کتابوں میں نہیں دیکھی الخ اور ظاہر یہ کہ وہ واقف کی غرض کے فوت ہونے کے سبب مکروہ ہے)
[۱/ ۲۷۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فاقول محقق سامی علامه شامی رحمه اللّٰه تعالیٰ در هر دو باب کلام امام امام الکلام وکلمات علمائے کرام ازمبسوط ودرایه و تاتار خانیه آورده مقتضایش وانمود که قضیه این سخن کراهت ترك محراب است مرامام رامطلقاًاگرچه میانهٔ صف ایستد"

میں کہتا ہوں محقق سامی علامہ شامی نے دونوں مقامات پر امام کی گفتگو جو کلام کی امام ہے اور دیگر فقہاء کرام کی مبسوط، درایہ اور تاتارخانیہ کے حوالے سے جو عبارات نقل کی ہیں ان کا مقتضی یہ ہے کہ امام کے لئے محراب کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ صف کے درمیان ہی میں کھڑا ہو۔ [فتاویٰ رضویہ جدید، ۷/ ۳۳۱]

مزید فرماتے ہیں:

این همه ها دلیل روشن است بر آنکه اصل مقصود توسیط امام ست نه نفس قیام فی المحراب آرے غالب آنست که محراب مقام تعادل طرفین ست چون صف کامل باشد خود ظاهر ست و آن گاه بترك محراب ترك سنت مقصوده بالفعل نقدوقت ست ورنه در عامه مساجد استکمال صف به پس آیند گان مرجوو متوقع می باشد وزیادتش بنهجیکه توسط موجوداز هم باشد پس ترك محراب تعرض بترك سنت ومخالف عمل امت بود واحکام فقهیه بر امور غالبه انسحاب یابدازین امر حکم به سنیت قیام فی المحراب کرده اند۔

یہ سب اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ اصل مقصود امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہے محراب میں کھڑا ہونا مقصود نہیں، ہاں اغلب یہی ہے کہ محراب ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں جانبوں میں برابری ہوتی ہے۔ جب صف مکمل ہو تو خود ظاہر ہے کہ اس وقت محراب کو چھوڑنا موقعہ پر سنت مقصودہ کو ترک کرنا یعنی وسط کا ترک لازم آئے گا، ورنہ عام مساجد میں بعد میں آنے والے حضرات سے صف کا مکمل ہونا متوقع ہوتا ہے اور صف سے

زائد بھی ہو سکتے ہیں لیکن توسط موجود ہونے پر کوئی حرج نہیں پس اس صورت میں محراب کو ترک کرنا سنّت کا ترک اور امت کی مخالفت ہوگی۔ اور احکام فقہیہ اکثر طور پر امور غالبہ پر جاری کیے جاتے ہیں اسی وجہ سے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو سنت قرار دیا گیا ہے'') [مرجع سابق، ص ۳۳۵]

آگے فرماتے ہیں:

اقول انچہ بالا گفتہ ایم غایت توجیہ کلام آں فاضل علام بودوھنوز گل نظرے دمیدن دارد ماثور وموروث چنانکہ دانی ھماں قیام امام درمحراب حقیقی ست وآں مقام اشرف موضع وصدر مسجد ست چنانکہ شنیدی پس ترك اوبے عذر شرعی عدول ازافضل وخلاف متوارث العمل۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس فاضل علام کے کلام کی غایت توجیہ ہے اور جو کچھ منقول و متوارث ہے وہ امام کا محراب حقیقی میں قیام ہے اور وہ مقام سب سے اعلیٰ اور صدر مسجد ہوتا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے لہٰذا اس کا ترک بغیر کسی عذر کے افضل سے اعراض اور متوارث عمل کے خلاف ہے) [مرجع سابق، ص ۳۵۴]

عبارات مذکورہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ امام کا محراب سے ہٹ کر نماز پڑھانا مکروہ، خلاف سنت، عمل متوارث کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/ رمصان المبارک ۱۴۳۳ھ

امام اور مقتدی کے درمیان شیشے کے دروازے مانع اقتدا نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں ہماری مسجد میں اندر کے حصہ میں (AC) اے سی لگا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اندر کے دروازے جو شیشے کے ہیں بند کرنے پڑتے ہیں مگر وہ اس طرح بند ہوتے ہیں کہ آنے جانے والے آجا سکتے ہیں تو ایسی صورت میں جو لوگ صحن میں نماز ادا کرتے ہیں ان کی نماز میں کوئی خرابی تو لازم نہیں آتی؟ حکم شرع بیان فرمائیں۔

(قاری) محمد قاسم (خطیب و امام)

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صحن میں موجود نمازیوں پر اگر امام صاحب یا دیگر مقتدیوں کے حالات مشتبہ نہ ہوں وہ انہیں دیکھ پا رہے ہوں اور امام یا مکبر کو سن پا رہے ہوں تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"یصح ان کان صغیرا لایمنع او کبیرا وله ثقب لا یمنع الوصول و کذا اذا کان الثقب صغیرا یمنع الوصول الیه لکن لایشتبه علیه حال الامام سماعا ورویة هو الصحیح و اما اذا کان الحائط صغیر ایمنع ولکن لایخفی حالٰ الامام فمنهم من قال یصح الاقتدا وهو الصحیح هکذا فی المحیط وان کان فی الحائط باب مسدود وقیل لایصح الاقتدا لانه یمنعه من الوصول وقیل یصح لان وضع الباب للوصول فیکون المسدود کالمفتوح هکذا فی محیط السرخسی" [۱/۸۸]

اگر امام اور مقتدی کے درمیان چھوٹی دیوار ہو جو مقتدی کو امام تک پہونچنے سے نہ روکے یا بڑی دیوار ہو لیکن اس میں سوراخ ہو جو مقتدی کو امام تک پہنچنے میں مانع نہ ہو تو اقتدا صحیح ہے اور ایسے ہی اقتدا صحیح ہے جب کہ سوراخ چھوٹا ہو جو امام تک پہنچنے سے روکے لیکن امام کا حال سننے اور دیکھنے کے اعتبار سے مقتدی پر مشتبہ نہ ہو یہی صحیح ہے اور جب دیوار چھوٹی ہو اور وہ امام تک پہنچنے سے مانع ہو لیکن امام کا حال مقتدی پر مشتبہ نہ ہو تو بعض علماء نے فرمایا اقتدا صحیح ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایسا ہی محیط میں ہے اور اگر دیوار میں دروازہ بند ہو۔کہا گیا ہے اقتدا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام تک پہنچنے سے مانع ہے اور کہا گیا کہ اقتدا صحیح ہے اس لئے کہ دروازہ پہنچنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے تو بند دروازہ کھلے ہوئے کی طرح ہے ایسا ہی محیط سرخسی ہے۔

الحاصل: صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلیٰ ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۰/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

وہابی و دیوبندی امام کے پیچھے نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے سیکڑوں مسلمانوں کی اصلاح کی، پختہ صوم وصلوۃ کا پابند بنایا، والدین کا فرماں بردار بنایا۔حتی کہ قول وفعل میں نیک و صالح بنایا بکر کا کہنا ہے کہ زید کے کئی عقیدت مندوں کے ساتھ میرے اچھے تعلقات ہیں میں نے دیکھا بعض خاص عقیدت مند کے علاوہ نماز کے پابند ایسوں کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں جن پر علماء حق کا کفر کا فتوی ہے جیسے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ابن تیمیہ وغیرہ اور ان کے متبعین۔ حالانکہ حسام الحرمین میں واضح طور پر غیر مقلدین اور عقائد دیوبند سے اتفاق رکھنے والوں پر صریح کفر کا استحقاق لازم آتا ہے اور زید کے خاص پیروکار واقف بھی ہیں حتی کہ زید بھی اس سے واقف ہے لیکن زید نے ابھی تک اپنی تحریر اور تقریر میں اس سے منع نہیں کیا ہے۔اس سبب سے بکر زید کے عقیدے کو صحیح نہیں سمجھتا۔اُس کا دعوی ہے کہ جب علماء اہل سنت واعظین وفقہاء نے جن کے کفر کا فتوی دیا ہے تو ان کو یا ان کے متبعین کو امام بنانا کیسے ممکن ہوسکتا ہے حضور کی بارگاہ میں عرض ہے کہ زید اور ان کے متبعین جو مستحق کفر کی اقتداء کرتے ہیں یا جو جانتے ہوئے خاموش رہتے ہیں ان سب کو کس عقیدہ کا سمجھنا چاہیے، حضرت کی بارگاہ میں التماس ہے کہ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

مستفتی (مولانا) احمد اللہ، کویت۔

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

دیوبندی وہابی اپنے عقائد خبیثہ کے سبب کافر ومرتد ہیں نہ ان کا ایمان ایمان ہے نہ ان کی نماز نماز ہے۔ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنا ناجائز وحرام ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

روی عن أبی حنیفة وأبی یوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز .

اسی میں ہے

فلا تجوز الصلاة خلف المبتدع[۲/۱۰۰،۱۰۲]

اعلیٰ حضرت شرح عقائد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

مانقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف المبتدع فمحمول علی الکراهة اذلا کلام فی کراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع هذااذالم یؤد الفسق والبدعة الی حد الکفر اما اذا ادی الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلاة خلفه .

بعض اسلاف سے یہ جو منقول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز منع ہے یہ کراہت پر محمول ہے کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا فسق اور بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچے ہوں اگر حدِ کفر تک پہنچ جائیں تو ان کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

[فتاوی رضویہ قدیم،۳/۷۰

مزید فرماتے ہیں:

''دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، ہوگی ہی نہیں، فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ علاوہ۔'' [فتاوی رضویہ قدیم،۳/۲۳۵]

بلکہ اگر کوئی شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر اقتدا کرتا ہے تو ''**من شك في عذاب**

وكفره فقد كفر'' کے پیش نظر وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

زید کا اپنے معتقدین کے اس کفریہ عمل پر مطلع ہونے اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہابیہ کافر ہیں اور ان کے پیچھے ان کو مسلمان سمجھتے ہوئے نماز پڑھنا کفر ہے۔

خاموش رہنا اگر رضامندی پر منحصر ہے تو بلاشبہ زید بھی کافر قرار دیا جائے گا اس لئے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ علامہ ابن حجر ہیتمی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں

الرضا بالكفر كفر

کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے

مزید فرماتے ہیں:

ومن المكفرات ايضا ان يرضى بالكفر .

کفریات میں سے یہ بھی ہے کہ کفر پر راضی ہو۔ [ص ۷،۱۹]

اور اگر زید اس سے راضی تو نہیں بس خاموش ہے تو اگر اس کے لئے اپنے معتقدین کو اس کفریہ فعل سے روکنے میں کوئی شرعی مجبوری نہیں ہے تو زید مداہنت فی الدین کا مرتکب اور از روئے شرع مجرم ہے بلکہ حدیث پاک کے مطابق **گونگا شیطان** ہے۔

شرح نووی میں ہے:

من سكت عن الحق فهو شيطان أخرس'' [۱/ ۱۲۸]

زید سے منسلک افراد پر لازم ہے کہ فوراً اس سے سارے تعلقات منقطع کرلیں اس سے دُور ہو جائیں ورنہ وہ بھی شریعت کے مجرم و گنہ گار قرار دیے جائیں گے اور جو لوگ دیابنہ و وہابیہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں وہ اپنے اس فعل سے باز آئیں

توبہ کریں اور آئندہ انؔ کے پیچھے کوئی نماز ادانہ کریں اور ان کی اقتداء میں ادا کی گئی ساری نمازوں کو دوبارہ ادا کریں۔ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی نمازیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں تو نیک سنی صحیح العقیدہ امام ہی کی اقتدا کریں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان سر کم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیار کم

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے نیک تمہاری امامت کریں

[مستدرک للحاکم،۳/۲۲۲]

تنبیہ: بکر کا زید کے عقیدہ کی صحت سے انکار کرنا صرف اس بنیاد پر کہ زید نے اپنے معتقدین کو اس حرام فعل سے منع نہیں کیا درست نہیں۔ بکر پر لازم ہے جب تک زید سے قولاً یا فعلاً کوئی کفر سرزد نہ ہو اس کے عقیدہ سے متعلق رائے زنی سے باز آئے۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمدذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۵/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

دیابنہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع حسب ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) دیوبندی کے پاس جماعت میں سنی کھڑا ہو تو اس کی نماز میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

(۲) دیوبندی کے یہاں شادی غمی میں شریک ہونا یا کھانا وغیرہ کھانا کیسا اور اگر کوئی شریک ہو گیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) دیوبندی وہابی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

اراکین کمیٹی نوری جامع مسجد ٹانڈہ ملور رام نگر
نینی تال

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالوں کے جواب بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) جماعت میں اگر دیوبندی شریک ہوتو ضرور فرق آئے گا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ نماز نہ پڑھیں کہ ان کی نماز نماز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث میں ہے:

ولا تصلوا معھم

ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ [مرجع سابق]

نیز حضور اعلیٰ حضرت اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جماعت میں غیر مقلد (وغیرہ) کے شریک ہونے سے ضرور نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے.....اس کی شرکت سے صف قطع ہوگی کہ اس کی نماز نماز نہیں ایک بے نمازی شخص صف میں کھڑا ہوگا اور یہ صف کا قطع ہے اور صف کا قطع ناجائز ہے صحیح حدیث میں فرمایا "من قطع صفاقطعه اللّٰه" (جس نے صف قطع کی اللہ تعالیٰ اسے قطع کردے) معہذا بدمذہبوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی حدیث میں منع فرمایا ہے **لاتصلوا معھم** "ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو" [فتاوی رضویہ جدید، ۶/ ۶۱۸]

بالجملہ دیابنہ وہابیہ وغیرہما بدمذہبوں کے پیچھے یا ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) دیوبندی وغیرہ بدمذہبوں سے میل جول رکھنا ان کے ساتھ کھانا پینا ان کی خوشی وغم میں شریک ہونا جائز نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلاتؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم۔

بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

[کنزالعمال ۱۱/ ۵۴۰]

لہٰذا جو لوگ ان سے تعلقات رکھیں ان کے یہاں کھائیں پئیں ان پر لازم ہے کہ وہ توبہ کریں اور آئندہ ایسا کرنے سے باز آئیں۔

(۳) دیوبندی وہابی اپنے عقائد کفریہ کے سبب کافر ومرتد ہیں مسجد یا کسی اور دینی کام میں ان کا پیسہ لگانا ازروئے شرع درست نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"قرآن فرماتا ہے لاتتخذوا منہم ولیاو لا نصیرا (غیروں میں کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار)
تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابوسعود عمادی و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے "نھوا ○○○○○ عن الاستعانة بھم عن فی الغزو وسائر الامور الدینية" یعنی مسلمان منع کیے گئے ہیں اس بات سے کہ وہ کفار سے غزوہ وغیرہ اُمورِ دینیہ میں مدد لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[فتاوٰی رضویہ جدید،۱۶/۶۱۱]

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۷/ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا صحیح طریقہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں کچھ لوگ تشہد میں کلمہ کی انگلی کو اٹھانے کے بعد دوسری انگلیوں کے حلقہ کو اور انگشت شہادت کو سلام پھیرنے کے وقت تک اسی حالت پر رکھے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے یہاں اکثر لوگ صرف وقت تشہد ہی انگشت شہادت اٹھاتے ہیں اور حلقہ بناتے ہیں اور اس کے بعد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں دونوں میں سے کون سا طریقہ درست ہے۔ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی محمد وصی خان

ازہری محلّہ کٹوراتال کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

جو لوگ تشہد کے وقت کلمہ کی انگلی کے علاوہ انگلیوں کا حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھاتے ہیں اور بعد تشہد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں ان کا طریقہ ہی درست ہے۔ علامہ طحطاوی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

العقد وقت التشہد فقط فلا یعقد قبل ولا بعد وعلیہ الفتوی

انگلیوں کا حلقہ صرف تشہد کے وقت بنایا جائے گا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد اور اسی پر فتویٰ ہے۔

[کتاب الصلاۃ ۲۷۰]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۲/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے عصر کی سنت کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف مع دعا پڑھا پھر اٹھ گیا پھر ثنا پڑھی پھر تمام مسائل مشہورہ کے مطابق نماز کو ختم کیا تو اس صورت میں زید کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ زید کے لئے کیا ضروری ہے۔

المستفتی (قاری) محمد عمر رضوی (امام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــ نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل کے ادا کرنے کا افضل واحسن طریقہ یہی ہے جس پر زید نے عمل کیا یعنی قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف ودعا پڑھنا اور تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا اس لئے کہ نفل کا ہر شفع الگ مستقل نماز ہے۔ اور اس کے اختتام میں درود و دعا اور نئی رکعت (تیسری رکعت) کے آغاز میں ثنا وغیرہ پڑھنا مستحب و مستحسن ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

كل شفع من التطوع صلاة على حدة

(نفل کا ہر شفع مستقل نماز ہے) [بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، ۹/۲]

فتاوی شامی میں ہے:

يستحب الاستفتاح في الثالثة .

(تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا مستحب ہے) [۱۵۰/۲، باب صفة الصلاة]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

الرباعيات المستحبات والنوافل فانه يستفتح فيها ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم .

چار رکعت والے مستحبات ونوافل میں تیسری میں ثنا اور قعدہ اولیٰ میں درود پڑھے۔

[کتاب الخنثی، مسائل شتی ۴/۳۵۳]

اعلیٰ حضرت سنت غیر مؤکدہ کی دوسری رکعت میں درود اور دعا پڑھنے نیز تیسری رکعت میں ثنا پڑھنے سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں:

''پڑھنا بہتر ہے، درمختار میں ہے:

لایصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا لایستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوٰۃ .

ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگرچہ اس نے نوافل کی نذر مانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔

[فتاوی رضویہ قدیم ۳/۴۶۹، ۴۷۰]

بالجملہ زید کی نماز بالکل درست اور مستحب طریقہ کے مطابق ہے۔اور زید بلکہ ہر نمازی کو چاہئے کہ سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل اسی طرح ادا کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم .**

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۴ ر رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

فرض رکعات سے زائد رکعت پڑھنے کا تفصیلی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں:

(۱) اگر کوئی شخص فرض نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھنے کے بعد اسے قعدہ اولی سمجھ کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

(۲) اگر بغیر قعدۂ اخیرہ کئے زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر فجر میں تیسری رکعت ظہر عصر عشاء میں پانچویں اور مغرب میں چوتھی رکعت پوری پڑھ لی تو نماز کا کیا حکم ہے

شریعت کی روشنی میں تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں

محمد ساجد قادری لاہور پاکستان

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) اگر قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھ گیا اور پھر کھڑا ہوا تو زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آ جائے تو فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور تشہد کا اعادہ کئے بغیر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

حلبی کبیری میں ہے:

وان قعدفی آخر الرکعة الرابعة ثم قام قبل ان یسلم یعود ایضا مالم یسجد ویسلم ○○○ ویسجد للسہو۔

اگر آخری رکعت (چوتھی) کے قعدہ کے بعد سلام پھیرے بغیر کھڑا ہوگیا تو لوٹ آئے جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے۔[غنیة المستملی شرح منیة المصلی، ۴۰۰]

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''عود کر کے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے ○○○○ فی الدرالمختار وان قعدفی الرابعة مثلا قدر التشہدثم قام عادوسلم ○○○○ ردالمحتار میں ہے قولہ ثم قام ای ولم یسجد قولہ عادوسلم ای عادللجلوس وفیہ اشارة الی انہ لایعید التشہد'' [فتاویٰ رضویہ قدیم ۳/۶۳۳]

(۲) قعدہ اخیرہ کیے بغیر اگر کھڑا ہو جائے تب بھی زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے قبل یاد آنے پر فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کے بعد سلام پھیر دے۔

محیط برہانی میں ہے:

اذالم یفعل علی راس الرابعة حتی قام الی الخامسة ساھیا ان تذکر قبل ان یقیدالخامسة بالسجدة عادالی القعدة۔

جب چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں کے لئے بھول کر کھڑا ہوگیا تو اگر پانچویں کے سجدہ سے

پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ [محیط برھانی ۲/۲]

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

وان لم یقعدعلی راس الرابعة حتی قام الی الخامسة ان تذکرقبل ان یقیدالخامسة بالسجدة عادالی القعدة ھٰکذافی المحیط وفی الخلاصة ویتشھدویسلم ویسجدللسھو کذافی التتارخانیة .

اگر چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو اگر پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے محیط اور خلاصہ میں ایسا ہی ہے اور تشہد پڑھے اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے۔ [فتاوٰی عالمگیری ۱/۱۲۹]

فتاوٰی نوازل میں ہے:

وان سھی عن القعدة الاخیرة حتی قام الی الخامسة رجع الی القعدة مالم یسجد oooo ویسجدللسھو .

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو جب تک سجدہ نہ کیا ہو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔ [فتاوٰی نوازل ۱۰۴]

(۴) اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پھر زائد رکعت ادا کی تو حکم یہ ہے کہ ایک رکعت کا اور اضافہ کرے اور بعد میں سجدہ سہو کر لے۔ فرض ادا ہو جائیں گے اور بقیہ نفل میں شمار ہوں گے۔ دوسری صورت یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور زائد رکعت کا سجدہ کر لیا تو ایک رکعت اور بڑھائے مگر فرض باطل ہو کر نفل میں تبدیل ہو جائیں گے۔

پہلی صورت سے متعلق کتب فقہ کی درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

فتاوٰی خانیہ میں ہے:

اذاصلی العصرخمساوقعدفی الرابعة قدرالتشھد oooo عن محمدرحمه الله تعالیٰ انه یضیف الیھاالسادسة وعلیه الاعتماد .

جب عصر کی پانچ رکعات پڑھی اور چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھا تو امام محمد سے مروی ہے کہ چھٹی رکعت کا اضافہ کرے اور اسی پر اعتماد ہے) [فتاوٰی خانیہ ۱/۱۲۴]

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل صلی الظھرخمساوقعدفی الرابعة قدر التشھد oooo وان تذکربعدماقیدالخامسة بالسجدة انھاالخامسة لایعودالی القعدة ولایسلم بل یضیف الیھارکعة اخری حتی

یصیر شفعا ویتشهد ویسلم هکذا فی المحیط ویسجد للسهو استحسانا کذا فی الهدایة وهو المختار کذا فی الکفایة ثم یتشهد ویسلم کذافی المحیط ۔

ایک شخص نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی اور چوتھی رکعت میں بقدر تشہد قعدہ بھی کیا پانچویں رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے اور نہ سلام پھیرے بلکہ ایک اور رکعت اس میں ملائے تا کہ شفع ہو جائے اور پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے اور سجدہ سہو کرے بطور استحسان ایسا ہی ہدایہ میں ہے اور یہی مختار ہے ایسا ہی کفایہ میں ہے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے۔[ج ا ص ۱۲۹]

فتاوی نوازل میں ہے:

لو قعد فی الرابعة ثم قام ○○○○○ ولو قیدبالسجدة ضم الیهار کعة اخری ویسجد للسهو ۔

اگر چوتھی میں قعدہ کر کے کھڑا ہوا اور پانچویں کا سجدہ کرلیا تو اس میں ایک اور رکعت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔

[ص ۱۰۴]

درمختار میں ہے:

وضم سادسة ○○○○ ان شاء

(چھٹی رکعت ملائے (اگر پانچویں کا سجدہ کرلے تو) اگر چاہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قوله" ان شاء" اشار الی ان الضم غیر واجب بل هو مندوب کمافی الکافی تبعاللمبسوط

مصنف نے اپنے قول" ان شاء" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رکعت ملانا واجب نہیں ہے بلکہ مندوب ہے جیسا کہ مبسوط کی اتباع کرتے ہوئے کافی میں (لکھا گیا) ہے۔

نیز درمختار میں آگے ہے:

وضم الیها سادسة لوفی العصر وخامسة فی المغرب ورابعة فی الفجر به یفتی لتصیر الرکعتان له نفلا ○○○○ وسجد للسهو فی الصورتین

اگر عصر میں (پانچویں کا سجدہ کرلے) تو اس میں چھٹی رکعت ملائے مغرب میں پانچویں فجر میں چوتھی یہی مفتیٰ بہ ہے تا کہ دو رکعت نفل ہو جائیں اور سجدہ سہو دونوں صورتوں میں کرے۔ [درالمختار ۱/۵۵۴]

فتاوی شامی میں اس کے تحت ہے:

قوله وضم اليهاسادسة اى ندباعلى الاظهر ○○○ قوله لوفى العصر اشار الى انه لافرق فى مشروعية الضم بين الاوقات المكروهةوغيرها

مصنف کاقول "وضـــم اليهـــاســـادسة" یعنی ظاہر مذہب کے مطابق (چھٹی رکعت) ملانا مندوب ہے.....شارح کاقول "لـوفـى العصر" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقت مکروہ اور غیر مکروہ میں رکعت ملانے کے مشروع ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

[ردالمحتارعلى الدرالمختار ۱/۵۵۴،۵۵۵]

دوسری صورت کا حکم درج ذیل فقہی عبارات میں مصرح ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

واذالم يقعدقدرالتشهدفى الفجربطل فرضه بترك القعودعلى الركعتين ○○○○ وان قيدالخامسة بالسجدة فسدظهره عندناكذافى المحيط و تحولت صلاته نفلاًعندابى حنيفة وابى يوسف رحمهماالله تعالىٰ ويضم اليها ركعة سادسة ولولم يضم فلاشى عليه كذافى الهدايَة ○○○○○ قالوافى العصر لايضم اليهاسادسة وقيل يضم وهو الاصح كذافى التبيين وعليه الاعتماد ○○○ وفى الفجر اذاقام الى الثالثة بعد ما قعد قدر التشهد وقيدها بالسجدة لايضم اليهارابعة كذافى التبيين وصرح فى التجنيس بان الفتوى على رواية هشام من عدم الفرق بين الصبح والعصرفى عدم كراهة الضم كذا فى البحرالرائق"

اورجب فجر میں قدر تشہد نہیں بیٹھا تو دو رکعات پر قعدہ ترک کرنے کے سبب فرض باطل ہو گئے .....اوراگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو ہمارے نزدیک اس کی ظہر فاسد ہوگئی ایسا ہی محیط میں ہے اور ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے اس کی نماز نفل ہوگئی اور اس میں چھٹی رکعت ملالے اور اگر نہیں ملائے تب بھی کوئی بات نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے.....فقہاء نے فرمایا عصر میں چھٹی رکعت نہیں ملائے گا اور کہا گیا ہے کہ ملائے گا اور یہی صحیح ہے ایسا ہی تبیین میں ہے اور اسی پر اعتماد ہے....اور فجر میں جب قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت کا سجدہ کرلے تو اس میں چوتھی رکعت نہ ملائے ایسا ہی تبیین میں ہے اور تجنیس میں صراحت کی گئی ہے کہ صبح اور عصر کے درمیان رکعت ملانے کے مکروہ نہ ہونے کے سلسلے میں عدم فرق پر فتوی ہشام کی روایت پر ہے ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔[فتاوی عالمگیری ۱/۱۲۹]

فتاوی نوازل میں ہے:

وان سهى عن القعدة الاخيرة حتى قام الى الخامسة ○○○وان قيدهابالسجدة بطلت فريضةخلافالشافعي وتحولت صلاته نفلاعندابي حنيفة وابي يوسف رحمهماالله خلافالمحمدويقيم ركعة سادسة اولم يضم لاشيء عليه .

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور پانچویں کا سجدہ کرلیا تو فرض باطل ہو گئے برخلاف شافعی کے اور اس کی نماز نفل ہو گئی ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے برخلاف امام محمد کے اور چھٹی رکعت ملائے یا نہ ملائے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔[فتاوی نوازل ۱۰۴]

بالجملہ مذکورہ تینوں سوالات کا خلاصہ امام کاسانی کی بدائع الصنائع کی درج ذیل طویل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

رجل صلى الظهر خمساثم تذكرفهذالايخلواماان يكون في الرابعة قدر التشهداولم يقعدوكل وجه على وجهين اماان قيد الخامسة بالسجدة اولم يقيدفان قعدفي الرابعة قدرالتشهدوقام الى الخامسة فان لم يقيدها بالسجدة حتى تذكريعودالى القعدةويتمهاويسلم لما مروان قيدها بالسجدة لايعودعندنا○○○○ثم عندنااذاكان ذالك في الظهراوفي العشاء فالاولى ان يضيف اليهاركعة اخرى ليصيراله نفلااذا لتنفل بعدهاجائز ○○○○ وان كان في العصرلايضيف اليهاركعة اخرى بل يقطع لان التفل بعد العصر غيرمشروع○○○○وروى هشام عن محمدانه يضيف اليهااخرى ايضا لان التنفل بعدالعصر انمايكره اذاشرع فيه قصدافامااذاوقع فيه بغيرقصده فلا يكره "○○○ثم اذااضاف اليهاركعة اخرى فعليه السهواستحسا نا هٰذالذى ذكرنااذاقعدفي الرابعة قدرالتشهد فامااذالم يقعد وقام الى الخامسةفان لم يقيدهابالسجدة يعودلمامروان قيدفسد فرضه

ایک شخص نے ظہر کی پانچ رکعات ادا کی تو یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس نے قعدہ کیا ہوگا یا نہیں دونوں صورتوں میں یا تو پانچویں کا سجدہ کیا ہوگا یا نہیں اگر چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھ کر پانچویں کے لیے کھڑا ہوا اور پانچویں کا سجدہ نہیں کیا کہ یاد آ گیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور نماز کو پورا کرے اور سلام پھیر دے جیسا کہ گزرا اور اگر پانچویں کا سجدہ کرلیا ہے تو ہمارے نزدیک قعدہ کی طرف نہ لوٹے ....پھر ہمارے نزدیک جب کہ ظہر یا عشاء میں ایسا ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک رکعت کا اس میں اور اضافہ کرے تا کہ وہ نفل ہو جائے اور نفل ظہر اور عشاء کے بعد جائز ہے....اور اگر عصر میں ایسا ہو تو دوسری رکعت کا اضافہ نہ

کرے بلکہ (اسی رکعت پر نماز) ختم کردے اس لئے کہ عصر کے بعد نفل مشروع نہیں ہیں....اور ہشام نے امام محمد سے روایت کیا کہ اس میں ایک رکعت اور بھی ملائے اس لئے کہ نفل عصر کے بعد قصداً شروع کرنے پر مکروہ ہیں اور اس میں جب کہ بغیر قصد ایسا واقع ہوا مکروہ نہیں ہے.....پھر جب دوسری رکعت کا اضافہ کرے تو اس پر سجدہ سہو کرنا مستحسن ہے یہ جب ہے کہ چوتھی رکعت کے قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھا ہو اور جب بیٹھے بغیر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا ہو تو سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے جیسا کہ گزرا اور اگر سجدہ کرلیا تو اس کے فرض فاسد ہو گئے۔'' [بدائع الصنائع ۱/۴۲۶،۴۲۷]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۲/ذی الحجۃ ۱۴۳۳ھ

نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ لوگ عام طور نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں کیا ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی محمد ریاض مراد آباد

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

جی ہاں یہ عمل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔

حدیث شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ اِلَّا اَنْ يَمُوتَ ۔

جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔(السنن الکبری للنسائی ۶/۳۰)

یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ معجم الکبیر للطبرانی ۷/۱۲۲ میں ہے:

مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا اَنْ يَمُوتَ

فَإِذَامَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔(شعب الایمان لبیھقی، ۴/ ۵۱)
جوشخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کے اور جنت میں داخل ہونے کے درمیان سوائے موت کے کوئی چیز (حائل) نہیں ہوگی۔ اور وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوگا۔
مَنْ قَرَأَآيَةَ الْكُرسِي دُبُرَكُلِّ صَلَاةٍ لَم يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِهِ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمَوْتُ ۔ (مرجع سابق ۴/ ۵۶)
جوشخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روکے گی۔

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمدذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۸/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

مصلے کا کونا لوٹ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس سوال کے بارے میں کہ اکثر ائمہ مساجد نماز پڑھانے کے بعد مصلے کا ایک کونا موڑ دیتے ہیں شرع شریف میں اس کی کیا اصل ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ مصلے کا کونا نہ موڑا جائے تو اس پر شیطان نماز پڑھتا ہے کیا یہ خیال صحیح ہے یا غلط ہے بعضے امام صاحب کہہ دیتے ہیں کہ نماز باجماعت پڑھ لینے کی علامت ہے صحیح کیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

المستفتی عبدالغفور پاکبڑا امراد آباد

۲۶/جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں اس کی اصل احادیث سے بیان فرمائی ہیں، آپ فرماتے ہیں:
''ابن عساکر نے تاریخ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الشیاطین یستمتعون بثیابکم فاذانزع احدکم ثوبہ فلیطوہ حتی ترجع الیھا انفاسھا فان الشیطان لایلبس ثوبا مطویا

شیطان تمہارے کپڑے اپنے استعمال میں لاتے ہیں تو کپڑا اُتار کرتہہ کردیا کرو کہ اس کا دام راست ہوجائے کہ شیطان تہہ کئے کپڑے نہیں پہنتا۔

[کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن جابر، الباب الثالث فی اللباس، ۲۹۹/۱۵]

معجم اوسط طبرانی کے لفظ یہ ہیں:

أطووا ثیابکم ترجع الیھا ارواحھا،فان الشیطان اذا وجد الثوب مطویا لم یلبسہ ، وان وجدہ منشورا لبسہ

کپڑے لپیٹ دیا کرو کہ ان کی جان میں جان آجائے اس لئے کہ شیطان جس کپڑے کو لپٹا ہوا دیکھتا ہے اسے نہیں پہنتا اور جسے پھیلا ہوا پاتا ہے اسے پہنتا ہے۔[ج۶ ص ۳۲۸]

ابن ابی الدنیا نے قیس ابن ابی حازم سے روایت کی:

قال ما من فراش یکون مفروشا لاینام علیہ احد الا نام علیہ الشیطان .

فرمایا جہاں کوئی بچھونا بچھا ہو جس پر کوئی سوتا نہ ہو اس پر شیطان سوتا ہے۔ان احادیث سے اُس کی اصل نکل سکتی ہے اور پورا لپیٹ دینا بہتر ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۲۰۶/۹]

اور رہا عوام کا یہ خیال کہ مصلے نہ لپیٹنے سے شیطان اس پر نماز پڑھتا ہے تو یہ بے اصل ہے۔

جیسا کہ حضور صدر الشریعہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

"نماز پڑھنے کے بعد مصلے کو لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں، یہ اچھی بات ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، مگر بعض لوگ جانماز کا صرف کونا لوٹ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے میں اس پر شیطان نماز پڑھے گا یہ بے اصل ہے۔[ج۳ حصہ ۱۶، صفحہ ۱۲۱]

الحاصل: مصلے کا کونا لوٹ دینے کی اصل احادیث سے ثابت ہے اور اس کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق شیطان کے استعمال سے اسے بچانا ہے اور یہ کونا لوٹ دینے سے پورا ہوجاتا ہے البتہ پورا مصلی لپیٹ کر رکھ دینا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۵/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

امام سے متعلق چند مسائل

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) جو امام تین انگلیوں میں تین انگوٹھی پہن کر نماز پڑھائے اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۲) جو امام ایک مشت دو انگل سے کم داڑھی رکھے اور برابر کتاتا ہو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا؟

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز ہوگی یا نہیں۔؟

(۴) جو امام یہ کہتا ہو کہ اولیاء اللہ مٹی کا ڈھیر ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی صوفی محمد یامین قصبہ دتیانہ ضلع غازی آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبه الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب حاضر خدمت ہیں:

(۱) مرد کے لیے صرف چاندی کی ایک نگ والی ایک ہی انگوٹھی اور وہ بھی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی جائز ہے اس کے علاوہ سونے یا کسی اور دھات کی یا چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی یا دو نگ والی یا دو انگوٹھی کہ وہ وزن میں چار ماشہ سے کم ہی کیوں نہ ہوں مرد کے لئے جائز نہیں خواہ تین انگلیوں میں پہنے یا ایک میں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجوز التختم بالفضة ooooo وینبغی ان تکون فضة الخاتم المثقال ولا یزاد علیه وقیل لایبلغ به المثقال وبه ورد الاثر کذافی المحیط ۔

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے....اور مناسب ہے کہ چاندی انگوٹھی ایک مثقال کی ہو اس سے زائد نہ ہو بلکہ کہا گیا ہے کہ پورے ایک مثقال کو نہ پہونچے اور اسی پر اثر وارد ہوئی اور ایسا ہی محیط میں ہے۔

[۳۳۵/۵، الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة]

فتاویٰ شامی میں ہے:

یجوز التختم بالفضة لو علی هیئة خاتم الرجال اما لو له فصان او اکثر حرم ۔

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اگر مردوں کی انگوٹھیوں کی طرح ہو البتہ اگر اس کے دو نگ یا اس سے زائد ہوں تو حرام ہے۔[فتاوی شامی ۵۲۱/۹ کتاب الحظر والاباحة]

طرح التثریب فی شرح التقریب لزین الدین العراقی میں ہے

وقال المحب الطبری فی شرح التنبیه المتجه انه لایجوز للرجل لبس الخاتمین سواء اکانا فی یدین ام یدواحدة لان الرخصة لم ترد ذالك ۔ [الباب الادب ۸/۱۳۹]

محب طبری نے شرح تنبیہ میں فرمایا: مرد کے لئے دو انگوٹھیوں کا پہننا خواہ دو ہاتھوں میں ہو یا ایک میں جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی رخصت وارد نہیں ہوئی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''شرعاً چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی کہ وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو پہننا جائز ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۱۴۱]

اس کے علاوہ پہننے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''ایک آدھ بار پہننا گناہ صغیرہ اور اگر پہنی اور اُتار ڈالی تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اگر نماز میں پہنے ہو تو اسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اس کا عادی ہے فاسق معلن ہے اور اس کو امام بنانا گناہ اگر اس وقت نماز میں نہ پہنے ہو'' [ایضاً ۶/۶۰۱]

حاصلِ کلام جو امام تین انگوٹھیاں پہنتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۲) داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں اور شریعت میں داڑھی کی حد ایک مشت ہے نہ کہ ایک مشت دو انگل۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''ریش ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے۔ شرح مشکوۃ شریف میں ہے:

گذاشتن آں بقدر قبضه واجب است داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔''

آگے فتح القدیر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الاخذ منها وهی دون ذالك كمايفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال ۔

داڑھی تراشنا یا کترنا کہ مشت کی مقدار سے کم ہو جائے ناجائز ہے جیسا کہ بعض مغربیت زدہ لوگ اور ہجڑا صورت مرد کرتے ہیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۵۸۱]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب''

[فتاوی رضویہ جدید ۶/۶۰۳]

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے....درمختار میں ہے ''یحرم علی الرجل قطع لحیتہ'' جب ثابت ہو گیا کہ داڑھی ایک مشت سے کم کتروانا یا منڈوانا ممنوع ہے تو اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہوا اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی کمافی عامۃ المتون والشروح والفتاوی من کراھۃ امامۃ الفاسق اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے''[فتاوی صدر الافاضل،۴۲۴]

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز نہیں ہوگی کم سے کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگانا فرض اور دونوں پیروں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگانا واجب ہے۔طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وضع القدم علی الارض فی الصلاۃ حال السجدۃ ففرض ۔

نماز کے دوران حالت سجدہ میں زمین پر قدم رکھنا فرض ہے۔

[کتاب الصلاۃ،۲۳۰]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو سجد ولم یضع قدمیہ علی الارض لایجوز ۔

اگر سجدہ کیا اور اپنے دونوں قدموں کو زمین پر نہیں رکھا تو ایسا کرنا جائز نہیں۔[الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ،۴/۷۰]

فقیہ ابو اللیث سمرقندی کے فتاوی نوازل میں ہے:

حتی لو رفع رجلیہ او احدھما لا تجوز صلاتہ

یہاں تک کہ اگر اپنے دونوں یا ایک پیر کو اٹھایا تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاۃ،۴۳]

درمختار میں ہے:

وفیہ یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدۃ نحو القبلۃ والالم تجز ۔

اور سجدہ میں پیر کی انگلیاں رکھنا اگرچہ ایک ہی ہو فرض ہے قبلہ کی طرف متوجہ کر کے ورنہ نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاۃ، ۲/۲۰۴]

حلبی کبیری میں ہے:

لایجوز مع رفعھما ooooo المراد من وضع القدم وضع اصابعھا قال الزاھدی ووضع رؤس القدمین حالۃ السجود فرض وفی مختصر الکرخی سجد ورفع اصابع رجلیہ عن الارض لاتجوز وکذا فی الخلاصۃ والبزازیہ وضع القدم بوضع اصابعہ وان وضع اصبعا

واحدة .

پیروں کا اٹھانا جائز نہیں ہے....سجدہ میں پیر رکھنے سے مراد پیر کی انگلیاں رکھنا ہے زاہدی نے کہا سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کے سروں کو رکھنا فرض ہے مختصر کروخی میں ہے سجدہ کیا اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو اٹھالیا تو نماز جائز نہیں اور ایسا ہی خلاصہ اور بزازیہ میں ہے قدم رکھنے کا مطلب انگلیوں کو رکھنا ہے اگرچہ ایک ہی انگلی ہو ۔[غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ۲۴۹]

قبلہ بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''سجدے میں کم از کم ایک انگلی مضبوطی سے زمین پر جمانا فرض ہے'' مزید فرماتے ہیں ''سجدے کے اندر ہر پیر کی کم از کم تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے لگنا واجب ہے جس میں انگوٹھا بھی شامل ہے اگر تین بار ''سبحٰن ربی الاعلی'' کہنے کی مقدار تک تین میں سے کوئی اٹھی رہ گئی تو نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی'' [فتاوی بحر العلوم کتاب الصلاۃ ج ا ص ۲۹۵]

(۴) اولیاء کرام اللہ کے مقرب بندے ہیں اور وہ اپنے مزارات میں زندہ ہیں ان کے تعلق سے امام کا یہ خیال کہ وہ مٹی کا ڈھیر ہیں یقیناً امام کی بد مذہبیت و گمراہی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء اہلسنت نے جن عقاید و نظریات کو اجاگر فرمایا ہے ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اولیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ نے انہیں تصرفات و اختیارات عطا فرمائے ہیں۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری حدیث پاک ''ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق'' (یقیناً اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کو کھانا حرام فرمادیا ہے پس اللہ کے نبی حیات ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں) کے تحت فرماتے ہیں:

ولذاقیل اولیاء اللّٰہ لایموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار .

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں)

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۳/۴۱۴ کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ روح انسانی بعد موت بھی زندہ رہتی ہے۔''

آگے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب تفسیر عزیزی کے حوالے سے فرمایا:

''دفن شدہ اولیاء اللہ اور دیگر صلحاء مومنین سے نفع و فائدہ کا حصول جاری ہے ....وہ زیارت کے لئے قبر پر آنے والے عزیز و اقارب اور دوستوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان سے انس حاصل کرتے ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں:

''حیات شہداء قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل ....اور علماء سے اولیاء افضل ہیں تو جب شہداء زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ مت کہو تو اولیاء کہ بدرجہا ان سے افضل ہیں ضرور ان سے بہتر حی ابدی ہیں''

[فتاویٰ رضویہ جدید،۲۹/۱۰۳تا۱۰۵]

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اولیاء کرام اپنے مزارات میں زندہ ہیں تو پھر انہیں مٹی کا ڈھیر کہنا ان کی کھلی ہوئی توہین ہے اور جو اللہ کے ولیوں کی اہانت کرتا ہے اس سے متعلق حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

من اھان لی ولیا فقدبارزنی بالعداوۃ ۔[المعجم الکبیر للطبرانی ۸/۲٦۴]

اور''من عادی لی ولیا فقدآذنته بالحرب''[صحیح البخاری ۲/ ۹٦۳ کتاب الرقاق باب التواضع]

(جس نے میرے ولی کی توہین کی اس سے دشمنی رکھی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں) ابن رجب حنبلی اس آخر الذکر حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فاولیاء اللّٰہ تجب موالاتھم وتحرم معاداتھم ۔

اولیاء کرام کی محبت واجب اور ان سے عداوت حرام ہے۔

[جامع العلوم والحکم ٦۷۴ الحدیث الثامن والثلاثون]

علامہ ابن حجر ہیتمی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

قال الائمة ولم ینصب اللّٰہ تعالیٰ المحاربة لاحدمن العصاۃالاللمنکرین علی اولیائه ۔

ائمہ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین اولیاء کرام کے علاوہ کسی گنہگار سے اعلانِ جنگ نہیں فرمایا۔

[فتاویٰ حدیثیہ ج۱ص۳۱۳]

''التلخیص المعین علی شرح الاربعین للشیخ محمدبن صالح عثیمین''میں ہے:

ان معاداۃ اولیاء اللّٰہ من کبائرالذنوب لقوله''فقدآذنته''

اولیاء کرام سے عداوت بڑے گناہوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فقدآذنته'' کے سبب)[۱/۱۹۰]

علامہ ابن رجب بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

فمحبة اولیاء اللّٰہ واحبابه عمومامن الایمان وھی من اعلیٰ مراتبه وبغضھم محرم فھومن خصال النفاق ۔

اولیاء کرام اور ان کے عقیدت مند حضرات سے محبت ایمان میں سے ہے اور وہ محبّ کے عالی مرتبت ہونے پر دال ہے اور ان سے بغض حرام ہے اور بغض نفاق کی علامت ہے۔[فتح الباری، ۱/٦٦ کتاب

الایمان]

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ اولیاء کرام زندہ ہیں ان کو مٹی کا ڈھیر کہنا گویا ان کی توہین اور ان سے دشمنی وعداوت ہے اور یہ حرام ہے تو جو امام اولیاء کرام کی شان میں توہین کر کے حرام کا ارتکاب کرے اور عقائد اہلسنت کے خلاف دیوبندی وغیرہ فرقہ ہائے باطلہ کے باطل عقائد ونظریات کی ترجمانی کرے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ مسلمانانِ اہلسنت پر لازم ہے کہ جب تک وہ اس عقیدہ خبیثہ سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں بلکہ ایسے شخص کو فوراً امامت سے برطرف کریں اور اپنے ایمان اور اپنی نمازوں کو محفوظ کریں۔

حدیث شریف میں ہے:

ایاکم و ایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۰ / جمادی الاخری ۱۴۳۲ھ

دیہات میں جمعہ کی نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں ہمارا گاؤں ایک ایسا دیہات ہے کہ جس میں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے گاؤں کے اندر تین مسجدیں ہیں جو جمعہ کے دن بھری ہوئی نظر آتی ہیں اور ہمارے گاؤں سے شہر کی دوری صرف پانچ کلومیٹر ہے آنے جانے کے لئے بہترین سڑک ہے گاؤں میں بھی سڑکیں ہیں اور بازار قائم ہے گاؤں کے اندر کچھ ٹائم سے دو فرض جمعہ مع خطبہ اور اس کے بعد چار فرض ظہر کے باجماعت پڑھے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے گاؤں میں انتشار ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم لوگ کس طریقہ سے نماز ادا کریں ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کیسے کریں جبکہ نیت بدلنے کے بعد نماز بھی بدل جاتی ہے۔ ہم لوگ پریشان ہیں کہ ظہر پڑھیں یا جمعہ اور گاؤں میں عیدگاہ بھی قائم ہے اور لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں تو کیا گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

مسلمانان گلڑیا ہری
کاشی پور اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں نماز جمعہ کی صحت ادا کے لیے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خمسةٌ لاجمعةَ علیھم المراۃُ والمسافر والعبد والصّبی واھل البَادیة ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت مسافر غلام بچے اور گاؤں والے ان پانچ لوگوں پر نمازِ جمعہ نہیں ہے۔ [طبرانی، ۱/۷۲]

دوسری حدیث میں ہے:

لاجمعة ولاتشریق الافی مصر جامع ۔

جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر شہر میں۔[سنن الکبری للبیھقی، کتاب الجمعة، ۳/۱۷۹]

حلبی کبیری میں ہے:

الشرط الاول المصر اوفناء ہ فلاتجوزفی القری عندنا ۔

جمعہ کی شرط اول مصر یا فناء مصر ہے لہٰذا ہم احناف کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔

[غنیة المصلی شرح منیة المصلی، فصل فی صلاۃ الجمعة، ۴۷۳]

اور سائل نے سوال میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ جمعہ کی صحت ادا کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مصر یعنی وہ آبادی جس میں متعدد کوچے دوامی بازار ہوں اور کوئی حاکم رعایا کے مقدمات کے لئے فیصل ہو یا فناء مصر یعنی شہر کا وہ مقام جو شہری ضرورتوں کے لئے متعین ہو جیسے شہر کی آبادی سے باہر اسٹیشن ہوائی جہاز کا اڈہ فوجی چھاؤنی قبرستان وغیرہ، شرط ہے۔ ھکذا فی الکتب الفقھیہ ۔

اور گاؤں کا شہر کے قریب ہونا بھی جمعہ کو دیہات میں جائز نہیں کرسکتا۔ حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں۔

''جو آبادی فناء شہر میں نہیں خواہ وہ شہر سے قریب ہو اس میں جمعہ صحیح نہیں نہ ان لوگوں پر جمعہ واجب

بحرالرائق میں ہے:''٥٥٥٥ ولاتجب الجمعة علی اھل القری وان کانوا قریبامن المصر لان الجمعةانماتجب علی اھل الامصار'' [فتاویٰ صدر الافاضل، ص ۴۴۷]

ان عبارات مذکورہ کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ سوال میں مذکور گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ لیکن جو لوگ جمعہ کے دن دو رکعت نماز بنام جمعہ ادا کرتے ہیں انہیں شرعاً روکنے کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ جس طرح بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیں غنیمت ہے یہی وجہ ہے فقہاء کرام نے طلوع فجر کے وقت نماز جائز نہ ہونے کے باوجود بھی عوام کو روکنے سے منع فرمایا ہے

کہ ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اس نماز کو بالکل ہی نہ پڑھیں مزید براں کہ عید کے دن عیدگاہ میں نماز نفل منع ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی نفل پڑھتا ہے آپ نے منع نہیں فرمایا لوگوں نے کہا کہ آپ اسے منع کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میں اللہ تعالیٰ کی وعید ''ارأیت الذی ینهی عبدا اذا صلی'' میں داخل نہ ہوجاؤں''۔ [درمختار، باب العیدین: ۵۲/۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''بایں ہمہ اپنا یہ مسلک ہے کہ ایسی جگہ عوام جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں روکا نہ جائے نہ خود شرکت کی جائے اگر عدم شرکت میں فتنہ نہ ہو ورنہ بہ نیت نفل مشارکت ممکن'' [فتاوی رضویہ جدید ۳۶۷/۶]

البتہ دو رکعت نماز بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد ظہر کی نماز بھی باجماعت پڑھیں۔

ردالمحتار میں ہے:

لو صلوا فی القری لزمهم اداء الظهر .

اگر دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان پر نماز ظہر کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ [ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۷/۳]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

من لا تجب علیهم الجمعة من اهل القری والبوادی لهم ان یصلوا الظهر بجماعة یوم الجمعة باذان و اقامة .

گاؤں اور صحرا والوں پر جمعہ واجب نہیں بلکہ ان کے لئے حکم ہے کہ وہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت اذان و اقامت کے ساتھ پڑھیں۔

[الباب السادس فی صلاة الجمعة، ۱۴۵/۱]

اور رہا ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کا مسئلہ تو دو رکعت بنام جمعہ خواہ فرض کی نیت سے پڑھیں یا نفل کی نیت سے وہ دونوں رکعتیں نفل ہی مانی جائیں گی اور ظہر کی نماز میں فرض کی نیت کی جائے گی اب دو نمازیں مختلف نیتوں سے ایک وقت میں آگے پیچھے ادا کرنی ہیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جس کے لئے فتنہ وفساد پیدا کیا جائے۔ امام صاحب کو چاہئے کہ اصل مسئلہ سے عوام کو آگاہ کریں۔

تحریر بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں لیکن روکنے کی بھی اجازت نہیں اس لیے وہاں دو رکعت بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد لوگوں سے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے لیے کہا جائے جو لوگ نماز ظہر باجماعت کے لئے رک جائیں انہیں نماز ظہر پڑھائی جائے جو لوگ فتنہ کریں ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) عید کی نماز بھی دیہات میں جائز نہیں اس کے لئے بھی مصر یا فناء مصر شرط ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

كماان المصرأوفنائه شرط جوازالجمعة فهوشرط جواز صلوة العيد

جس طرح مصر یا فناء مصر جمعہ کے جائز ہونے کی شرط ہے اسی طرح نمازِ عید کے لئے بھی شرط ہے۔

[ردالمحتار، باب الجمعة: ۳/ ۷]

هذاماعندی و العلم عندالله تعالیٰ ۔

كتبه

محمدذوالفقارخان نعيمي

مورخه: ۲/ذی الحجه ۱۴۳۲ھ

ایک امام کی مسائل شرعیہ میں غلط بیانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) زید جو کہ ایک محلّہ کی جامع مسجد میں خطابت کرتا ہے جمعہ کی نماز سے قبل لاؤڈ سپیکر سے اعلان کرتا ہے کہ جن حضرات کو پانی نہیں ملا وہ تیمّم کر کے جمعہ کی جماعت میں شامل ہو جائیں جبکہ اس مسجد کے پاس چند قدم کی مسافت پر اہل سنت کی دیگر مساجد بھی پائی جاتی ہیں، نیز یہ کہ گھر سے بھی بآسانی وضو کر کے لوگ نماز میں شامل ہو سکتے ہوں۔ کیا اس صورت میں تیمم سے نماز جمعہ ادا ہو جائے گی؟ جن لوگوں نے خطیب صاحب کے اعلان پر تیمم کر کے نماز ادا کی ،ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ تیمّم کن صورتوں میں جائز ہے؟

(۲) خطیب مذکور نے ہی چند برس قبل ایک چہلم کی محفل میں چہلم کو فرض قرار دیا، برائے کرم محافل چہلم کے متعلق حکم شریعت واضح فرمائیں۔

(۳) خطیب مذکور نے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اشعار کو بے ادبی، جہالت اور گستاخی قرار دیا ہے۔

ناں ترالے کے آقا شان میں وی پائی ملے
ترے ہتھ ڈور سائیاں آپے توں چڑھائی ملے
چڑھی ہوئی گڈی نوں چڑھائی رکھیں سوہنیا
چنگے ہاں یا مندے ہاں نبھائی رکھیں سوہنیا

(ترجمۂ اشعار: یعنی اے میرے آقا و مولی آپ ہی کے نام کی برکت سے مجھے اس جہان میں شان و عزت ملی ہے میری

ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں ہے جہان میں جو میری پذیرائی ہے اس کو قائم رکھنا۔ میں خواہ اچھا ہوں یا بُرا میری لاج نبھائے رکھنا۔)

کیا اس شعر میں گُڈی یعنی پتنگ کا استعارہ استعمال کرنا معاذ اللہ بارگاہ رسالت میں گستاخی شمار ہوگا؟

(۴) مزید یہ بھی کہا کہ جو نعت خوان حضرات تُو، تیرا تم وغیرہ الفاظ پر مشتمل نعتیں پڑھتے ہیں وہ گستاخ ہیں اللہ کرے کہ ان کی زبانیں گونگی ہو جائیں۔ کیا نعتیہ اشعار میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو، تیرا اور تیرے وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنا بے ادبی، جہالت اور گستاخی ہے؟

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں کتنے افراد شرکت کر سکتے ہیں؟

(۶) مذکورہ خطیب مولوی مودودی اور دیوبندی مولوی انور شاہ کشمیری کو بھی نیک پارسا عابد و زاہد خیال کرتا ہے؟

(۷) کیا صدقۂ فطر صرف عید کی نماز سے قبل ہی ادا ہو سکتا ہے؟ بعد میں کسی مسکین فقیر کو دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا؟

(۸) شب برأت میں سو نوافل ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ مزید یہ بھی ارشاد فرمائیں کیا نوافل کی ادائیگی قضا نمازوں کی ادائیگی سے زیادہ ثواب کا موجب ہے؟

(۹) کیا نماز میں زبان سے نیت کرنا شرط ہے؟ اگر زبان سے نیت نہ کی جائے تو کیا نماز نہ ہوگی؟ بینوا توجروا

محمد ساجد قادری، مرکز الاولیاء لاہور، پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام مذکور کا پانی ہوتے ہوئے بھی تیمم کا اعلان کرنا نئی شریعت گڑھنا ہے امام مذکور سے پوچھا جائے کہ پانی موجود ہو اور کوئی شرعی عذر بھی نہ ہو اس کے باوجود نماز جمعہ کے لئے تیمم کرنا کہاں جائز لکھا ہے دکھاؤ دعوی ہے کبھی بھی نہیں دکھا پائیں گے۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر چہ نماز جمعہ فوت ہو جائے بغیر عذر شرعی تیمم کی اجازت نہیں ہے اور نماز جمعہ کا فوت ہو جانا عذر شرعی نہیں ہے اس لئے کہ نماز ظہر اس کا بدل موجود ہے۔

نور الایضاح میں ہے:

ولیس من العذر خوف فوت الجمعة .

جمعہ کے فوت ہونے کا خوف تیمم کے لئے عذر نہیں ہے۔

مراقی الفلاح میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لان الظھر یصلی بفوت الجمعة .

اس لئے کہ نماز جمعہ فوت ہونے پر ظہر پڑھی جاسکتی ہے۔[باب التیمم، ۱/۲۷]
تیمم کے جائز ہونے کے لئے علماء احناف نے چند شرطیں بیان فرمائی ہیں،
نورالایضاح میں ہے

یصح التیمم بشروط ثمانیة الثانی العذر المبیح للتیمم کبعده میلا عن ماء ولو فی المصر وحصول مرض وبرد یخاف منه التلف او المرض وخوف عدو وعطش واحتیاج لعجن لا لطبخ مرق ولفقد آلة و خوف فوت صلاة جنازة او عید ولو بناء ولیس من العذر خوف فوت الجمعة و الوقت .

تیمّم آٹھ شرطوں کے ساتھ صحیح ہے ان میں سے دوسری شرط وہ عذر جو تیمم کو جائز کرے جیسے نماز کا ارادہ کرنے والا پانی سے ایک میل دور ہو اگر چہ شہر میں ہو یا مرض اور ٹھنڈ ہو جس سے فوت ہوجانے یا مرض کے بڑھنے کا خوف ہو اور دشمن کا خوف ہو، پیاس کا اندیشہ ہو، آٹا گوندھنے کے لیے پانی کی ضرورت ہو نا کہ شوربہ پکانے کے لئے اور پانی نکالنے کا آلہ نہ ہو، یا نماز جنازہ یا نماز عید کے چھوٹ جانے کا خوف ہو اگر چہ بناءً ہی ہو اور جمعہ کے چھوٹ جانے کا خوف اور وقت نکل جانے کا خوف عذر نہیں ہے۔

فتاویٰ نوازل میں ہے:

شرط جواز التیمم هو العجز عن استعمال الماء و ذالك قد یکون بعدم الماء وهو ان یکون بینه وبین الماء نحو المیل ٥٥٥ وقد یکون بخوف الهلاك ٥٥٥ او خوف زیادة المرض .[باب التیمم ، ۵۴]

تیمم کے جائز ہونے کی شرط پانی کے استعمال سے عاجز ہونا ہے اور عاجز ہونا کبھی پانی موجود نہ ہونے کے سبب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو اور کبھی عاجز ہونا ہلاک ہونے کے ڈر سے یا بیماری کے بڑھنے کے خوف سے ہوتا ہے۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

''عیدین یا جنازہ کی نماز جاتی رہنے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرے جمعہ و پنج گانہ کے لئے وضو کرنا لازم ہے اگر چہ جمعہ و جماعت فوت ہوجائے'' [۲۹۷/۳]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ ''سمح الندریٰ فیما یورث العجز عن الماء'' ملاحظہ فرمائیں، جس میں پانی کی موجودگی یا عدم موجودگی میں تیمم کے جائز ہونے کی پونے دوسو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

الحاصل: امام پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی مسئلہ عوام کے روبرو بیان نہ کرے۔ اور جن

لوگوں نے پانی پائے جانے کے باوجود بھی تیمم سے نمازِ جمعہ ادا کی ہے ان کی نماز نہیں ہوئی ان پر نماز ظہر کی قضا فرض ہے۔اوران پر لازم ہے کہ احکام شرعیہ سے واقفیت رکھنے والے کو ہی اپنا امام منتخب کریں ورنہ ان کی ساری نمازیں رائیگاں جائیں گی۔

(۲) چہلم کی محفل پاک بغرض ایصال ثواب ممنوعات شرعیہ سے پاک وصاف ایک امرِ محمود ومستحسن ہے۔امام مذکور کا چہلم کو فرض قرار دینا جہالت ہے۔فرض شریعت میں اس حکم کو کہا جاتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اصول فقہ کی معتبر ومشہور کتاب اصول الشاشی میں ہے:

الفرض oooo فی الشرع ماثبت بدلیل قطعی ۔[اصول الشاشی،۱۰۳]

درر الاحکام میں ہے:

الفرض oooo حکم لزم بدلیل قطعی وحکمه ان یستحق العقاب تارکه بلاعذر ویکفر جاحده ۔

فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو بلاعذر ترک کرنے والا مستحق عذاب اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

اور دلیل قطعی کا اطلاق آیات محکمہ اور خبر متواتر پر ہوتا ہے الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

الفرض oooo ثبت بدلیل قطعی لاشبهة فیه کالکتاب والخبر المتواتر حتی انه یکفر جاهده ۔

فرض وہ حکم ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس میں کوئی شبہ نہ ہو جیسے قرآن اور خبر متواتر یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔[جلد ۱ ،ص ۶ کتاب الطهارة]

الحاصل: چہلم کا لازم ہونا نہ تو آیات محکمہ سے ثابت ہے اور نہ ہی خبر متواتر سے لہٰذا امام صاحب کا چہلم کو فرض قرار دینا سراسر غلط اور دینی وعلمی مسائل سے ناواقفیت کی کھلی دلیل اور شریعت پر افترا ہے امام مذکور پر علی الاعلان توبہ لازم ہے۔نیز محفل چہلم از روئے شرع ایک امرِ محمود ہے اگر اس میں ممنوعات شرعیہ جیسے نوحہ ،سینہ کوبی یا گریبان پھاڑنا یا ماتم کرنا تجدد غم وغیرہ نہ ہوں اور روایات صحیحہ کی روشنی میں شہداء کربلا اور دیگر اخیار کا ذکر خیر کیا جائے۔تو بلاشبہ موجب ثواب اور ’’عندذکر الصالحین تنزل الرحمة‘‘ کے مطابق باعثِ نزول رحمت ہے۔

(۳) احقر کو مذکورہ بالا اشعار میں از روئے شرع کوئی قباحت نظر نہیں آرہی ہے ایسے استعارے ہر زبان میں موجود ہیں پتنگ وغیرہ کا استعمال مجاز ابلندی کے لئے ہوتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔عام طور پر بولا جاتا ہے کہ یانبی میری

زندگی کی ڈوراب آپ کے ہاتھ ہے یا جیسے کسی کے لئے بولا جائے کہ وہ تو علم کا پہاڑ ہے یا اس کا دماغ ساتویں آسمان پر ہے، سب بطور مجاز بولا جاتا ہے۔خطیب مذکور بغیر علم کے فتوی دینے میں جری معلوم ہوتا ہے۔ خطیب کو یہ نہیں معلوم کہ بغیر علم کے فتوی بازی کرنا ناجائز وحرام ہی نہیں بلکہ آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت کا سبب بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض .

جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔[کنز العمال، ۱۰/ ۱۹۳]

(۴) امام مذکور بڑا ہی بیباک اور علم سے کورا معلوم ہوتا ہے یہی نہیں بلکہ وہ اپنی مادری زبان اردو کو سمجھنے سے بھی عاجز ہے۔ اردو زبان میں تو، تم، تیرا، تمہارا وغیرہ کا استعمال صرف تحقیر کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے لئے بھی شائع وذائع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے تو، تیرا کا استعمال، بہت سے علاقوں میں ماں کے لئے تو کا استعمال بلاشبہ تعظیم ومحبت کے لئے ہے نا کہ تحقیر وتذلیل کے لیے مزید یہ کہ اردو وفارسی کے مشاہیر شعرا کے نعتیہ کلام میں تو، تیرا کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے اسے بے ادبی اور گستاخی پر محمول کرنا اوران کی زبانوں کے گونگے ہونے کی بددعا کرنا یقیناً حماقت، سفاہت اور جہالت پر مبنی ہے۔امام مذکور نے یہ اختراعی مسئلہ بیان کرتے وقت اور زبانوں کے گنگ ہونے کی بددعا کرتے وقت یہ بھی نہیں سوچا کہ میری زبان کے اس زہرآمیز جملے سے نہ جانے کتنے اولیا وعلما اور اکابر ملت کی بارگاہوں کا تقدس مجروح ہوگا۔بے شمار اکابر امت نے اپنے کلام میں آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو، تیرا، تمہارا وغیرہ کا استعمال کیا ہے ہم ذیل میں چند اکابر کے اشعار بطور ثبوت پیش کیے دیتے ہیں:

درج ذیل اشعار سیدی غوث اعظم علیہ الرحمہ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں:

چو ذره ذره شود ایں تنم به خاك لحد
تو بشنوی صلوات از جمیع ذراتم
سلام به گویم وصلوات بر تو هر نفسے
قبول کن به کرم ایك سلام وصلواتم

مولانا روم مثنوی شریف میں حضرت ابوبکر کے حضرت بلال کو خریدنے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کا بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

گفت مادو بندگان کوئے تو
کردمش آزادمن برروئے تو
تو مرا امیدار بنده ویار غار
هیچ آزادی نخواهم بنده وار

علامہ جامی فرماتے ہیں:

غریبم یارسول اللہ غریبم
ندارم درجہاں جزتوحبیبم
مرض دارم زعصیاں لادوائے
مگر الطاف توباشدطبیبم
بریں نازم کہ ہستم امت تو
گنہگارم ولیکن خوش نصیبم

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بلندآسماں پیش قدرت خجل
تومخلوق وآدم ہنوزآب وگل
تواصل وجودآمدی ازنخست
دگرہرچہ موجودشدفرع تست
تراعزلولاك تمکین بس است
ثنای توطہ ویسین بس است

حضرت امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مجھے بھی یاد رکھیو ہوں تمہارا اُمتی عاصی
گنہگاروں کو جب تم بخشواؤ یارسول اللہ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

مفتی اعظم فرماتے ہیں:

تو شمع رسالت ہے عالم تیرا پروانہ
تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

مذکورہ بالا اشعار مشتے نمونہ ازخروارے کے طور پر بیان کردئے گئے ہیں ورنہ فارسی اور اردو کا کوئی نعتیہ دیوان ایسا نہیں ملے گا جس میں بارگاہ رسالت کے لئے تو، تیرا کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

الحاصل: نعت وغیرہ میں تو تیرا تمہارا کا استعمال بلاشبہہ جائز ہے امام مذکور اپنے اس قول سے توبہ کے ساتھ رجوع کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی ایسا جملہ استعمال نہ کرے جس سے اولیا و علما کی بارگاہوں کا تقدس پامال ہو۔

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات یا اس سے کم لوگوں کی شرکت جائز ہے البتہ سات سے زیادہ افراد ایک گائے یا اونٹ میں شریک نہیں ہو سکتے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجب ان یعلم ان الشاة لاتجزی الاعن واحدوان کانت عظیمة والبقر والبعیر یجزی عن سبعة اذاکانوایریدون به وجه الله تعالیٰ والتقدیربالسبع یمنع الزیادة لایمنع النقصان کذافی الخلاصة۔

جاننا ضروری ہے کہ بکری اگر چہ بڑی ہو مگر وہ ایک ہی آدمی کی طرف سے جائز ہوگی اور گائے، اونٹ سات لوگوں کی طرف سے جائز ہے جب کہ وہ اس سے لوجہ اللہ قربانی کا ارادہ رکھتے ہوں اور سات کی قید سات سے زیادہ لوگوں کو شرکت سے روکنے کے لئے ہے نا کہ اس سے کم کے لئے۔ [۳۰۴/۵]

(۶) خطیب مذکور اگر مولوی کشمیری کی بدمذہبیت سے واقف ہونے کے باوجود اسے پارسا عابد و زاہد خیال کرتا ہے تو از روئے شرع دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

مجمع الانہر میں فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے ہے:

من شك فی عذابه و كفره فقد كفر۔

جو کسی کافر کے عذاب اور کفر میں شک کرے کافر ہے۔ [مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر، ۳۶۵/۴]

خطیب پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور تجدید بیعت لازم و فرض ہے۔

(۷) صدقۂ فطر نماز عید سے قبل ادا کرنا سنت ہے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز عید سے قبل ادائیگی نہ ہو پائے تو بعد میں ادا کرے عمر بھر اس کا وقت رہے گا اور جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا قضا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ففی ای وقت ادی مؤدیالا قاضیاً oooo غیران المستحب قبل الخروج الی المصلی۔

کسی وقت بھی ادا کرے ادا ہی ہوگا قضا نہیں مگر یہ کہ عیدگاہ کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔

[باب صدقة الفطر، ۳۱۱/۳]

(۸) البحرالرائق میں ہے:

وصلاة ليلة النصف ذكرها الغافقي المحدث في لمحات الانوار وصاحب انس المنقطعين وابوطالب المكي في القوت عبد العزيز الديريني في طهارة القلوب وابن الجوزي في كتاب النور والغزالي في الاحياء قال الحافظ الطبري جرت العادة في كل قطر من اقطار المكلفين بتطابق الكافة على صلاة مائة ركعة في ليلة النصف من شعبان بالف قل هو الله احد وتروى في صحتها آثار واخبار ليس عليها الاعتماد ولا نقول انها موضوعة كما قال الحافظ ابن الجوزي فان الحكم في الوضع امره خطير وشانه كبير مع انها اخبار ترغيب والعامل عليها بنيته يثاب ويصدق عزمه واخلاصه في ابتهاله يجاب والاولى تلقيها بالقبول من غير حكم بصحتها ولا حرج في العمل بها .

محدث غافقی نے لمحات الانوار میں اور صاحب انس المنقطعین نے اور ابوطالب مکی نے قوت القلوب میں عبدالعزیز دیرینی نے طہارۃ القلوب میں ابن جوزی نے کتاب النور میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں پندرھویں شب کی نماز (سورکعت) کا ذکر کیا حافظ طبری نے فرمایا کہ مکلفین کے ہر ملک میں سب کے اتفاق سے پندرہویں شعبان کی رات میں سو رکعات نماز پر ایک ہزار قل ھو اللہ احد کے ساتھ عادت جاری ہے اور اس کی صحت پر جو آثار اور خبریں روایت کی گئی ہیں ان پر اعتماد نہیں ہے البتہ ہم ان کو موضوع بھی نہیں کہیں گے جیسا کہ ابن جوزی نے کہہ دیا اس لئے کہ وضع کا حکم بڑی چیز ہے مزید یہ کہ وہ ترغیب کی خبریں ہیں اور ان پر اپنی نیت سے عمل کرنے والا ثواب پائے گا اور اگر سچا ہوگا اس کا ارادہ اور اخلاص اس کی انکساری و عاجزی میں تو قبول کیا جائے گا اور ان آثار پر صحت کا حکم لگائے بغیر قبول کر لینا زیادہ بہتر ہے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [البحر الرائق، ۲/۹۳، باب الوتر والنوافل]

الحاصل: پندرہویں شعبان کی رات سو رکعت نماز ایک امر مستحسن ہے اور ان رکعات کو خلوص وللّٰہیت سے ادا کرنے والا بلاشبہ اجر وثواب کا مستحق ہے البتہ اگر قضا نمازیں ذمہ میں ہوں تو نوافل کی ادائیگی بے سود ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وہ قابلِ قبول ہوں گے؟..... لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے جزءِ املا اور عثمان بن ابی شیبہ اپنی سنن اور ابو نعیم حلیۃ الاولیاء اور ھنّا دفوائد اور ابن جریر تہذیب الآثار میں عبدالرحمٰن بن سابط وزید وزبید پسرانِ حارث و مجاہد سے راوی:

فلما حضر ابابکرن الموتُ دعا عمر فقال اتق اللہ یا عمر واعلم ان له عملا بالنهار لا يقبله بالليل و عملا بالليل لا يقبله بالنهار واعلم انه لايقبل نافلة حتى تؤدى الفريضة ،الحديث“

یعنی جب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبر دار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کر لیا جائے ،الحدیث۔

نیز فتوح الغیب شریف کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مبارک بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضور مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم يقبل منه واهين .

یعنی فرض چھوڑ کر سنّت و نفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خوار کیا جائے گا“

[فتاوی رضویہ جدید،۱۷۸،۱۷۹،۱۸۰]

(۹) نماز میں زبان سے نیت کرنا مستحب ہے شرط نہیں اگر زبان سے نیت نہ کی گئی تو کوئی حرج کی بات نہیں اس سے نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

النية ارادة الدخول فى الصلاة والشرط ان يعلم بقلبه اى صلاة يصلى و ادناها مالو سئل لامكنه ان يجيب على البديهة ٥٥٥٥ ولاعبرة للذكر باللسان فان فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن كذافى الكافى .

نماز میں داخل ہونے کے ارادہ کا نام نیت ہے اور نیت کی شرط یہ ہے کہ وہ دل میں جانتا ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اگر اس سے پوچھ لیا جائے تو برجستہ جواب دیدے اور زبان سے کہہ لینے کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر نیت کے ساتھ اسے بھی جمع کر لے تو اچھا ہے ایسا ہی کافی میں ہے۔[باب النیۃ ،۱/۶۵]

درمختار میں ہے:

التلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار .

نیت کے ساتھ زبان سے کہہ لینا مستحب ہے یہی مختار ہے۔

[باب شروط الصلاۃ، ۲/۲ ۹] ھٰذا ماعندی و العلم عنداللہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۵/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

اہلسنّت کی مسجد سے بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان حرام

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب نے جو سنی ہیں جمعہ کے روز دیوبندیوں کے جلسہ کا اعلان کیا۔ اعلان میں لوگوں سے جلسہ میں شرکت کی اپیل کی اور کہا کہ لوگ پہنچ کر اس جلسہ کو کامیاب بنائیں۔ امام صاحب کا اس طرح بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان کرنا شریعت کی روشنی میں کیسا ہے؟ اور امام صاحب کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ میں نے کمیٹی کے دباؤ میں یہ اعلان کیا اور کمیٹی میں سکریٹری دیوبندی ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد مجاہد رضا نوری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

عرب وعجم کے علماء اہلسنّت کے نزدیک دیوبندی وہابی جماعت اپنے عقائد باطلہ وکفریہ کے سبب بددین ،گمراہ، کافرومرتد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت کی کتاب مستطاب حسام الحرمین نیز حضور صدرالا فاضل محدث مرادآبادی قدس سرہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''وہابی بےدین منکر ضروریات دین خارج از اسلام ہیں'' [فتاوی صدرالا فاضل، ص ۴۱۹]

جب دیوبندی جماعت کا کفروارتداد متفق علیہ ہے تو پھر دیوبندیوں کے جلسہ کی دعوت دینا اور اسے کامیاب بنانے کی اپیل کرنا گویا لوگوں کو کفر کی دعوت پیش کرنا ہے اگر امام صاحب کا یہ فعل اپنی مرضی سے ان کے مذہب کو حق جانتے ہوئے ان کے جلسہ کو دینی جلسہ سمجھتے ہوئے تھا تب تو ازروئے شرع ان پر حکم کفر عائد ہوگا۔ دیوبندیوں کے کفر پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان جاننے اور ان کے کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے۔

حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری ودرمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شك فی عذابه و کفره فقد کفر ۔

علماء کا اجماع ہے کہ جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

اور کتب عقائد کا مشہور ضابطہ ہے:

الرضا بالکفر کفر ۔ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

لہٰذا ایسی حالت میں ان پر توبہ وتجدید ایمان تجدید نکاح لازم وضروری ہے۔

درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولادزنا، ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة (ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح ۔

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

[باب المرتد، ۶/ ۳۹۱]

اور اگر فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ امام صاحب کے قول کے مطابق کمیٹی کے دباؤ میں آ کر انہوں نے انہوں نے جلسہ میں جانے اور اسے کامیاب بنانے کا اعلان کیا تب بھی امام صاحب نے ایک ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کیا اور گناہ میں بددینوں کا ساتھ دیا فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [پارہ ۱۲، سورہ ہود آیت ۱۱۳]

اے مسلمانو! بدمذہبوں کی طرف نہ جھکو نہیں تو تم کو جہنم کی آگ چھوئے گی)

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان''

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

اور کمیٹی کے دباؤ میں آ کر خلاف شرع کام کرنا گویا دین پر دنیا کو ترجیح دینا ہے اور یہ عذاب الٰہی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۔

اے نبی فرما دو کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہارا کنبہ تمہاری کمائی

کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کا مکان ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو یہاں کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو راہ نہیں دیتا۔[پارہ ۱۰ سورہ توبہ]

خلاف شرع کام میں کمیٹی ہو یا کوئی اور کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف .[صحیح بخاری، ۱۰۷۸/۲]

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔

الحاصل: امام صاحب پر اس فعل شنیع پر راضی ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا حکم کفر عائد ہوگا اور انہیں از روئے شرع شریف علی الاعلان توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

علاوہ ازیں کمیٹی میں دیوبندی کو سیکرٹری منتخب کرنے اور اس کو دین کے معاملات میں دخل اندازی کرنے پر راضی ہونے کی وجہ سے اہل محلہ پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی توبہ کریں اور فوراً اس بدمذہب دیوبندی کو سکریٹری کے عہدے سے برطرف کریں اس لئے کہ بدمذہبوں کی تعظیم کرنا اور اپنے دینی امور ان کے ہاتھوں میں سونپ دینا ناجائز و حرام ہے۔ان کے لئے تو شریعت کا یہ حکم ہے، جس پر عمل کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔

اعلیٰ حضرت مقاصد و شرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حکم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن .

یعنی بدمذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل و تحقیر کریں۔اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۳۹۷/۱۱]

نا کہ ان کو اپنے دینی امور کا حاکم و مختار بنائیں۔

حدیث میں ہے: **ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم .**

گمراہوں سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم، ۱۰/۱]

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ .

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

باب الجنائز

﴿چپل پہن کر نماز جنازہ پڑھنا﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں عموماً نماز جنازہ راستے یا میدان میں پڑھی جاتی ہے جہاں گندگی رہتی ہے تو کیا جوتے چپل پہن کر نماز ادا کر سکتے ہیں یا جوتے چپل اتار کر اس پر کھڑے ہوکر۔ ایسے مقامات پر جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی محمد اسرار الحق

(خطیب وامام) جامع مسجد محلہ بانس پھوڑان کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

نمازِ جنازہ ایسی جگہ پر جہاں گندگی ہو یا گندگی کا احتمال ہو نہ پڑھیں اور اگر پڑھیں تو ننگے پیر یا جوتے چپل کے ساتھ نہ پڑھیں۔ اگر نجاست پر کھڑے ہوکر جوتے چپل پہن کر نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

فتاوی شامی میں ہے:

قد توضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیها ویلزم منه فسادها من کثیر من المصلین لعموم النجاسة وعدم خلعهم نعالهم المتنجسة .

بعض مقامات میں جنازہ مسجد کے باہر روڈ پر رکھ کر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے بہت سے نمازیوں کی نماز میں فساد لازم آتا ہے کیونکہ وہ جگہ عام طور پر ناپاک ہوتی ہے اور لوگ اپنے نجاست آلود جوتے اتارتے نہیں ہیں)

[ردالمحتار ،باب صلاۃ الجنازۃ، ۱۲۹/۳]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو قام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان اوجوربان لم تجز صلاته کذافی محیط السرخسی .

اور اگر نجاست پر کھڑا ہو اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پاتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔ [الفتاوی الهندیه،الفصل الثانی فی الطهارۃ، ۶۲/۱]

البتہ جوتے چپل اُتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی۔

محیط برہانی میں ہے:

لوقام علی النجاسة فی الصلاة وفی رجلیه نعلان او جوربان لاتجوز صلاته ولوفرش نعلیه اوجوربیه وقام علیهما جازت صلاته .

اگر کھڑا ہو جائے نجاست پر نماز میں اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں اور اگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھالئے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو نماز جائز ہے۔[۶۵/۱ ،بیان احکام المحدث]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولوخلع نعلیه وقام علیهما جازسواء کان مایلی الارض منه نجسا أوطاهرا اذاکان مایلی القدم طاهرا .

اور اگر اپنے جوتے اتار لئے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو جائز ہے خواہ وہ حصہ جو زمین کی طرف ہے پاک ہو یا ناپاک جب کہ قدم کی طرف والا حصہ پاک ہو ۔[الفصل الثانی فی الطهارة، ۶۲/۱]

بحرالرائق میں ہے:

ولوقام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان اوجوربان لم تجز صلاته لانه قام علی مکان نجس ولوافترش نعلیه وقام علیهما جازت الصلاة .

اگر کھڑا ہو جائے نجاست پر نماز میں اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں اس لئے کہ وہ ناپاک جگہ پر کھڑا ہے اور اگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھا لیے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو نماز جائز ہے۔[باب شروط الصلاة ۴۶۶/۱]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں خلاصہ کے حوالے سے ہے:

لوصلی علی خشب وفی جانبه الآخر نجاسة ان کان غلظ الخشب بحیث یقبل القطع تجوز و آلافلا .

اگر لکڑی پر نماز پڑھی اور اس کی دوسری جانب نجاست ہے اگر وہ لکڑی اس قدر موٹی ہو کہ کاٹی جاسکے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔[باب ما یفسد الصلاة، ۳۷۹/۱]

بدائع الصنائع میں ہے:

اذاصلی علی حجر الرّحا أوعلی باب أوبساط غلیظ أوعلی مکعب ظاهره طاهر وباطنه

نجس يجوز عند محمد وبه كان يفتي الشيخ ابوبكر الاسكاف وعندابي يوسف لايجوز وبه كان يفتي الشيخ ابوحفص الكبير .

جب آٹے کے پتھر یا دروازے یا موٹے بچھونے یا مکعب پر جس کا اوپری حصہ پاک اور نچلا حصہ ناپاک ہو نماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز جائز نہیں ہے ابو حفص کبیر اسی پر فتوی دیتے تھے۔

[بدائع الصنائع كتاب الطهارة،باب ١/٢٣٩]

امام ابن عابدین شامی نے اس مسئلہ میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔

فرماتے ہیں:

وظاهره ترجيح قول محمد وهو الاشبه .

اور اس کا ظاہر امام محمد کے قول کی ترجیح ہے اور یہی اشبہ ہے۔[ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة، مطلب في التشبه باهل الكتاب،٢/٣٨٧]

نیز فتاوی عالمگیری میں بھی امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے:

اذاصلى على حجر الرّحاأوعلى باب أوبساط غليظ أوعلى مكعب ظاهره طاهروباطنه نجس يجوزعندمحمدوبه كان يفتي الشيخ ابوبكرالاسكاف ○ وهو الاشبه باالترجيح هكذافي شرح منية الصلى لابن اميرالحاج .

جب آٹے کے پتھر یا دروازے یا موٹے بچھونے یا مکعب پر جس کا اوپری حصہ پاک اور نچلا حصہ ناپاک ہو نماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور یہی ترجیح کے زیادہ لائق ہے)

[فتاوى عالمگيری ،الفصل الثاني في الطهارة، ١/٦٢]

علامہ عبدالحی کی کتاب معین المفتی والسائل جس کا ترجمہ دیوبندی عالم مفتی محمد عتیق مظاہری (استاد حدیث- جامع الہدیٰ، مرادآباد) نے کیا ہے، اس کتاب میں فتح القدیر کے حوالے سے ہے:

الاترى انه لوقام في صلوته على نجاسة وفي رجليه نعلان لا تجوز صلوته ولوفرش نعليه اوجوربيه وقام عليهماجازت .

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی نماز میں جوتے پہن کر نجاست پر کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز درست نہیں اور اگر جوتیوں یا جرابوں کو بچھا کر کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔[معين المفتي والسائل مترجم، ٣٦٩]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اگر وہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اوراس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی ان کی نماز نہ ہوئی احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کراس پر پاؤں رکھ کرنماز پڑھی جائے کہ زمین یا تلا اگر ناپاک ہوتو نماز میں خلل نہ آئے۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۹/۱۸۸]

حاصلِ کلام: ناپاک جگہ ننگے پیر یا جوتے پہن کرنماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی ہاں جوتے اُتار کراس پر کھڑے ہوکرنماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی خواہ زمین یا جوتے کا تلا دونوں ناپاک ہوں۔

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ ۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۲/ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ

باب الحج والعمرہ

عرفات میں قیام حج کا سب سے بڑا رکن

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں پچھلے سال میں نے اپنے ماں باپ کو حج کرایا تھا جب وہ لوگ عرفات کے میدان میں جا رہے تھے تو میری والدہ کی شدید طبیعت خراب ہوگئی جس سے وہ آگے کے ارکان پورے نہیں کر پائیں حالانکہ انہوں نے قربانی کروادی تھی طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی بھی کر لی تھی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میرے والدین کا حج مکمل ہوا یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد شاداب کٹوراتال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

عرفات میں ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے بلکہ اصل حج یہی ہے جس نے اسے پالیا اس نے حج پالیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحج عرفة فمن ادرك ليلة عرفة قبل طلوع الفجر من ليلة جمع فقدتم حجه .

حج عرفہ ہے جس نے طلوع فجر سے قبل مزدلفہ کی رات میں وقوف عرفہ پالیا اس کا حج پورا ہوگیا۔ [سنن النسائی باب فرض الوقوف بعرفة، ۲/۲۷]

اور جس کا وقوف عرفہ فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا حدیث شریف میں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من وقف بعرفات بليل فقد أدرك الحج ومن فاته عرفات بليل فقد فاته الحج .

جو شخص رات کو عرفات میں ٹھہرا اس نے حج پالیا اور جس کا وقوف عرفہ رات سے فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا۔ [سنن الدارقطنی، کتاب الحج، ۲/۲۴۱]

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے:

من لم يقف بعرفة من ليلة المزدلفة من قبل ان يطلع الفجر فقد فاته الحج .

جس نے مزدلفہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ نہیں کیا اس کا حج فوت ہوگیا۔

نیز ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ولم يقف بعرفة فقد فاته الحج .

اور وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج فوت ہوگیا۔ [موطا امام مالک، کتاب الحج، ص، ۱۵۲]

لہٰذا اس پر آئندہ سال دوبارہ حج کرنا لازمی ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

من فاته عرفة بليل فقدفاته الحج فليحل بعمرة من غير دم وعليه الحج من قابل ۔

جس کا وقوف عرفہ فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا وہ عمرہ کرکے احرام کھول دے اس پر کوئی دم نہیں البتہ آئندہ سال اس پر حج لازم ہے)[سنن الدارقطنی، ۲/ ۲۴۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے: **من احرم بالحج كان فرضاأومنذوراأوتطوعاًصحيحاًكان أو فاسد اسواء طرأفساده أوانعقد فاسداكمااذاأحرم مجامعاوفاته الوقوف بعرفة حتى طلع الفجرمن يوم النحرفقدفاته الحج وعليه ان يطوف ويسعى و يتحلل ويقضى من قابل ولادم عليه كذافي الهدايه"**

جس نے احرام باندھا حج فرض یا نذر یا نفل کا صحیح ہو یا فاسد برابر ہے کہ وہ فساد درمیان میں آگیا ہو یا شروع ہی سے ہو جیسا کہ مجامعت کی حالت میں احرام باندھا تھا اور وقوف عرفہ فوت ہوگیا یہاں تک کہ قربانی کے دن فجر طلوع ہوگئی تو اس کا حج فوت ہوگیا اس پر لازم ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور احرام سے باہر ہو جائے اور آئندہ سال حج قضا کرے اور اس پر کوئی دم نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

[الفتاوی الہندیہ، کتاب المناسک، باب فی فوات الحج، ۱/ ۲۵۶]

فتاوی خانیہ میں ہے: **من فاته الوقوف بعرفة في وقت الوقوف فاته الحج ۔**

جس کا وقوف عرفہ وقت وقوف میں فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا۔[فصل فی فائتة الحج، ۱/ ۲۵۶]

مذکورہ بالا عبارات کا ماحصل یہ نکلا کہ آپ کے والدین نے وقوف عرفہ ترک کیا جس کی کوئی تلافی نہیں سوائے اس کے کہ آئندہ سال حج کیا جائے آپ کے والدین پر لازم ہے کہ حج کی قضا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۷/ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ

آفاقی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں ایک شخص حرم شریف میں کام کرتا ہے جب اپنے وطن ہندوستان سے واپس آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے اگر بغیر باندھے داخل ہوگئے تو دم دینا ہوگا

کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا احرام کے ساتھ عمرہ بھی ضروری ہے؟

اور یہ بھی بتائیں کہ حدود حرم میں کام کرنے والا اگر زیارت کے لئے مدینہ گیا تو کیا واپسی میں اسے حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے عمرہ کے لئے احرام باندھنا اور حرم میں آکے عمرہ کرنا واجب ہے ایسا نہیں کیا تو کیا دم واجب ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

مبارک علی خاں رضوی

کاکیہ قربان گاہ حرم شریف مکہ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

از روئے شرع جب بھی کوئی باہر سے آنے والا مکہ شریف میں حاضر ہونا چاہے تو اس کے لیے میقات پہنچ کر احرام باندھنا واجب وضروری ہے عمرہ نہیں ہاں اگر بغیر احرام باندھے میقات سے گزر گیا تو اب اس پر شرعاً حج یا عمرہ واجب ہو گیا وہ میقات واپس آئے اور احرام باندھے عمرہ یا حج کی نیت کرے اگر وہ میقات واپس آکر احرام نہیں باندھتا اور میقات پر آئے بغیر احرام باندھ کر حج یا عمرہ کر لیتا ہے تو اس پر دم واجب ہے۔ یوہیں جب وہ مکہ سے مدینہ جاتا ہے تو گویا میقات سے باہر ہو جاتا ہے ایسی صورت میں وہ آفاقی یعنی باہر سے آنے والے کی طرح ہو جاتا ہے تو اگر وہ مکہ کو واپس ہوتا ہے تو میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اگر نہیں باندھتا تو اوپر ذکر کیا گیا حکم نافذ ہوگا۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"باہر سے مکہ معظمہ کا قصد کرنے والے کو بے احرام ان مقاموں سے آگے بڑھنا حرام ہے"

[فتاویٰ رضویہ جدید ۱۰/۷۷۹]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا یجوز للآفاقی ان یدخل مکة بغیر احرام نوی النسك اولا ولو دخلها فعلیه حجة او عمرة کذافی محیط السرخسی۔

باہر سے آنے والے کے لیے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہے حج وعمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو اور اگر بغیر احرام داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ واجب۔ ہے ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔

[باب فی المواقیت، ج ۱ ص ۲۲۱]

اسی میں ہے: اذا دخل الافاقی مکة بغیر احرام وھو لا یرید الحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حجة او عمرة فان احرم بالحج او العمرة من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیه دم لترك حق المیقات وان

عاد الی المیقات واحرم فھٰذا علی وجھین فان احرم بحجة اوعمرة عما لزمه خرج عن العهدة الخ

جب باہر سے آنے والا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوا اور اس کا حج اور عمرہ کا ارادہ نہ ہوتو اس پر مکہ میں داخل ہونے کے سبب یا تو حج ہے یا عمرہ پس اگر میقات کو لوٹے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھا تو حق میقات ترک ہونے کے سبب اس پر دم ہے اور اگر میقات کو واپس آکر احرام باندھا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر حق میقات ترک ہونے کے سبب جو حج یا عمرہ لازم آیا تھا اس کا احرام باندھا تو دم ساقط ہوگیا۔الخ [باب مجاوزة المیقات بغیر احرام، ج ۱ ص ۲۵۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

لیس لاحد ینتھی الی المیقات اذا اراد دخول مکة ان یجاوزھا الا بالاحرام سواء کان من قصده الحج او القتال او التجارة ۔

میقات تک پہنچنے والا جب مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے چاہے حج اور عمرہ کے نیت سے یا تجارت کی غرض سے تو اس کے لیے بغیر احرام میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے۔[باب المواقیت، ج ۵، ص ۳۸۲]

تحفة الفقہاء میں ہے:

الافاقی اذا جاوز المیقات لقصد الحج او لقصد مکة لتجارة من غیر احرام ودخل مکة کذلك فانه یلزمه اما حجة او عمرة عندنا ۔

باہر سے آنے والا اگر حج یا مکہ میں تجارت کے ارادے سے بغیر احرام کے میقات سے گزر کر مکہ میں داخل ہوگیا تو احناف کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگیا۔[۱/ ۳۸۶]

ردالمحتار میں ہے:

المکی ○○○○ لا یجاوز میقات الآفاقی والا فھو کالآفاقی لایحل له دخوله بلا احرام ۔

مکہ میں رہنے والا باہر سے آنے والے کے میقات سے نکلتے ہی اسی کے مثل ہوجائے گا اس کے لیے بھی مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہوگا۔[کتاب الحج، مطلب فی المواقیت، ۳/۴۸۴]

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخه ۲۵/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

حائضہ عورت کے لئے ارکان حج کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسئلہ میں اگر ایام حج میں عورت حائضہ ہوجائے تو حج کے افعال کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

قاری محمد ذاکر حسین

مدرسہ اہل سنت گلشن رضا کونڈا چوراہا کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

ایام حج میں حائضہ عورت سوائے طواف کعبہ اور سعی کے تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔

ملتقی الابحر میں ہے:

ولو حاضت عند الإحرام اغتسلت وأتت بجميع المناسك إلا الطواف .

اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہوجائے تو غسل کرے اور سوائے طواف کے تمام اعمال حج ادا کرے۔

[ملتقی الابحر، کتاب الحج، ۱/ ۵۲]

عقود الدریہ میں ہے:

حَيْضُهَا لَا يَمْنَعُ شَيْئًا مِنْ نُسُكِهَا إِلَّا الطَّوَافَ .

عورت کا حیض سوائے طواف کے افعال حج میں سے کسی سے مانع نہیں۔

[عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی، ۱/ ۹۲]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

المرأة إذا حاضت في الحج إن حاضت قبل أن تحرم وانتهت إلى الميقات فإنها تغتسل وتحرم وإذا قدمت مكة وهي حائض تصنع كما يصنع الحاج غير أنها لا تطوف بالبيت ولا تسعى بين الصفا والمروة وتشهد جميع المناسك .

عورت جب دوران حج حائضہ ہوجائے تو اگر وہ احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہوئی ہے اور میقات تک حیض ختم ہوگیا تو وہ غسل کرے اور احرام باندھے اور جب حالت حیض ہی میں مکہ پہنچ گئی تو سوائے طواف کعبہ اور صفا ومروہ کی سعی کے تمام کام کرے جو حاجی لوگ کرتے ہیں)

[فتاوی قاضی خان، ۱/ ۳۴۷، فصل فی کیفیة اداء الحج]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

اغرب القهستاني حيث زادالسعي .

قہستانی نے انوکھی بات کہی کہ انہوں نے سعی کا اضافہ فرمایا یعنی حائضہ عورت کو طواف کے علاوہ سعی سے بھی منع فرمایا۔

[حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، ۱/۵۱۳]

ردالمحتار میں ہے: تنبيه قدمنا عن المحيط أن تقديم الطواف شرط صحة السعي فعن هذا قال القهستاني فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جميع المناسك إلا الطواف والسعي اه أى لأن سعيها بدون طواف غير صحيح .

خبردار ہم محیط کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ طواف کا مقدم ہونا سعی کے صحیح ہونے کی شرط ہے اسی وجہ سے قہستانی نے کہا کہ اگر عورت احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہو جائے تو غسل کرے اور احرام باندھے اور طواف وسعی کے علاوہ تمام مناسک ادا کرے اس لئے کہ بغیر طواف کے سعی کرنا صحیح نہیں ہے۔

[ردالمحتار، ۳/۵۵۲، كتاب الحج]

الحاصل: حائضہ عورت ایام حج میں طواف کعبہ اورسعی کے علاوہ تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔ هٰذاماعندی والعلم عندالله تعالیٰ

كتبه

محمدذوالفقارخان نعيمی

مؤرخہ ۲۸/جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

باب النکاح

﴿مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے﴾

کیافرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے کسی عورت سے زنا کیااوراب وہ اس عورت کی جوان لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔
حافظ محمد غلام یسین منڈل سرسلا مسجد نور ضلع کریم نگر حیدرآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

زید کے لئے اس عورت کی لڑکی سے نکاح جس سے وہ زنا کر چکا ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔قرآن مقدس میں ہے:

رَبَائِبُکُمُ اللَّاتِی فِی حُجُورِکُم مِنْ نِسَائِکُمُ اللَّاتِی دَخَلْتُم بِهِنَّ

(اور (حرام ہیں تم پر) ان کی بیٹیاں جوتمہاری گود میں ہیں ان بی بیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو)

[کنزالایمان سورہ نساء پارہ ۴ آیت ۲۳]

مجمع الانھر میں ہے:

لَوْ زَنَی بِامْرَأَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُصُولُهَا وَفُرُوعُهَا

(اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیاتو اس پر اس عورت کے اصول وفروع حرام ہو گئے)

[کتاب النکاح باب المحرمات، ۱/ ۴۸۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فَمَنْ زَنَی بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَإِنْ عَلَتْ وَابْنَتُهَا وَإِنْ سَفُلَتْ .

وہ شخص جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس پر عورت کی ماں او پر تک (یعنی عورت کی نانی پر نانی وغیرھا) اوراس عورت کی بیٹی نیچے تک (یعنی نواسی وغیرھا) سب حرام ہیں۔[کتاب النکاح باب فی بیان المحرمات ۱/۲۷۴]

فتاوی رضویہ میں ہے:

رَبَائِبُکُمُ اللَّاتِی فِی حُجُورِکُم مِنْ نِسَائِکُمُ اللَّاتِی دَخَلْتُم بِهِنَّ

اس آیہ کریمہ میں زن مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف "اللّاتی فِی حُجُورِکُم" یعنی اس کی گود میں پلنا بالا جماع شرط حرمت نہیں۔مثلاً زید کسی پچیس سال والی عورت سے نکاح کرے اوراس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چاردہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا درکنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہوتو کیا

زید کو حلال ہوسکتا ہے کہ اس کی لڑکی سے بھی نکاح کرلے اور مادر دختر دونوں کو تصرف میں لا الـــہ الا اللہ یہ ہرگز شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔

اسی طرح وصف ''نِسَـائِـکُم''، یعنی ان مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، کیا لیلیٰ وسلمیٰ ماں بیٹی دونوں جس کی کنیز شرعی ہوں اسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے، مادر و دختر دونوں ایک پلنگ پر، عیـاذاًبـالـلّٰہ، یہ شریعت محمدی صـلـی اللہ عـلیہ وسلم سے کس درجہ بعید ہے۔ حالانکہ ہرگز کنیزیں ''نِسَـائِـکُم'' میں داخل نہیں نہ ان کی بیٹیوں پر'' رَبَـائِـبُـکُم'' صادق، غالباً ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں، تو ثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تتمہ آیت "فَـاِنْ لَّـمْ تَـکُـوْنُـوا دَخَلْتُمْ بِهِــنَّ ''تحریم دختر کے لیے کافی نہیں، یونہی شرط و ضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے، نہ جزء علت اب آیہ کریمہ میں نہ رہا مگر ''اللّٰتِـی دَخَلْتُمْ بِهِنَّ''یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی، معلوم ہوا صرف اس قدر علت تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ اس نے صحبت کی، لاجرم بحکم آیت اس کی بیٹی اس پر حرام ہوگئی۔''

مزید فرماتے ہیں:

''اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگرچہ بلا نکاح اگرچہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہوگئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرت علامہ صحابہ عبد اللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبد اللہ بن عباس وحضرت اقرؤ الصحابہ ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبد اللہ وحضرت مفتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبد الرحمن اوزاعی وامام احمد بن حنبل وامام اسحٰق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضـی الـلّٰہ تعالیٰ عنهم اجمعین۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۵۴،۳۵۵،۳۵۶]

الحاصل: زانی پر مزنیہ کی بیٹی قطعاً ناجائز وحرام ہے۔

ھٰذا ماعندی و العلم عنداللّٰہ اتم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹ر جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

﴿ دیوبندی لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح جائز نہیں ﴾

جناب مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں؛

ایک سنی صحیح العقیدہ نے اپنی لڑکی کا رشتہ دیوبندی کے گھرانے میں کیا ہے ہم نے اس کو بہت سمجھایا پھر بھی نہیں مانا اب ان لڑکی ولڑکا کی شادی ہے لڑکی والے سنی ہیں جو ہمارے قریبی بھائی رشتہ دار ہیں کیا ایسی شادی میں جانا چاہئے یا نہیں؟ اگر لڑکی کی شادی میں نہیں جائیں گے تو آپس میں بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور بھائیوں میں آنا جانا بند ہو جائے ہم لوگ جس جگہ پر رہتے ہیں وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے بیس ۲۰ گھروں کی آبادی ہے آپس میں ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتا اس صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

فقط سلام دعا گو تاج محمد اکبری کرڑا جالور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

دیابنہ اپنے عقائد باطلہ وخبیثہ کی وجہ سے کافر ومرتد ہیں ان کے ساتھ کسی سنی وسنیہ مرد وعورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

فقہ حنفی کی معتبر ومستند ومتدل کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدة ولامسلمة ولاكافرة اصلية .

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔

[باب المحرمات بالشرك ۱/۲۸۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے..... تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۷۷]

سنی صحیح العقیدہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح ایسے دیوبندی لڑکے سے کرنا جو علماء دیوبند کے کفریات پر مطلع ہوتے ہوئے بھی ان کو مسلمان جانتا ہو اگر اس کو مسلمان سمجھ کر ہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں "جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری میں ودرمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شك في عذابه و كفره فقد كفر .

علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم و ضروری ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح واولاده اولاد زنا، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة (اى تجديد الاسلام) وتجديد النكاح .

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ ولا دزنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

[باب المرتد، ۲/ ۳۹۱]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی:

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

[کنزالایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

وفرمان رسول صلى الله عليه وسلم :

اياكم واياهم لايضلونكم ولايفتنونكم .

گمراہوں سے دُور بھاگو اُنہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [صحیح مسلم، ۱/ ۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں اور نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منہ پھیر لیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد و شرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حكم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن .

یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل و تحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز و حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شرکت کرنا از روئے شرع ناجائز و حرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان ۔

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔[کنزالایمان، پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

رہا سائل کا یہ کہنا "وہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں اور شادی میں شرکت نہ کرنے پر بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور ایک دوسرے کے بغیر کام نہیں چل سکے گا" تو شریعت میں اس عذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شریعت کے بانی نبی محترم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور ان کے اصحاب کرام کی مقدس زندگیاں اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ سائل کو چاہئے کہ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کرے، اور ایسے نکاح میں ہرگز ہرگز شریک نہ ہو ایمان و شریعت کے مقابل کسی رشتہ اور قرابت کا پاس و لحاظ مومن کی شان نہیں ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة فی معصية الله انما الطاعة فی المعروف ۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔[صحیح بخاری، ۲/۱۰۷۸]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ

﴿دیابنہ و وہابیہ کے یہاں لڑکی دینے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید جس کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اپنی لڑکی کی شادی مشہور و متصلب وہابی کے یہاں کر رہا ہے از روئے شرع یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اس شادی میں شریک ہوں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

(قاری) محمد نظر سلامی (امام) جامع مسجد غوثیہ کھائی کھیڑی کمال پور نجیب آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

وہابیہ و دیابنہ اپنے عقائد باطلہ مثلاً اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی

آسکتا ہے، امتی عمل میں نبی سے بڑھ سکتا ہے، نماز میں نبی کا خیال گدھے بیل کے خیال اور بیوی سے مجامعت کے خیال سے بدتر ہے، جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں، نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، انبیاء واولیاء ہر مخلوق چھوٹی بڑی اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے، نبی کا علم شیطان سے کم اور جانوروں، پاگلوں، بچوں کے برابر ہے، صحابہ کو کافر کہنے والا کافر نہیں ہے، حضرت علی کا اسلام معتبر نہیں ہے، حضرت حسین جلیل القدر صحابی نہیں ہیں، وغیرہا۔ (معاذ اللہ رب العلمین) کے سبب دائرۂ اسلام سے خارج اور بدترین کافر ومرتد ہیں ،ان کے ساتھ نکاح تو درکنار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جیسے باطل فرقوں سے وابستہ افراد کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے ان کے ساتھ نماز پڑھنے اوران کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تؤاكلوهم ولا تناكحوهم ۔

بدمذہبوں کے ساتھ نہ ان کے ساتھ پیو نہ کھاؤ نہ ان کے ساتھ نکاح کرو۔

اور فرماتے ہیں:

فلاتناكحوهم ولاتؤاكلوهم ولا تشاربوهم ولا تجالسوهم ولاتصلوا عليهم ولاتصلوا معهم ۔

بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔
[کنز العمال ۱۱/۵۲۹:۵۴۰]

فقہ حنفی کی معتبر ومستند ومتدل کتاب فتاوی عالمگیری جسے پانچ سو اکابر علماء نے ترتیب دیا ہے اس میں ہے:

لايجوز للمرتد ان يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة اصلية وكذالك لايجوز نكاح المرتدة مع احد كذافي المبسوط ۔

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔[باب المحرمات بالشرك ۱/۲۸۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے..... تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے'' مزید فرماتے ہیں کہ مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد سے مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہو سکتا [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۷۷]

الحاصل: زید کا اہل سنت سے وابستہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی لڑکے سے کرنا اپنی لڑکی کو زنا کے لئے پیش

کرنا ہے۔جیسا کہ عبارات بالا سے ظاہر ہو چکا ہے،لہٰذا زید پر فرض ہے کہ فوراً اپنے فعل سے باز آئے اور اپنی لڑکی کا نکاح کسی سنی صحیح العقیدہ کے ساتھ کرے اور اگر زید اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی وہابی لڑکے سے کر چکا ہے تو فوراً اپنی لڑکی کو واپس بلا لے اور بلا طلاق وعدت اس کا نکاح دوسری جگہ کر دے۔اور اگر زید پھر بھی اپنی لڑکی کا نکاح وہابیوں کے یہاں ان کے عقائد باطلہ وکفریہ سے آگاہ ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر کر رہا ہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

"جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے وجیز امام کردری میں ودرمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے" اجمع العلماء من شك فى عذابه و كفره فقد كفر" علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے"

[فتاوی رضویہ جلد ۱۱/ ۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم وضروری ہے۔فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزنا،ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة(ای تجدید الاسلام)وتجدید النکاح ۔

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ،تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

[باب المرتد،۶/ ۳۹۱]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شریک ہونا بھی ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان ۔

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔[ترجمہ قرآن،کنز الایمان،پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا شخص جب تک توبہ نہ کرلے بموجب فرمان الٰہی:

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔[کنز الایمان پارہ ۲۸،سورہ انعام آیت ۶۸]

وفرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔
گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم، ۱/۱۰]

اس سے دُور رہیں اور اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کردیں، نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منھ پھیرلیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد وشرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں: حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنه والاھانة والطعن واللعن۔
یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۳/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

نکاح میں ایک گواہ کی گواہی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ایک لڑکے نے لڑکی سے ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح پڑھوایا شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں، اس کے بعد لڑکی کے گھر والوں نے لڑکے سے زبردستی طلاق دلوائی لڑکے نے دباؤ میں آکر طلاق دے دی تو کیا دباؤ میں آکر لڑکے کے طلاق دیدینے سے طلاق واقع ہوگئی؟

صابر حسین بن ذوالفقار علی محلہ نیاز نگر سنہری مسجد کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

ازروئے شرع نکاح میں دو گواہ شرط ہیں صرف ایک گواہ کی موجودگی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔
فتاوی عالمگیری میں ہے:

فلاینعقدالنکاح بشاھدواحد۔ ایک گواہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔[کتاب النکاح، ۱/۲۶۷]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''نکاح کے لئے دومرد یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا لازم ہے صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب وقبول کر لینے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۱/۲۹۴]

لہٰذا ایسا نکاح شریعت کی اصطلاح میں نکاح فاسد کہلاتا ہے جس میں قاضی شرع تفریق کرائے یا شوہر متارکہ کرے یعنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے چھوڑا وغیرہ اور طلاق خواہ جبراً ہی ہو یہ بھی متارکہ کے حکم میں ہے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی القاضی التفریق بینهما ooooo او متارکة الزوج .

قاضی پر ان دونوں کی تفریق واجب ہے اور شوہر پر متارکہ۔ [کتاب النکاح، ۴/۲۷۶]

ردالمحتار میں ہے:

المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الا بالقول کخلیت سبیلك او ترکتك .

نکاح فاسد میں متارکہ دخول کے بعد نہیں ہوتا ہے مگر قول سے جیسے کہے کہ میں نے تیرا راستہ خالی کیا یا تجھے چھوڑا۔ [۴/۲۷۶]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا وقع النکاح فاسدا فرق القاضی بین الزوج والمراة ooo وفی مجموع النوازل الطلاق فی النکاح الفاسد یکون متارکة .

نکاح فاسد میں قاضی میاں بیوی میں جدائی کرائے ..اور مجموع نوازل میں ہے کہ نکاح فاسد میں طلاق متارکہ ہی ہوتی ہے۔ [باب النکاح الفاسد، ۱/۳۳۰]

علاوہ ازیں اگر شوہر نے عورت سے صحبت بھی کر لی ہو تو شوہر پر مہر بھی واجب ہوگا اور عورت پر متارکہ کے بعد عدت بھی۔ اور اگر صحبت نہ کی ہو تو مہر وعدت کچھ لازم نہ ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فان لم یکن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وان کان قد دخل بها فلها الخ .

اگر دخول نہ کیا ہو تو مہر اور عدت نہیں ہے ورنہ ہے۔ [مرجع سابق]

هذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۴/ ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ

﴿طلاق کے بعد دوسرے سے نکاح﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دی اور اس کے بعد زینب کی عدت بھی گزر گئی تو کیا اب زینب کے ماں باپ دوسری جگہ زینب کا نکاح کر سکتے ہیں؟ ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

شاہد حسین منجھرہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں زینب کا نکاح دوسری جگہ کرنے میں ازروئے شرع کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ پائی جائے۔

مطلقہ عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین حیض گزرنے تک رکنے کا حکم فرمایا ہے:

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء .

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔ [کنز الایمان سورۃ البقرۃ پارہ ۲ آیت ۲۲۹]

بلکہ اس دوران انہیں پیغام نکاح دینے سے بھی منع فرمایا گیا ہے:

ولاتعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله .

اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ [کنز الایمان، پارہ ۲ آیت ۲۳۵]

البتہ عدت گزر جانے کے بعد وہ آزاد و مختار ہو جاتی ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہو جاتی ہیں۔

تفسیر قرطبی میں آیت "والمطلقت یتربصن انفسھن ثلثة قروء" کی تفسیر میں ہے:

حتی انقضت عدتھافھی احق بنفسھاوتصیر اجنبیةمنه .

جب عدت پوری ہو جاتی ہے تو وہ خود مختار ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہیں۔ [تفسیر قرطبی ۳/۱۲۰]

لہٰذا زینب کے والدین زینب کا نکاح جہاں چاہیں کر سکتے ہیں شرعاً اجازت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۴/ ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ

شوہر کا بیوی کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زینب کے شوہر کو بیس سال کی سزا ہوگئی ہے وہ پانچ سال سے جیل میں ہے اور زینب اپنے ماں باپ کے گھر ہے شوہر سے جب طلاق کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں طلاق کا لفظ زبان پر لانا نہیں چاہتا لیکن جب زینب کبھی اس سے ملنے جاتی ہے تو وہ اسے دوسرا نکاح کرنے کے لئے کہتا ہے تو کیا ایسی حالت میں زینب کو شرعاً دوسرے نکاح کی اجازت ہے؟ از روئے شرع جو بھی حکم ہو عنایت فرمائیں۔

محمد شمیم رضوی

رضوی کتب خانہ محلہ قلعہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

زینب کے شوہر کا زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا اگر بنیت طلاق ہے تب تو زینب بائنہ مانی جائے گی اور بعد عدت اسے نکاح کی شرعاً اجازت ہوگی اور اگر شوہر کا یہ کہنا طلاق کی نیت سے نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ الفاظ کنایہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کے لئے طلاق کی نیت ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ انہیں جیسے الفاظ سے متعلق فرماتے ہیں:

”بقیہ چار الفاظ میں تین پیشیں کا حاصل اجازت نکاح دینا ہے اور وہ بے شک کنایات سے ہیں: فانه ينبغى عن رفع قيد النكاح واخراجها عن عصمة لنفسه كقوله تزوجى كمافى الخانية وابتغى الازواج كمافى الكنزو وهبتك للازواج كمافى الهندية .

چونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوندیوں کہے تو نکاح کر جیسا کہ خانیہ میں ہے تو خاوند تلاش کر جیسا کہ کنز میں ہے میں نے تجھے شوہروں کے حوالے کیا جیسا کہ ہندیہ میں ہے........ تو ان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو لفظ رہے ایک کنایہ جس سے بلحاظ نیت طلاق بائن پڑے گی۔“

مزید ردالمحتار کے حوالے سے فرماتے ہیں: لايقع ديانة بدون النية .

کنایہ کی صورت میں بغیر نیت طلاق واقع نہ ہوگی۔ [فتاویٰ رضویہ جدید، ۱۲/۶۳۳، ۶۳۴]

دوسرے مقام پر فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے فرماتے ہیں:

لو قال تزوجى ونوى الطلاق اوالثلث صح وان لم ينو شيأ لم يقع كذا فى العتابيه .

اگر کہا تو نکاح کر لے اور ایک طلاق یا تین طلاق کی نیت کی تو صحیح ہے اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی

جیسا کہ عنابیہ میں ہے) [مرجع سابق ،۱۲/ ۵۲۴]
واللّٰہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ
محمدذوالفقارخان نعیمی
مورخہ ۱۸ ،شعبان المعظم، ۱۴۳۳ھ

بھاگی ہوئی بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید اور زینب کا نکاح ہوا زینب زید کے گھر ایک رات رہی دوسرے دن دعوت ولیمہ کے بعد زینب کے گھر والے اس کو گھر لے گئے تیسرے دن جب زینب کو لینے زید کے گھر والے پہنچے تو پتہ چلا و بکر کے ساتھ بھاگ گئی ہے زینب کے باپ نے بتایا کہ زینب نے زید سے شادی سے پہلے ہی بکر سے کورٹ میر کرلیا تھا، اب زید اور اس کے گھر والے اس لڑکی کو رکھنا نہیں چاہتے اور طلاق دینا چاہتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں زینب مہر کی حقدار ہوگی؟ از روئے شرع حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد ناظم، طفیل گارڈن کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ زید سے شادی کرنے سے پہلے زینب اور بکر نے دو مسلمان گواہوں کے سامنے کورٹ میں ایجاب وقبول کیا ہے تو پھر یہ نکاح جو زید کے ساتھ ہوا وہ نکاح باطل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ [ترجمہ کنز الایمان، سورہ نساء، آیت ۲۴]

دونوں الگ ہو جائیں اس میں طلاق کی بھی حاجت نہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر ۔ [فتاوی قاضی خاں، ۱/ ۴۱۶]

البتہ زید پر زینب کا مہر مثل یعنی اس جیسی لڑکیوں کا خاندان میں جو مہر عام طور پر رائج ہو لازم ہے اگر چہ مقرر کردہ مہر سے کم ہو۔ ہاں اگر مقرر کردہ مہر سے زیادہ ہو تو مہر مقرر ہی واجب الادا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"مہر مثل و مہر مسمیٰ سے جو کم ہو لازم آئے گا"
مزید درمختار کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فی الدر المختار یجب مہر المثل فی نکاح فاسد ooo ولم یزد علی المسمیٰ ولو کان دون المسمیٰ لزم مہر المثل .

نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور مہر مثل مقرر کردہ مہر سے زیادہ نہ ہو اور اگر اس سے کم ہو تو بھی مہر مثل لازم ہوگا۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۲/۱۶۱]

اور اگر زینب کا بکر سے نکاح ثابت نہ ہو تو زینب بدستور زید کی بیوی رہے گی اور طلاق کے بعد مہر کی حقدار ہوگی ہاں اس کی اس حرکت قبیحہ کے سبب طلاق سے قبل اس کی عدم موجودگی اور طلاق کے بعد عدت کا نفقہ ضرور ساقط ہوگا مگر اس کا مہر زید پر لازم ہوگا۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"جتنی مدت عورت فرار رہی اس مدت کا نفقہ تو زید پر اصلاً نہیں **فی الدر المختار لانفقة لخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود .** (درمختار میں ہے کہ بلا وجہ شوہر کے گھر سے جانے والی عورت نافرمان ہے اس کا نفقہ نہیں) [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۴۲۸]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"مہر بنفس عقد زن وشوئی واجب شود بوطی یا خلوت صحیحہ یا موت احدالزوجین تاکد وتقرر یابد کہ بعد وقوع یکے ازینها بهیچ وجہ پارہ ازاں بے ادا یا ابراء ساقط نہ گردد اگرچہ زن معاذاللہ فسق و فجور در زد یا عیاذ باللہ مرتدہ شود فی الدر المختار یتاکد عند وط ء او خلوة صحت او موت احدهما"

مہر نکاح سے لازم ہو جاتا ہے اور صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت ہو جانے سے مہر پکا ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد مہر کا کوئی حصہ بغیر ادا یا بغیر بیوی کے معاف کیے ساقط نہیں ہوگا اگرچہ بیوی فاسقہ فاجرہ یا معاذ اللہ مرتدہ ہو جائے درمختار میں ہے کہ صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت سے مہر پکا ہو جاتا ہے۔[فتاوی رضویہ جدید،۱۲/ ۱۲۶]

مزید فرماتے ہیں:"وہ عورت فاسقہ ہے سخت گنہ گار ہے مگر ان حرکات کے سبب مہر ساقط نہ ہوگا رکھنے نہ رکھنے کا مرد کو اختیار ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/ ۱۴۴]

واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

یکم محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

متوفیہ بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میری بیوی اپنا مہر معاف کیے بغیر انتقال کر گئیں۔کوئی اولاد بھی نہیں چھوڑی، جو جہیز چھوڑا تھا وہ تو میں نے ان کے والدین کو دے دیا۔صرف مہر باقی ہے اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

محمد ناظم سیفی محلہ نئی بستی و جے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

مہر آپ کی بیوی کا ترکہ ہے جو ان کے وارثین کو حسب فرائض دیا جائے گا۔کل مہر سے آپ کو نصف (آدھا) ملے گا بقیہ نصف میں تین حصے ہوں گے دو حصے آپ کے سسر کے اور ایک آپ کی ساس کو دیا جائے گا۔قرآن شریف میں ہے:

ولکم نصف ماترك ازواجکم ان لم یکن لهن ولد .

اور تمہاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ترجمہ کنز الایمان [پارہ۴ سورہ نساء آیت ۱۲]

فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث .

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی۔[مرجع سابق آیت ۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"مہر میراث ہے ....جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرمادیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے الارث جبری لایسقط بالاسقاط" [فتاوی رضویہ جدید ۲۶/۳۴۴]

علاوہ ازیں جہیز بھی عورت کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ ہے اسے بھی حسب فرائض شرعیہ تقسیم کرنا لازم ہے۔اور اس کی تقسیم بھی مذکورہ بالا طریقہ سے ہوگی۔

ردالمحتار میں حاشیہ اشباہ کے حوالہ سے ہے:

المختار للفتوی ان یحکم یکون الجھاز ملکا٥٥٥٥واما اذا جرت فی البعض یکون الجھاز ترکۃ یتعلق بھا حق الورثۃ وھو الصحیح ۔

فتوٰی یہی ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اس کی وفات کے بعد اس جہیز کے وارثین حقدار ہوں گے یہی صحیح ہے۔[ردالمحتار، کتاب النکاح،۴/۳۰۹]

اسی میں ہے:

کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ اذا طلقھا تأخذہ کلہ و اذا ماتت یورث عنھا

سب کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اگر شوہر اسے طلاق دیدے تو وہ کل لے لیگی اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے وارثین لیں گے۔[مرجع سابق،۴/۳۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جہیز ملک و ترکہ ہندہ ہے بر تقدیم عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم دین و وصیت چھ سہام ہو کر تین سہم (حصہ) شوہر دو سہم پدر، ایک مادر کو ملے گا اسی حساب سے مہر ہندہ اگر باقی ہو تقسیم ہوگا۔''[فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۴۳۷]و اللہ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۹/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

غیر کفو میں نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک ۱۸ سالہ لڑکی نے اپنے سے کم درجہ کی برادری والے لڑکے کے ساتھ بھاگ کر والدین کی رضامندی کے بغیر کورٹ میرج کر لیا تو کیا یہ نکاح ازروئے شرع صحیح ہوگا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی:۔شاہد خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کے اولیاء کے لئے اس برادری میں نکاح کرنا برا جانا جاتا ہو اور ان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہو تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا کیوں کہ ازروئے شرع غیر کفو میں بغیر اولیاء کی مرضی کے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان ۔

غیر کفو میں نکاح کے بالکل جائز نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا، اور فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے۔[باب الولی،۴/۱۵۶،۱۵۷]

حاشیہ ردالمختار میں ہے:

لو تزوجت غیر کفوء فالمختار للفتوی روایۃ الحسن أنہ لا یصح العقد ۔

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو فتوی کے لئے روایت حسن مختار ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

[باب الکفاءۃ،۴/۲۲۱]

اسی میں ہے:علی روایۃ الحسن المفتی بھا فلا ینعقد النکاح"

اور مفتی بہا روایت حسن کے مطابق نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

[مطلب الموضع التی یکون فیہاالسکوت کالقول،۶/۱۸/۷]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

المرأۃ إذا زوجت نفسھا من غیر کفوء ooooo وروی الحسن عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی أن النکاح لا ینعقد وبہ أخذ کثیر من مشایخنا رحمھم اللہ تعالی ، کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن وقال الشیخ الإمام شمس الأئمۃ السرخسی روایۃ الحسن أقرب إلی الاحتیاط ، کذا فی فتاوی قاضی خان فی فصل شرائط النکاح ۔

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو امام حسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ (اللہ رحم فرمائے ان پر) نے اختیار کیا ہے ایسا ہی محیط میں ہے اور ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے حسن کی روایت مختار ہے اور شیخ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ امام حسن کی روایت احوط ہے ایسا ہی فتاوی قاضی خاں میں شرائط نکاح کی فصل میں ہے۔

[۱/۲۹۳ باب الاکفاء]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"عاقلہ بالغہ کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیا اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کرلے اگر کرلے گی نکاح نہ ہوگا۔" آگے فرماتے ہیں "بالغہ نے اپنی رائے سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرلیا اور ایسا شخص ضرور غیر کفو ہے اور اس کے ساتھ بالغہ کا اپنی رائے سے نکاح کرلینا باطل محض ہے" دوسری جگہ فرماتے ہیں "او

ربالغہ ولی رکھتی ہے بے اجازت صریحہ ولی بعد علم بعدم کفاءت جو نکاح غیر کفو سے کرے باطل ہے" مزید فرماتے ہیں "یہ نکاح جس سے ہوا اگر وہ عورت کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ و عار ہے جب تو یہ نکاح کہ زن بالغہ نے بے رضائے ولی خود کیا سرے سے ہوا ہی نہیں باطل محض ہے۔"

نیز فتاویٰ خیریہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

سئل في بكر بالغة زوجها اخوها من غير كفوء باذنها اجاب تزويجه لها باذنها كتزوجها بنفسها وهي مسئلة من نكحت غير كفو بلارضا اولياء ها افتى كثير بعدم انعقاده اصلا وهي رواية الحسن عن ابي حنيفة ففي المعراج معزيا الى قاضي خان وغيره والمختار للفتوى في زماننا رواية الحسن .

باکرہ بالغہ کا اس کے بھائی نے غیر کفو میں نکاح کر دیا جبکہ لڑکی نے اجازت دی ہو، سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا ہو، یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفو میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر نکاح کرنے کا ہے، بہت فقہاء نے اس نکاح کے اصلا منعقد نہ ہونے پر فتوی دیا ہے، اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، تو معراج میں اس کو قاضی خاں وغیرہ کی طرف سے منسوب کر کے کہا کہ ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے یہی مختار ہے جو امام حسن نے روایت کی ہے۔" [فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۱۱ ص ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۴، ۲۹۲، ۲۹۹]

عبارات مذکورہ سے اس نکاح کا باطل ہونا صاف ثابت ہے البتہ اگر لڑکی کے باپ دادا وغیرہما اولیاء اجازت دیدیں تو ان کی صریح اجازت کے بعد از روئے شرع ان دونوں کو از سر نو نکاح کرنے کی اجازت ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: "البتہ اگر امور مذکورہ بالا سے کسی امر میں ایسا بھی ہے جس کے باعث وہ شرعاً کفو نہ ٹھہرے، اور باپ نے اس پر مطلع ہو کر اپنی رضامندی ظاہر نہ کر دی تھی تو بیشک، یہ نکاح سرے سے باطل ہوا کہ اب باپ کی رضامندی سے بھی صحیح نہیں ہو سکتا، اس تقدیر پر فرض ہے کہ مرد عورت فوراً جدا ہو جائیں اور اس نکاح کو ترک کر دیں، پھر اگر چاہیں تو بعد اجازت صریحہ پدر از سر نو نکاح کر لیں، واللہ تعالیٰ اعلم" [مرجع سابق، ص ۵۵۷]

ھذا ماعندی والعلم اتم عند اللہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲ / شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب الطلاق

مطلقہ کی عدت اور شوہر کے گھر میں رہنے کا حکم

زید نے زینب کو طلاق دی اور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے جب کہ کمرے الگ تھے۔ زینب گھر کا کام بھی کرتی تھی جیسے کپڑے دھونا کھانا پکانا اور اپنے بچوں اور گھر والوں کی دیکھ بھال کرنا اسی دوران زینب کو ایک حیض خود بخود آیا اور باقی دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے کیا ایسی صورت میں زینب کی عدت پوری ہوگئی؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ زینب نے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزاری ہے اور دوائی کرانے پر دو حیض آئے ہیں اس لئے عدت پوری نہیں ہوئی۔ شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

محمد عثمان امام ادے پوری چوپڑا تحصیل رام نگر ضلع نینی تال

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں زینب کی عدت پوری ہوگئی معتدہ (عدت والی عورت) مطلقہ کو شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنا واجب وضروری ہے، اور غیر محرم حضرات سے پردہ میں رہتے ہوئے گھر کے کام کاج بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی بھی اجازت ہے۔ شوہر اور بیوی الگ الگ کمرے میں رہتے ہیں تو ٹھیک ہے اور یہی حکم شرعی ہے اگر ایک ہی کمرہ ہو تب بھی پردہ درمیان میں ڈال کر عورت کے لئے اسی کمرے میں عدت کرنے کا حکم ہے،

فتاوی عالمگیری میں ہے:

”علی المعتدۃ أن تعتد فی المنزل الذی یضاف إلیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت کذا فی الکافی لو کانت زائرۃ أھلھا أو کانت فی غیر بیتھا لأمر حین وقوع الطلاق انتقلت إلی بیت سکناھا بلا تأخیر .

(فرقت (طلاق وغیرہ) اور شوہر کی موت) واقع ہوجانے پر معتدہ پر واجب ہے کہ جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں عدت گزارے ایسا ہی کافی میں ہے اگر وہ گھر والوں کو دیکھنے گئی ہو یا کسی کام سے دوسرے کے گھر میں گئی ہو اور اس وقت طلاق واقع ہوجائے تو فوراً اپنے گھر میں واپس آجائے)

مزید اسی فتاوی میں ہے

”إذا طلقھا ثلاثا أو واحدۃ بائنۃ ولیس لہ إلا بیت واحد فینبغی لہ أن یجعل بینہ وبینھا حجابا حتی لا تقع الخلوۃ بینہ وبین الأجنبیۃ“

(جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیں یا ایک طلاق بائن دی اور اس کے پاس صرف ایک گھر (کمرہ) ہے تو تو ضروری ہے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان ایک پردہ ڈال دے تا کہ دونوں کے درمیان خلوت واقع نہ ہو) [فتاوی هندیه ، ۱/ ۵۳۵،باب الحداد]

اور رہا معاملہ حیض کا کہ ایک خود بخود آیا اور دو دوائی سے تب بھی عدت پوری ہوگئی اس لئے کہ شریعت میں تین حیض کامل گزرانے کا حکم ہے خواہ وہ دوائی سے ہی کیوں نہ ہوں البتہ یہ دھیان رہے کہ حیض ہی ہو اور کسی طرح کا کوئی خون نہ ہو،

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے

''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ''

(اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک)

[ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

فتاوی عالمگیری میں ہے

''اذاطلق الرجل امرأته ooo وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء''

(جب مرد اپنی عورت کو طلاق دے تو اگر وہ آزاد حیض والی عورت ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے)

[فتاوی هندیه، ۱/ ۵۲۶،باب في العدة]

لہٰذا جب زینب کے تین حیض مکمل ہو گئے تو اس کی عدت پوری ہوگئی۔ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ شوہر کے گھر میں عدت نہیں ہوئی اور دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے اس لئے عدت نہیں ہوئی وہ غلطی پر ہیں اس طرح کی فتوی بازی کرنے سے وہ شریعت کے مجرم ہیں توبہ کریں اور آئندہ دینی مسائل میں کسی طرح کی کوئی دخل اندازی نہ کریں۔

هٰذاماعندی و العلم عندالله تعالیٰ۔

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی ککرالوی

مؤرخه/ ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

دوائی کے ذریعہ حیض آنے سے عدت کی تکمیل کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زینب جسے اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے طلاق کے بعد زینب کو پہلا حیض خود بخود آیا اور دوسرا تیسرا حیض دوائی کے ذریعہ تو کیا اس کی عدت از روئے شرع پوری ہوگئی؟ شریعت کا حکم بیان فرما کر عنداللہ

ماجور ہوں۔

حیدر بخش صدیقی، ادے پوری چوپڑا رام نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے:

"وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ"

(اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک) [ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

صدر الافاضل اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"جو آزاد عورتیں ہیں یہاں ان کی عدت وطلاق کا بیان ہے کہ ان کی عدت تین حیض ہے" [خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"اذاطلق الرجل امرأته ooooo وھی حرة ممن تحیض فعدتھاثلاثة اقراء"

(جب مرد اپنی عورت کو طلاق دے تو اگر وہ آزاد حیض والی عورت ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں) [فتاوی ہندیہ، ۱/۵۲۶، باب فی العدۃ]

صورت مسئولہ میں جب کہ زینب کے تین حیض مکمل ہو گئے ہیں از روئے شرع عدت تمام ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۲/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

"تو مجھ پر حرام ہے" کہنے سے کون سی طلاق واقع ہو گی؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں جاوید خاں نے اپنی بیوی تبسم جہاں کو فون پر تین بار کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، تو مجھ پر حرام ہے، تو مجھ پر حرام ہے۔ ایسی صورت میں کیا جاوید خاں کی بیوی تبسم جہاں پر طلاق واقع ہو گئی؟ اگر ہو گئی تو کون سی طلاق اور اس کا کیا حکم ہے شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی حاجی محمد شریف خاں رحمت شاہ بابا کی زیارت، محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

الفاظ مذکورہ سے تبسم جہاں پر طلاق بائن پڑ گئی اور تبسم جہاں جاوید خاں کے نکاح سے نکل گئیں۔اب تبسم جہاں مختار ہیں جہاں چاہیں نکاح کریں اگروہ جاوید خاں ہی کے ساتھ رہنا چاہیں تو ازسرنو نکاح کریں عدت میں یا عدت کے بعد۔اور اگر دوسرے سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت پوری کرنا ضروری ہے اور مطلقہ کی عدت تین حیض (ماہواری) ہے۔عدت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کریں شرعاً اجازت ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ''اور اس کہنے سے کہ تو مجھ پر حرام ہے طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی بعد عدت اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر اس شوہر سے نکاح چاہے تو عدت میں بھی ہوسکتا ہے اور بعد بھی'' [فتاوی رضویہ قدیم،۵/۶۷۲]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ''ہر چند یہ لفظ بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے کہ بے حاجت نیت طلاق بائن واقع ہو''۔[ایضاص ۷۳۰]

یہ خیال رہے کہ مذکورہ الفاظ کنایہ میں سے ہیں مگر عرف میں طلاق کے لئے استعمال ہونے کے سبب فقہاء متاخرین نے صریح میں شمار کیا ہے لہٰذا اس میں کسی نیت کی ضرورت نہیں ہے بغیر نیت بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

منحۃ الخالق لابن عابدین حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

''أنت علی حرام ،أو حلال اللّٰہ علی حرام حیث قال المتأخرون وقع بائنا بلا نیۃ لغلبۃ الاستعمال بالعرف''

تو مجھ پر حرام ہے یا اللہ کا حلال مجھ پر حرام ہے متاخرین نے فرمایا عرف میں اس لفظ کے غلبہ استعمال کی وجہ سے بغیر نیت طلاق بائن پڑ جائے گی[باب الطلاق،۳/۴۴۰]

حاشیہ ردالمختار میں ہے:

''کما أفتی المتأخرون فی أنت علی حرام بأنہ طلاق بائن للعرف بلا نیۃ''

(جیسا کہ متاخرین نے تو مجھ پر حرام ہے کے سلسلے میں فتوی دیا ہے کہ یہ عرف کی وجہ سے بغیر نیت طلاق بائن ہے)[۴/۵۰۴،کتاب الطلاق،باب الصریح]

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ جملہ عرف میں طلاق کے لئے کثرت استعمال کے سبب صریح میں داخل ہوکر طلاق بائن کا حکم رکھتا ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بولنے والے نے پہلی مرتبہ بولنے ہی سے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اگر تین مرتبہ کہنے میں پہلی بار ہی تین طلاق کی نیت کر لی تو اب طلاق مغلظہ بائنہ واقع ہوگی کہ اب بیوی بغیر حلالہ شرعیہ

پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر تین طلاق کی نیت نہ تھی یا عدد کی نیت نہ تھی تو چاہے جتنی بار بھی بولے ایک طلاق بائن ہی واقع ہوگی۔

بحرائق میں بزازیہ کے حوالے سے ہے

”وفي البزازية أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة“

(اور بزازیہ میں ہے تو مجھ پر حرام ہے ہزار بار کہنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی)

اس کے تحت بحرالرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق لابن عابدین میں ہے:

”قلت ولعل الفرق أن قوله ألف مرة بمنزلة تكرار هذا اللفظ مرارا وإذا بانت بالمرة الأولى لا تبين بالثانية ، والثالثة وهكذا لأن البائن لا يلحق البائن بخلاف ما لو نوى بأنت علي حرام الثلاث فإنه أوقعها جملة بمرة واحدة“

(میں کہوں گا شاید ان کے قول ایک ہزار بار میں فرق یہ ہے کہ ان کا یہ قول اس لفظ کی بار بار تکرار کی منزل میں ہے اور جب پہلی مرتبہ تو مجھ پر حرام ہے کہنے سے طلاق بائن پڑ گئی تو دوسری، تیسری وغیرہ سے بائن نہیں ہوگی ،اس لئے کہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی برخلاف اس کے کہ جب ایک بار کہنے سے تین بار کی نیت کرے تو تین طلاق ہی واقع ہوں گی)

[منحة الخالق حاشيه بحر الرائق،باب الطلاق،۵۰۲/۳]

نیز اسی حاشیہ میں ہے:

”لو قال أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة “

(اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے ہزار بار تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی)[باب الكنايات في الطلاق،۵۲۵/۳]

محیط برہانی میں ہے:

”أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة، لأن معنى كلامه مرة بعد مرة.“

(تو مجھ پر حرام ہے ہزار بار سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی اس لئے کہ اس کے کلام کا معنی بار بار طلاق دینا ہے)

[۴۵۴/۳]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

”الف مرة بمنزلة تكريره مرارا متعددة والواقع به في أول مرة طلاق بائن ففي المرة الثانية لا يقع شيء لأن البائن لا يلحق البائن“

(تو مجھ پر حرام ہے ایک ہزار بار یہ جملہ متعدد بار تکرار کی منزل میں ہے اور جب پہلی مرتبہ تو مجھ پر حرام ہے کہنے

سے طلاق بائن واقع ہوگئی تو دوسری مرتبہ یہ کہنے سے کچھ واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائن بائن کولاحق نہیں ہوتی ہے) [۴/۴۶۴، کتاب الطلاق، باب الصریح]

بالجملہ: تبسم جہاں الفاظ مذکورہ کے سبب جاوید خاں کے نکاح سے نکل چکی ہیں اب ان کواختیار ہے اگر جاوید خاں کے ساتھ رہنا چاہیں تو نکاح جدید کرکے رہ سکتی ہیں اور اگر کسی اور سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کی ازروئے شرع مکمل اجازت ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۸/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

شوہر دو طلاق اور بیوی تین کی دعویدار

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی کولڑائی کے دوران طلاق دی زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف دو بار طلاقیں دی ہیں زید کی بیوی کا کہنا ہے کہ زید نے تین بار طلاق دی ہے وہاں موجود چند عورتیں بھی اس بات پر گواہ ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہیں۔

المستفتی چھناحسن محلہ وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب التواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

ایسی صورت میں کہ شوہر ایک یا دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی مدعی ہو شریعت کا حکم یہ ہے کہ بیوی شرعی گواہ پیش کرے اور گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں شوہر سے قسم لی جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ۔

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔

[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

دوسری حدیث میں ہے:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ۔

(دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے)

[السنن البیهقی الکبریٰ کتاب الدعوی و البینات ، ۴۲۷/۱۰]

اور طلاق میں گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیز گار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں۔ لیکن سوال سے ظاہر ہے کہ مدعی زید کی بیوی کے پاس دو شرعی گواہ نہیں ہیں صرف چند عورتیں گواہ ہیں شریعت میں طلاق کے معاملہ میں صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے کمافی کتب الفقه و الفتاوی .

لہٰذا اب زید کو قسم دی جائے گی اگر زید قسم کھائے کہ اس نے صرف دو طلاقیں دی ہیں تو زید کی بیوی اور ان چند عورتوں کے بیان کا شرعاً کچھ اعتبار نہ ہوگا اور زید کی بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی جس میں زید کو اپنی بیوی سے عدت کے اندر بغیر نکاح کے رجعت کی شرعا اجازت ہوگی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

”اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا“ [۴۴۴/۱۲]

رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔ اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ هکذافی الدرالمختار و الفتاوی الرضویه الجدیده ، ۴۴۴/۱۲]

علاوہ ازیں اگر زید کی بیوی واقعی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہر ممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے مہر کے بدلے یا کچھ رقم وغیرہ کے عوض۔ اور اپنی مرضی سے اس کو خود پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کے ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔ کما فی الفتاوی الرضویه الجدیده، ۳۹۶/۱۲]

هذاماعندی و العلم اتم عندالله تعالیٰ

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۷/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

شوہر کا تین طلاق سے انکار

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی ہیں میری بیوی کا کہنا ہے کہ تم نے تین طلاقیں دی ہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو بیان فرمائیں۔

محمد سلیم ماہی گیر محلہ مدر کالونی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

ایسی صورت میں جب کہ شوہر دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی دعویدار ہو بیوی پر شرعی گواہ یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیز گار نمازی غیر فاسق پیش کرنا ضروری ہیں اور اگر بیوی کے پاس شرعی گواہ نہ ہوں تو پھر شوہر قسم کھائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه .

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔ [ترمذی ابواب الاحکام ۱/۲۴۹]

اگر شوہر قسم کھائے کہ اس نے صرف دو ہی طلاقیں دی ہیں تو اس کی بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی اور وہ اپنی بیوی سے عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے یعنی عدت کے دوران اپنی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔ اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھا لے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھائی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید ،۱۲/۴۴۴]

الحاصل: تمہاری بیوی کے پاس اگر شرعی گواہ ہیں تو اس کی بات معتبر ہوگی ورنہ تمہیں قسم کھانا پڑے گی اور اس کے بعد تم عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجعت کر سکتے ہو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم .

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۸/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

طلاق مغلظہ اور بیوی کا الفاظ طلاق نہ سننے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ میں ذیل میں تاریخ ۲۹ اپریل ۲۰۱۳ء کو شاداب علی نے اپنی بیوی رخسار کو ایک مجلس میں تین مرتبہ کہا میں نے تجھے طلاق دی طلاق دی طلاق دی کیا ایسی صورت میں رخسار شاداب علی کے نکاح سے نکل گئی اس کے دو گواہ محمد شکیل خان وارسعید علی صدیقی ہیں۔اور کیا رخسار کا ان الفاظ کو سننا ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

سائل حاجی محمد فاروق سیفی ٹھاکردوارہ۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

ازروئے شرع شاداب کی بیوی رخسار پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

[ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسر اعظم حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہوسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے دوبارہ نکاح کرلیں۔[تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

فقیہ ابواللیث سمرقندی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

اذاطلق الرجل امرته المدخول بهاثلاثاًيقع الطلاق

جب کسی شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دیدیں تو طلاق واقع ہوگئی۔[فتاوی نوازل، کتاب الطلاق، ۱۹۷]

اور رخسار کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔اگر شاداب نے اتنی آواز سے طلاق دی ہے کہ خود سنی ہو تو طلاق ہوجائے گی رخسار یا کسی اور کا سننا ضروری نہیں ہے۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

گوأدنى المخافتة إسماع نفسه فقط و كذا كل ما يتعلق بالنطق كالطلاق ooooo أى

أدنى المخافتة في هذه الأشياء إسماع نفسه حتى لو طلق بحيث صحح الحروف ولكن لم يسمع نفسه لا يقع ولو طلق جهرا ووصل به إن شاء الله بحيث لم يسمع نفسه يقع الطلاق .

ہلکی آواز کم سے کم اتنی کہ خود سن سکے بس۔اور اسی طرح ہر وہ معاملہ جس میں بولی کو دخل ہے جیسے طلاق....اس میں کم ازکم اتنی آواز ہو کہ خودسن سکے یہاں تک کہ اگر کسی نے طلاق دی کہ حروف بھی صحیح تھے لیکن اس نے خودسنا نہیں تو طلاق نہیں واقع نہیں ہوگی اور اگر اتنی زور سے دی اور اس میں ان شاء اللہ بھی ملالیا اور الفاظ طلاق کو سن لیا لیکن ان شاء اللہ کو خود نہ سنا تو طلاق واقع ہوگئی۔[، کتاب الصلوة، ۱۵۷/۱]

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔[فتاوی رضویہ۱۲/۳۶۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی ، بینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہو جائے گی

.ادنی الحد خروج صوت يصل الى اذنه ولو حكماً كمالو كان هناك مانع من صمم او جلبة اصوات او نحو ذالك .

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور وغل کی وجہ سے نہ پہنچی ۔)

[فتاوی رضویه ۱۲/ ۳۷۴]واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۱۴/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زید نے شراب کے نشہ میں اپنی بیوی زینب سے یہ کہا کہ برقعہ اٹھاؤ اور اپنی بہن

کے گھر جا میں تجھے طلاق دوں گا زید انکار کرتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا لیکن زینب اور وہاں موجود کچھ عورتوں اور بچوں کا کہنا کہ زید نے ایسا کہا ہے تو کیا ایسی صورت میں زینب مطلقہ مانی جائے گی ؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اچھن خاں، گرام بڑھیوں والا جسپور اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیه حبیبه الکریم

صورتِ مسئولہ میں زینب پر طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے نہیں کہ زید نشہ میں تھا نشہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بلکہ اس لئے کہ زید نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں زید نے تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ کیا ہے اور وعدے سے از روئے شرع طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جیسا کہ فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

سئل نجم الدین عن رجل قال لامرأته اذهبی الیٰ بیت امك فقالت طلاق ده تا بروم فقال توبرومن طلاق دادم فرستم قال لاتطلق لانه وعد

حضرت نجم الدین سے سوال کیا گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا اپنی ماں کے گھر چلی جا بیوی نے کہا طلاق دے تا کہ میں جاؤں تو شوہر نے کہا تو جا میں طلاق بھجوا دوں گا تو حضرت نجم الدین نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ وعدہ ہے۔

[۱/ ۳۸۴ باب ایقاع الطلاق فصل الطلاق بالفاظ الفارسیة]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وعدے سے طلاق نہیں ہوتی جواہر الاخلاطی میں

''طلاق میکنم طلاق بخلاف قوله کنم لانه یتمحض الاستقبال'' طلاق میکنم (یعنی طلاق کرتا ہوں) حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم (طلاق کردوں گا) کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۱۱۸]

الحاصل: زید کے کہے ہوئے الفاظ سے زینب پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ھٰذا ما عندی و العلم عنداللہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۶/ شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

﴿طلاق، مہر، بچی کے پیدائش کا خرچ، بچی پر کس کا حق، وغیرھا چند اہم مسائل﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) اگر زینب خود طلاق لینا چاہتی ہو تو کیا وہ مہر اور زیور لینے کی حقدار ہے؟

(۲) زینب اور زید کے مابین اختلاف ہوا زینب میکہ میں آ گئی ماں باپ نے طلاق حاصل ہونے تک زینب کا جو خرچ تو کیا زید سے اس دوران کئے ہوئے خرچ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

(۳) زینب کی بچی کی پیدائش اسپتال میں ہوئی زینب کے ماں باپ نے مکمل خرچ کیا اور پرورش بھی وہی کر رہے ہیں اور اب وہ چاہتے ہیں کہ وہ رقم جو بچی کی پیدائش و پرورش میں خرچ ہوئی وہ بچی کے باپ سے لی جائے تو آیا شریعت میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

(۴) بچی تین سال کی ہے اور زید اس بچی کو زینب کے پاس سے لیجانا چاہتا ہے تو کیا اسے بچی کو لیجانے کا حق حاصل ہے؟

(۵) بالغ ہونے پر بچی اپنے ماں کے پاس رہنا چاہتی ہے یا باپ کے پاس یہ فیصلہ بچی کی مرضی پر منحصر ہوگا یا نہیں؟

(۶) کیا بچی کی پیدائش سے لیکر جوان ہونے تک پرورش پڑھائی لکھائی کا خرچ زید پر لازم ہے؟

شریعت کی روشنی میں مذکورہ بالا سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

محمد عقیل انصاری رام نگر

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) زیور اگر زینب کی ملکیت ہے تو اس کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں اور مہر اگر مطلق ہے یعنی جس کا کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا ہے تو وہ شوہر یا بیوی کی موت یا طلاق سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے جب تک شوہر یا بیوی کا انتقال نہ ہو یا بیوی کو طلاق نہ ہو مہر کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

> ''اور اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد اصلاً نہ بیان کی تو وہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا اس سے پہلے مطالبہ کا عورت کو استحقاق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے ''حق طلبہ انما ثبت لھا بعد الموت او الطلاق (مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق شوہر کی موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے)'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/۱۴۲]

(۲) زینب اگر سسرال سے ناحق نکل کر آئی اور بعد میں زید کے بلانے پر بھی وہ زید کے ساتھ نہ گئی تو زینب ناشزہ

ونافرمان مانی جائے گی زید پر اس کا نفقہ واجب وضروری نہیں اور اگر زید نے گھر جانے کا مطالبہ ہی نہیں کیا تو پھر زید پر زینب کا نفقہ حسب استطاعت واجب وضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور جب تک کوئی امر مانع نفقہ مثلاً عورت کا شوہر کے گھر سے ناحق نکل جانا یا اس کے یہاں آنے سے ناحق انکار کرنا نہ پایا جائے بلاشبہہ وہ مستحق نفقہ وسکنیٰ رہے گی....

درمختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها ولو هی فی بيت ابيها اذالم يطالبها الزوج بالنقلة به يفتی وكذا اذا طالبها ولم تمتنع او امتنعت للمهر لاخارجة من بيته بغير حق وهی الناشزة حتی تعود.

(اگر بیوی اپنے میکہ میں ہو اور خاوند اس کو اپنے گھر لے جانے کا مطالبہ نہ کرے تب شوہر پر اس کا نفقہ ضروری ہے یوں ہی جب وہ خاوند کے بلانے پر گھر جانے سے انکار نہ کرے یا مہر غیر مطلق کے مطالبہ کے سبب انکار کرے تب بھی شوہر پر نفقہ واجب وضروری ہے لیکن اگر شوہر کے گھر سے باہر بلاوجہ رہتی ہو تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں اس لئے کہ وہ اس صورت میں شوہر کے گھر واپس نہ آنے تک نافرمان مانی جائے گی۔)'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/۴۲۴، ۴۲۵]

(۳) بچی کی پیدائش وپرورش وغیرہ کے اخراجات بچی کے باپ زید پر لازم ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ بچی صاحب مال نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر بچہ نے اپنی ماں کے ترکہ یا کسی اور وجہ سے اتنا مال پایا ہے جس کے سبب اسے شرعاً غنی کہا جائے اور زکوٰۃ دینا روا ہو تو یہ سب مصارف خاص اسی کے مال سے ہوں گے باپ پر واجب نہیں کہ اپنے پاس سے صرف کرے ہاں ان مصارف کی کارپردازی بحکم ولایت باپ کے ذمہ ہوگی اور اگر بچہ کے پاس اتنا مال نہیں تو بیشک یہ صرف باپ کے ذمہ میں ہیں oooo وفی الدر المختار و **تجب النفقة لطفله الفقير فان نفقة الغنی فی ماله الحاضر**'' (درمختار میں ہے کہ بچے کا نفقہ اگر وہ فقیر ہو تو باپ پر ہے کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہو تو غنی ہونے کی وجہ سے نفقہ اس کے اپنے موجودہ مال سے کیا جائے گا) [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/۳۹۵]

(۴) نو سال کی عمر تک وہ بچی (لڑکی) ماں زینب کی پرورش میں رہے گی جب کہ بعد طلاق وعدت اس بچی کے غیر محرم سے نکاح نہ کرے بچی کے غیر محرم سے نکاح کے بعد بچی کی پرورش کا حق ماں سے ساقط ہو جاتا ہے تو اگر غیر محرم سے نکاح نہیں

کیا تو ہوتو نو سال تک بچی زینب کے پاس رہے گی اس کے بعد زید کے سپرد کی جائے گی اس سے پہلے زید کا اس بچی کو لے جانے کا مطالبہ کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

ایسا ہی فتاوی رضویہ [۱۳ / ۳۸۴] ور دیگر کتب فقہ میں۔

(۵) وہ بچی مدت حضانت (پرورش) یعنی نو سال کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا کے پاس رہے گی مگر جب عمر پختہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جہاں چاہے رہے۔

صدر الشریعہ فتاوی شامی و فتاوی عالمگیری کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں:

''لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا بھائی وغیرھم کے یہاں رہے گی مگر جب کہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے وہاں رہے'' [بہار شریعت، حصہ ہشتم]

(۶) جب تک بچی بالغہ نہ ہو اور اس کے پاس اپنا مال نہ ہو تب تک اس بچی کی پرورش اور دینی تعلیم و تربیت کے اخراجات کی ذمہ داری زید پر ہے اس کے علاوہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/۴۶۱]

بہارِ شریعت میں ہے:

''نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جبکہ اولاد فقیر ہو یعنی خود اس کی ملک میں مال نہ ہو اور آزاد ہو... طالب علم کہ علم دین پڑھتا ہو اور نیک چلن ہو اس کا نفقہ بھی اس کے والد کے ذمہ ہے''

[بہار شریعت حصہ ہشتم]

هٰذا ما عندی و العلم عند الله تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

﴿والدین کا بیٹے کو طلاق سے روکنا﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید اپنی پہلی بیوی زینب کو طلاق دیکر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے لیکن والدین طلاق دینے سے منع کر رہے ہیں۔ البتہ زید کو دوسری شادی کی اجازت دے رہے ہیں۔ زید کے لئے از روئے شرع کیا حکم

ہے؟ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد رئیس احمد جودھپور راجستھان

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحيم نحمده ونصلّى علىٰ حبيبه الكريم

اگر زینب کو طلاق دینے سے والدین کو تکلیف ہو اور وہ ان کی ناراضگی کا سبب بنے تو زید کا زینب کو طلاق دینا جائز نہیں ہے۔

زید پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کے حکم پر عمل کرے کیونکہ والدین کی فرماں برداری واطاعت گزاری جائز باتوں میں شرعاً لازم وضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۱/ ۱۵۷]

اوران کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ألا أنبئكم باكبر الكبائر قلنا بلى يارسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال الاشراك باللّٰه و عقوق الوالدين .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں تو ہم نے کہا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اللہ کا شریک ٹھہرانا والدین کی نافرمانی کرنا۔

[بخاری شریف کتاب الادب، ۲/ ۸۸۴]

علامہ عینی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شیخ تقی الدین سبکی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

قال الشيخ تقي الدين السبكي ان ضابط العقوق ايذاؤهما بأى نوع من أنواع الأذى قل او كثر .

(شیخ تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ نافرمانی والدین کو تکلیف پہنچانا ہے کسی بھی طرح ہو کم ہو یا زیادہ)

[باب عقوق الوالدين من الكبائر، ۱۵/ ۱۴۷]

لہٰذا زید پر لازم ہے اپنے والدین کے حکم کی تعمیل کرے اور زینب کو طلاق نہ دے جہاں تک ممکن ہو نباہ کی کوشش کرے۔ واللّٰه تعالىٰ اعلم بالصواب .

كتبه

محمد ذوالفقار خان نعيمى

۲۳/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فون پر طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو فون پر تین بار طلاق دی مگر میری بیوی کہتی ہے کہ فون کٹ گیا تھا میں نے سنا ہی نہیں ایسی حالت میں میری بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

رئیس الدین خاں جسپور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑگئی۔ دوبارہ رکھنا ہو تو بلا حلالہ چارہ کار نہیں۔ اور بیوی کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔ [فتاوی رضویہ ۱۲/۳۶۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی، بینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہو جائے گی۔ ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنه ولو حکماً کما لو کان هناك مانع من صمم او جلبة اصوات اونحو ذالك الخ۔

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور وغل کی وجہ سے نہ پہنچی) [فتاوی رضویہ ۱۲/۳۷۴]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿میرے خدا نے بھی تجھے طلاق دی کہنے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا لیکن جھگڑے کے دوران زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی بلکہ بعد میں طلاق دی اور اس طلاق کا محلّہ کے کئی لوگوں سے ذکر بھی کیا اور جب دو دن کے بعد بیوی گھر آئی تو زید نے اسے باہر نکال دیا اور کہا میں نے تجھے ہوش وحواس میں طلاق دی میرے خدا نے بھی تجھے طلاق دی اس جملہ کو کئی بار زید نے دہرایا اس وقت جب زید نے طلاق دی اور خدا کے تعلق سے یہ خراب جملہ بولا بیوی کے علاوہ اور بھی کئی مرد اور عورتیں وہاں موجود تھیں۔ لیکن زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف ایک بار شروع میں کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں۔ اور لڑکی اور بہت سارے ذمہ دار لوگ جو وہاں موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے کئی بار طلاق دی ہے۔ اب ایسے حالات میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی اور اگر طلاق ہوگئی تو کون سی طلاق ہوئی کیا دونوں کے ملنے کی کوئی صورت ہے۔ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتیان مختار احمد ومحمد خان محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

شوہر ایک طلاق کا اقرار کرے اور بیوی کئی بار طلاق دینے کا بیان دے تو ایسی صورت میں شرعاً شہادت وحلف کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه .

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔

[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

دوسری حدیث میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر .

دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے۔ [السنن البیھقی الکبریٰ کتاب الدعوی والبینات، ۱۰/۴۲۷]

چونکہ شہادت کا نصاب نکاح وطلاق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں لہٰذا دو گواہ خواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں پرہیزگار نمازی عادل غیر فاسق یعنی جو علی الاعلان گناہ نہ کرتے ہوں مثلاً مرد داڑھی نہ منڈاتے ہوں عورتیں بے پردہ نہ گھومتی ہوں اس کے علاوہ کوئی کام خلاف شرع نہ کرتے ہوں تو وہ اگر گواہی دیں کہ زید نے اپنی بیوی کو متعدد مرتبہ طلاق دی ہے تو ان کی گواہی قابل قبول ہوگی اور شرعاً نافذ مانی جائے گی، اور زید کا ایک سے زائد طلاق کا انکار قابل سماع وقبول نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

واشهدوا ذوی عدل منکم .

اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ [پارہ ۲۸، سورہ طلاق، آیت ۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔'' [فتاویٰ رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

اور اگر ایسے گواہ موجود نہ ہوں تو پھر زید سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو اس کی بات معتبر مانی جائے گی زید کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [۱۲/۴۴۴]

حاصل کلام: زید صرف ایک بار طلاق کا اقرار کرتا ہے اور بیوی اور اس کے علاوہ لوگ تین سے زائد مرتبہ طلاق کا بیان دے رہے ہیں تو اگر تین سے زائد طلاق کا بیان دینے والوں میں دو ایسے گواہ جو پرہیز گار نمازی خلاف شرع کام نہ کرنے والے موجود ہوں تو زید کے انکار کے باوجود زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ پڑ جائیں گی اور اب وہ زید کے لئے بے حلالہ و نکاح جائز نہ ہوگی۔ اور اگر بیان دینے والوں میں دو گواہ شرعی موجود نہ ہوں تو زید سے قسم شرعی لے جائے گی اگر زید قسم کھالے تو زید کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔ اور اگر زید نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو اس کا وہ گنہگار ہوگا مستحق عذاب نار ہوگا۔ اور اگر زید کی بیوی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہر ممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے رقم دے کر ہی۔ اور اپنی مرضی سے اس کو اپنے پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کی ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا ۔ **کمافی الفتاوی الرضویہ الجدیدہ**[۱۲/۳۹۶]

علاوہ ازیں زید کا یہ جملہ'' **میں نے طلاق دی اور میرے خدانے طلاق دی**'' اگر شرعی گواہوں سے ثابت ہو جائے تو زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی ایک کا تو زید خود اقرار کر رہا ہے اور دوسری ''**میں نے طلاق دی**'' اور تیسری ''**میرے خدانے طلاق دی**'' کا ثبوت گواہانِ شرعی سے حاصل ہو گیا۔

''**خدانے طلاق دی**'' یہ طلاق صریح کے حکم میں ہے جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: **لوقال لها طلقك الله oooo وقع الطلاق**

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی)[۳/۵۱]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأته طلقك الله تعالیٰ تطلق وان لم ينو كذا في الخلاصة ۔

کسی آدمی نے اپنی عورت سے کہا کہ تجھے اللہ نے طلاق دی طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ نیت نہ کی ہو ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔[الباب الثانی، ۱/ ۳۵۹]

فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں:

ولو قال لامرأته قد طلقك الله ذكر في المواقعات انه يقع نوى اولم ينو

اگر اپنی بیوی سے کسی نے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی ذکر کیا گیا ہے مواقعات میں کہ واقع ہو جائے گی نیت کرے یا نہ کرے ۔[فتاوی نوازل، کتاب الطلاق، ۲۰۹]

البتہ اس جملہ کے سبب زید کو توبہ اور تجدید ایمان چاہئے اس لئے کہ طلاق ایک جائز لیکن مبغوض امر ہے اور اس کا اطلاق اللہ کی شان کے لائق نہیں لہٰذا ایسا جملہ استعمال کرنا جو اللہ کی شایانِ شان نہ ہو بحکم فقہاء کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت مجمع الانھر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اذا وصف الله بما لا يليق به ٥٥٥ يكفر

جو چیز اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہ ہو اس سے اللہ کو متصف کرنا کفر ہے۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۵۶۷] هٰذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ

كتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۰/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

﴿شوہر کا تین طلاق سے انکار﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی سے کچھ فاصلہ پہ کھڑے ہو کر صرف ایک بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی میرے فرشتوں نے تجھے طلاق دی۔لیکن میری بیوی اور بیوی کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ میں نے یہ جملہ کئی بار دہرایا حالانکہ یہ بات غلط ہے میں نے صرف ایک بار ہی یہ جملہ کہا تھا۔تو اب کیا میری بیوی میرے نکاح سے نکل گئی۔ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شکیل خان محلہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر آپ کی بیوی یا بیوی کے گھر والے اپنے بیان پر دو گواہ شرعی نمازی پرہیز گار پیش کرتے ہیں تو شریعت میں آپ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ گواہوں کے مطابق آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اب بیوی آپ کے لئے بغیر حلالہ و نکاح جائز نہیں ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/۴۴۴]

اور اگر وہ آپ کے خلاف گواہ شرعی نہ پیش کر سکیں تو آپ کو قسم شرعی کھانا پڑے گی اگر آپ قسم کھالیں گے تو بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی۔

فتاویٰ رضویہ جدید میں ہے:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا'' [۱۲/۴۴۴]

اللہ یا فرشتوں کی طرف طلاق وغیرہ کی نسبت کا مقصد اپنی بات کو پختہ کرنا ہوتا ہے اس لئے عند العلماء وہ بھی طلاق کے حکم میں ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لو قال لها طلقك الله ○○○○ وقع الطلاق .

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی۔ [۳/۵۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأته طلقك الله تعالىٰ تطلق وان لم ينو كذا في الخلاصة .

[عالمگیری الباب الثانی، ۱/۳۵۹]

فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں:

ولو قال لامرأته قد طلقك الله ذكر في المواقعات انه يقع نوى اولم ينو .

[فتاوی نوازل کتاب الطلاق، ۲۰۹]

حاصل کلام: گواہ شرعی نہ ہونے پر آپ کی قسم کا اعتبار ہوگا اور آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوں گی جس میں آپ کو عدت کے اندر رجعت کا حق حاصل ہوگا رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہیں کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ کمافی الفتاوی الرضویہ الجدیدہ ۔ ۱۲/۴۴۴]

اور فرشتوں سے متعلق کہے ہوئے جملہ کے سبب آپ توبہ کریں اور آئندہ ایسے جملوں کے استعمال سے بچیں۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ، ۲۱/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

طلاق کے عدد میں میاں بیوی کا اختلاف

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں محمد الیاس نے اپنی بیوی فریدہ کو تین مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں طلاق دی محمد الیاس اور ان حاضرین کا کہنا ہے کہ دو بار طلاق دی ہے لیکن محمد الیاس کی بیوی فریدہ کا کہنا ہے کہ تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دی ہے۔ فریدہ کے علاوہ کوئی بھی دو طلاق سے زیادہ بتانے والا نہیں ہے ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد مقبول، محمد رئیس، پرمانند پور کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں فریدہ کے پاس شرعی گواہ نہ ہونے کے سبب محمد الیاس کی بات قسم کے ساتھ قابلِ قبول ہوگی یعنی محمد الیاس قسم کھا کر کہے کہ میں نے دو ہی طلاق دی ہیں تو فریدہ پر صرف دو ہی طلاق رجعی واقع ہوں گی۔ اور محمد الیاس کو اپنی بیوی فریدہ سے عدت کے اندر اندر بغیر نکاح کے رجعت کرنے کی اجازت ہوگی۔

شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر شوہر ایک یا دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کا دعویٰ کرے تو بیوی پر ضروری ہے کہ شرعی گواہ پیش کرے اور طلاق میں گواہی کے لیے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیزگار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں اور اگر بیوی گواہ پیش نہ کرسکے تو شوہر سے قسم لی جائے۔ حدیث شریف میں ہے:

البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه ۔

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔

[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

اور رجعت کا طریقہ کیا ہے اس سے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید۱۲/۴۴۴] واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۸/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

﴿مطلقہ بعد عدت نفقہ کی شرعاً حقدار نہیں﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) مطلقہ عورت نان ونفقہ کی حقدار ہے یا نہیں اور اگر حقدار ہے تو کب تک؟

(۲) کیا مطلقہ عورت کو شوہر سے عمر بھر نان ونفقہ کا مطالبہ جائز ہے اور کیا شوہر پر اس مطالبہ کا پورا کرنا ضروری ہے؟

شریعت کی روشنی جوابات مرحمت فرمائیں۔

رحمت علی خان ایڈوکیٹ محلہ کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

دونوں سوالات کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) ہاں مطلقہ عورت عدت تک نفقہ کی حقدار ہے اور شوہر پر اپنی مطلقہ بیوی کا عدت تک نفقہ واجب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وللمطلقات متاع بالمعروف حقا على المتقين .

اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان ونفقہ ہے یہ واجب ہے پرہیز گاروں پر) [پارہ ۲، سورہ بقرۃ آیت ۲۴۱، کنز الایمان]

ملاّ جیون اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وهی قوله تعالىٰ للمطلقات متاع بالمعروف ففی بیان نفقة المطلقات اذالمتاع النفقة ○○○○○ فمعنى الآية ان المطلقة تجب نفقتها على الزوج مادامت معتدة"

آیت کریمہ میں متاع سے مراد نفقہ ہے پس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ مطلقہ کا نفقہ جب تک وہ عدت میں ہے شوہر پر ضروری ہے۔ [تفسیرات احمدیہ پارہ ۲، سورۃ البقرۃ صفحہ ۱۱۵]

علامہ بدرالدین عینی کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری اور امام زیلعی کی تصنیف لطیف نصب الرایہ لا حادیث الہدایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

انی سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول للمطلقة الثلاث النفقة والسكنىٰ مادامت فى العدة .

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جسے تین طلاقیں ہو چکی ہوں جب تک وہ عدت میں ہے اس کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے، یعنی کھانے پینے پہنے اور رہنے کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔

[عمدة القارى كتاب العدة ۱۴/۳۴۴، نصب الرايه كتاب الطلاق، ۳/۲۷۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولكل مطلقة بثلاث اوواحدة السكنى والنفقة ما دامت فى العدة .

ہر مطلقہ کے لئے جو مطلقہ تین طلاق سے ہو یا ایک سے سکنیٰ اور نفقہ ہے جب تک وہ عدت میں ہے ۔

[۵/۲۰۱، باب النفقة فى الطلاق]

الجوہرۃ النیرۃ اور ہدایہ میں ہے:

واذاطلق الرجل امرأته فلهاالنفقة والسكنىٰ فى عدتها

جب مرد نے اپنی عورت کو طلاق دی تو عورت کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنیٰ ہے۔

[الجوهرة النيرة كتاب النفقات ۳/۱۲۹، اهدايه كتاب الطلاق باب النفقة، ۲/۴۴۳]

حاصل کلام: قرآن وحدیث اورعبارات فقہاء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مطلقہ عورت کے لیے عدت تک شوہر پر نفقہ واجب وضروری ہے۔عدت کے بعد شوہر مطلقہ کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں۔

(۲) جواب اول سے جب یہ واضح ہوگیا کہ عدت تک ہی شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم وضروری ہے۔تو مطلقہ کو عدت کے بعد شوہر سے زندگی بھر نفقہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں اور شوہر پر بھی عدت کے بعد بیوی کا نفقہ دینا ضروری نہیں۔دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق واقع ہونے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔

وبموت احدهما وطلاقها يسقط المفروض .

نفقہ موت اور طلاق سے ساقط ہوجاتا ہے۔

[العقود الدرية في تنقيح الفتاوى باب النفقة، ۱/۸۸، ۴، وتنوير الابصار باب النفقة، ۵/۳۱۴]

نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ لازم ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

النفقة تابع للعدة .

نفقہ عدت کے تابع ہے۔[کتاب الطلاق باب النفقة، ۵/۳۳۳]

لہٰذا جب عدت پوری ہوگئی تو نفقہ بھی ختم ہوگیا۔

محیط برھانی میں ہے:

لا نفقة لها بعد مُضي مدة العدة .

عورت کے لئے عدت گزرجانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔[الفصل فی نفقة المطلقات، ۴/۲۳۸]

بحرالرائق میں ہے:

المعتدة اذالم تاخذ النفقة حتى انقضت عدتها سقطت نفقتها .

عدت والی جب عدت پوری ہونے تک نفقہ نہ لے تو اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔

[کتاب الطلاق باب النفقة/۴/۳۳۷]

علاوہ ازیں نفقہ درحقیقت شوہر کا بیوی کو پابند کرنے کا بدل ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

"نفقة الزوجة جزاء الاحتباس"

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقة ، ۵/۳۶۶]

اورفتاوی نوازل میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس .

نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔ [باب النفقات، ۲۲۳]

اور بیوی عدت تک شرعا شوہر کی پابند ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عمر بھر عدت کے بعد شوہر کی پابند ہی نہیں ہے تو پھر بھلا عمر بھر کا نفقہ کس بات کا؟

مزید برآں کہ عدت میں بھی نفقہ اس شرط پر ہے کہ بیوی شوہر کے گھر میں عدت گزارے اگر شوہر کے گھر میں عدت نہیں گزارتی اپنی مرضی سے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اور عدت گزارتی ہے تب بھی از روئے شرع وہ نفقہ کی حقدار نہیں۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

المعتدة اذاخرجت من بيت العدة تسقط نفقتها

عدت والی جب عدت کے گھر سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

[کتاب الطلاق باب النفقة، ۴/ ۳۳۸]

وهكذافي فتاوى الهندية[الفصل في نفقة المعتدة، ۱/ ۵۵۸]

تحریر کا لب لباب فتاوی رضویہ کی روشنی میں ملاحظہ کریں، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو"۔

[فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۱۵]

مزید فرماتے ہیں:

"مہر ونفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں"

[فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۷۵]

هٰذاماعندي والعلم عندالله تعالىٰ

كتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۳/شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکا برادری شیخ نے ایک لڑکی برادری تیلی سے اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا نکاح میں جو گواہ تھے ان کے تعلق سے بتایا جاتا ہے کہ وہ سب فاسق معلن شرابی تم

لوگ تھے۔ بعد نکاح جب لڑکی والوں کو علم ہوا تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئے اور لڑکی پر دباؤ بنایا گیا لڑکی اور لڑکے کے علاحد نہ ہونے کی صورت میں لڑکی والوں نے دونوں سے تعلقات ختم کر لئے مگر لڑکا اور لڑکی دونوں اسی نکاح کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارتے رہے پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد لڑکی والوں نے لڑکے پر دباؤ بناتے ہوئے کسی خاص میٹنگ میں لڑکے سے طلاق طلب کی ان کی طلب اور دباؤ پر لڑکے نے بذریعہ ٹیلی فون لڑکی کو طلاق دے دی جس پر لڑکی نے طلاق کی عدت کی مدت کو پورا کیا اور پھر بغیر کسی نکاح وحلالہ وغیرہ کے لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ساتھ پہلے جیسی زندگی گزارنے لگے ساتھ ہی پھر لڑکی حاملہ ہوگئی اور لڑکے سے بتائے بغیر ہی اپنی مرضی سے دوائی وغیرہ سے حمل ساقط بھی کرا دیا اس تفصیل کے بعد اب کچھ مدت سے لڑکا اور لڑکی اصل صورت مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے اپنے ازدواجی تعلقات ختم کئے ہوئے ہیں اور تلاش وجستجو میں ہیں کہ ازروئے شرع پھر سے یہ دونوں ازدواجی زندگی گزار سکیں۔ آیا ان دونوں کے لئے ازدواجی زندگی گزارنے کی شرعا کیا ترکیب ہوسکتی ہے اور اگر نہیں تو کیا ان کا ایک گھر میں رہنا کیسا ہے جواب عنایت فرمائیں، اور عنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں۔ فقط

المستفتی صوفی محمد جمشید عالم صابری، صابری نئی بستی پیران کلیر شریف

الجواب بعون الملک الوھاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔ اگر وہ اپنے اسی شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کر کے طلاق دے اس کے بعد یہ عورت عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ .

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے[ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صدرالافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہوسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے دوبارہ نکاح کرلیں۔" [تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت ۲۳۰]

امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب "حجۃ" میں ہے:

قال ابوحنيفة رضى الله عنه فى المراة يطلقها زوجها ثلاثا ثم تنكح زوجا غيره فيدخل بها ويجامعها ثم يطلقها فتنقضى عدتها انها تحل لزوجها الاول اذا كان النكاح الثانى صحيحا ۔

وہ عورت جسے اس کے شوہر نے تین طلاق دیدیں ہوں اس کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ (اللہ ان سے راضی ہوا) نے فرمایا کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ اس سے مجامعت کرے پھر وہ اسے طلاق دے پھر یہ عدت گزارے تاکہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو سکے جب کہ دوسرا نکاح صحیح ہوا ہو۔ [۱۰۷/۴، باب نكاح الاحصان فى المطلقة ثلاثا]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولا تحل له المرأة بعد ما وقع عليها ثلاث تطليقات حتى تنكح زوجا غيره يدخل بها ۔

تین طلاق سے مطلقہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے ہم بستر نہ ہو جائے۔ [۱۴/۶، کتاب الطلاق]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإن كان الطلاق ثلاثا فى الحرة ooo لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا فى الهداية

اگر آزاد عورت تین طلاق سے مطلقہ ہو تو اپنے شوہر کے لئے جب تک حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے مجامعت نہ کرلے پھر وہ دوسرا شوہر طلاق دے یا انتقال کر جائے ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ [۴۷۳/۱، فصل فيماتحل فى المطلقة] والله تعالىٰ اعلم ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۴/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب العدة

عدت کے چند اہم مسائل

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل میں؛

(۱) گیارہویں شریف کی تین تاریخ کو میرے شوہر کا انتقال ہوا میری عدت کب تک پوری ہوگی؟

(۲) عدت کا حکم کیا ہے اور کیا عدت کے دوران سر میں تیل اور کنگھی کا استعمال کر سکتی ہوں؟

(۳) مجھے میرے شوہر دکھائی نہیں دیتے کیا پڑھوں اور تبارک کتنے کلو میں ہونا چاہیے

(۴) میں اوپر رہتی ہوں نیچے ہندو کرایہ دار رہتے ہیں غسل خانہ اور لیٹرین نیچے ہیں۔ میرے نیچے جانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۵) کیا کلمہ شریف کے علاوہ کچھ اور پڑھ سکتی ہوں؟

(۶) میں اپنے شوہر کا فوٹو دیکھ سکتی ہوں یا نہیں؟

وجے نگر نئی بستی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱) موت کی عدت از روئے شرع غیر حاملہ کے لئے چار مہینے دس دن ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا

اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

[پارہ ۲، سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۴]

اور چار مہینے دس دن ۱۳ شعبان المعظم کو ہوں گے یعنی آپ کی عدت ۱۳ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ کو پوری ہو جائے گی۔

(۲) مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت عدت کا حکم بیان کرتے ہوئے حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

"اس مدت میں نہ وہ نکاح کرے نہ اپنا مسکن چھوڑے نہ بے عذر تیل لگائے نہ خوشبو لگائے نہ سنگار کرے نہ رنگین اور ریشمیں کپڑے پہنے نہ مہندی لگائے"

[تفسیر خزائن العرفان پارہ ۲ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۴]

فتاویٰ عالمگیری میں معتدہ کے لئے یہ احکام مذکور ہیں:

الاجتناب عن الطیب والدھن والکحل والحناء والخضاب ولبس المطیب والمعصفر والثوب الاحمر وما صبغ بزعفران ولبس القصب والخزوالحریرولبس الحلی والتزین والامتشاط کذافی التتارخانیہ

عدت والی عورت خوشبو، تیل، سرمہ، مہندی، خضاب نہ لگائے اور خوشبو بسے ہوئے، کسم کے رنگے ہوئے، سرخ کپڑے اور زعفران سے رنگے کپڑے نہ پہنے اور قصب، خزاور ریشم نہ پہنے اور زیور نہ پہنے زینت ترک کرے اور کنگھی نہ کرے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے۔[۱/۵۳۳: باب فی الحداد]

البتہ ان چیزوں کا استعمال مجبوری میں جائز ہے۔اور سر میں تیل بھی اس وقت ڈال سکتی ہیں جب درد ہو یا ایسی عادت پڑ گئی ہو کہ نہ ڈالنے پر درد ہوگا اور زینت کا ارادہ نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

أما فی حالۃ الاضطرار فلابأس بھا ان اشتکت رأسھا او عینھا فصبت علیھا الدھن او اکتحلت لاجل المعالجۃ فلابأس بہ ولکن لا تقصد بہ الزینۃ کذافی المحیط لو اعتادت الدھن فخافت وجعا یحل بھا لو لم تفعل فلا باس بہ ۔

مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں اگر سر یا آنکھ میں درد ہو تو بطور علاج سر میں تیل لگانے یا آنکھ میں سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ زینت کا ارادہ نہ ہو ایسا ہی محیط میں ہے اور اگر تیل ڈالنے کی عادت ہے اور خوف ہے کہ نہ ڈالنے پر درد بڑھ جائے گا تو تیل ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

اور کنگھی کا استعمال بھی مجبوری کی حالت میں جائز ہے جب کہ موٹے دندانوں سے کنگھی کی جائے:

ان امتشطت بالطرف الذی اسنانہ منفرجۃ لابأس بہ ۔

جس طرف موٹے دندانے ہیں اس طرف سے کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

(۳) کثرت سے درود شریف اور سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھا کریں۔اور تبارک شریف کی شرع میں کوئی مقدار متعین نہیں ہے جس قدر ہو سکے کریں۔ھکذافی ملفوظات اعلیٰ حضرت ۔

(۴) یہ آپ کے لئے عذر ہے لہٰذا پردہ کر کے جائیں تاکہ کسی غیر محرم کی نظر آپ پر نہ پڑے۔

(۵) بالکل کلمہ شریف کے علاوہ قرآن شریف اور دیگر اوراد و وظائف پڑھ سکتی ہیں۔

(۶) جی نہیں۔ازروئے شرع فوٹو کا رکھنا اور اس کا دیکھنا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول ولاقرة عين فيه لمن يتمسك التصاوير في صندوقه لينظر فيها متى شاء فانها وان كانت مستورة مادامت في الصندوق لكنه يفتحه و يخرجها فتظهر فياتي التحريم والامساك لامر ممنوع كمن امسك امرأة ليفجر بها ففي اثم الفجور حين لا يفجر لان الاعمال بالنيات .

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگر چہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کر نکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذا تحریم کا حکم ہوگا اور ممنوع چیز کو رکھنا بھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لیے روک لے تو اس پر بدی کا گناہ ہوگا اگر چہ وہ بدی نہ کر رہا ہو اور اعمال کا اعتبار نیت سے ہے۔

[عطایا القدیر فی حکم التصویر، ص ۵۶]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۳ر جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

عدت کے بعد بیوی کے لئے نفقہ کا حکم

محترم جناب مفتی صاحب.................السلام علیکم

بعد سلام کے گزارش یہ ہے کہ میں نے ۲۰۰۳ء میں اپنی بیوی رضیہ بیگم دختر جناب عبدالستار کو طلاق دے دی تھی۔ اب میری بیوی میرے دس سال کی لڑکی اور تیرہ سال کے لڑکے کے ساتھ اپنے میکے رہ رہی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں کہ کیا میری بیوی طلاق ہونے کے بعد مجھ سے اپنا گزارا کرنے کے لئے خرچ لینے کی حقدار ہے اگر ہے تو کب تک؟

ذاکر حسین ولد جناب فدا حسین

نند پور نزکا ٹو پا باجپور ضلع اودھم سنگھ نگر

۲۲ر جنوری ۲۰۱۳ء

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ازروئے شرع عدت کے بعد شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم وضروری نہیں ہے۔رضیہ بیگم کی عدت ختم ہو چکی ہے اب انہیں شوہر سے خرچ لینے کا حق نہیں ہے۔کیوں کہ نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: النفقة تابع للعدة .

نفقہ عدت کے تابع ہے۔[کتاب الطلاق باب النفقة، ۳۳۳/۵]

تو اب جب کہ عدت پوری ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے نفقہ بھی ختم ہو گیا۔

محیط برہانی میں ہے: لانفقة لهابعدمُضی مدة العدة .

عورت کے لئے عدت گزر جانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔[الفصل فی نفقة المطلقات، ۲۳۸/۴]

نفقہ درحقیقت بیوی کے پابند ہو جانے کا بدلہ ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

نفقة الزوجة جزاء الاحتباس .

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقة، ۳۶۶/۵]

اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ بیوی عدت تک ازروئے شرع پابند ہوتی ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عدت کے بعد پابند ہی نہیں رہی تو پھر بھلا خرچ کس بات کا دیا جائے گا؟

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو" [فتاوی رضویہ جدید ۱۳، ۴۱۵] مزید فرماتے ہیں "مہر ونفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں۔"

[فتاوی رضویہ جدید، ۴۷۵/۱۳]

البتہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکی کے خرچ کا مطالبہ کرے اس لئے کہ بچوں کا خرچ آپ پر واجب ہے کذافی البحرورد المحتار۔واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۹/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

باب البیوع

﴿کافر حربی سے فائدہ لینا﴾

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین کہ زید نے ۳۵ کلومینتھے کا تیل غیر مسلم کو بیچ دیا لیکن زید نے اسکی رقم اسی کے پاس چھوڑ دی کیونکہ اسی نے توجہ دلائی کہ تم مجھ سے رقم نہ لو بلکہ ۳۵ کلو کی رقم تصور کر کے ہر ماہ پندرہ روپے کلو کے حساب سے فائدہ لیتے رہو صورت حال میں زید کا یہ فائدہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ریاست حسین عزیزی خطیب وامام نوری مسجد سلطان پور پٹی ضلع اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ

مؤرخہ ۲۳رستمبر ۲۰۱۱ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں زید کا غیر مسلم سے اس طرح کا فائدہ لینا ازروئے شرع بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور ان کا مال معصوم نہیں ہے لہٰذا کافر حربی سے اس کی مرضی سے بغیر دھوکہ وخیانت کے جو مال بھی مسلمان کو حاصل ہو اگرچہ عقد فاسد کے ذریعہ ہی وہ مسلمان کے لئے جائز وحلال ہے۔

امام کاسانی کی کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

ان مال الحربی لیس بمعصوم بل ہو مباح فی نفسہ ۔

حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہے بلکہ وہ فی نفسہ جائز ہے۔[کتاب البیوع ۴/۴۱۶]

درمختار میں ہے: لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ مطلقابلاغدر ۔[کتاب البیوع باب الربا،۷/۴۲۳]

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولان مالھم ای مال اھل الحرب مباح فی دارھم لانہ غیرمعصوم بل ھوعلی اصل الاباحۃفبای طریق اخذہ المسلم اخذ ما لا مباحا اذلم یکن فیہ ای فی اخذہ غدرلان الغدرحرام ۔[کتاب البیوع باب الربا،۷/۳۸۵]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فلا یحرم علینا معهم الا الغدر فاذا جاوزته و اخذت منهم ما اخذت باسم ای عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لا تبعة علیك فیه ۔

ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکہ بازی کے کچھ حرام نہیں اور جب تو دھوکہ بازی سے بچتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو تو نے ان سے مال مباح حاصل کیا اس پر تجھ سے کوئی مواخذہ نہیں ۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۷/۳۶۹]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلامیہ میں مستامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں [فتاوی رضویہ جدید، ۱۷/۳۵۶]

هذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ ۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخه ، ۲۴/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

کسی کی زمین چھیننے والا قیامت میں زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) زید اور بکر نے دوسرے فریقوں کے ساتھ مل کر ایک پلاٹ خریدا جس کے بٹوارے میں زید اور بکر کے حصہ میں سوا سترہ گز چوڑی زمین آئی اس طرح زید کے حصہ میں دس گز چوڑی زمین آئی جو دونوں کی رضامندی سے زید نے وہ زمین تیسرے فریق کو بیچ دی دوسرے فریقوں میں سے ایک فریق نے بکر کی زمین میں سے کچھ زمین زبردستی سے دبا لی اس پر بکر نے کچھ نہیں کہا اب بکر زید کو کمزور دیکھتے ہوئے دبی ہوئی زمین میں کا حصہ زید سے مانگتے ہیں زید کے دس ہزار روپیہ بھی بکر پر باقی تھے اگر بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف ہوتا ہے تو اُس وقت کی قیمت دی جائے یا اس وقت کی؟

(۲) زید اور بکر کی جو زمین شرکت کی تھی وہ زمین بکر نے تاریخ 2\8\2004 ،کو بیچ دی بکر نے روپیہ زیادہ لے لئے زید کو کم دئے بکر نے حساب نہیں کیا اب زید کے روپیہ زیادہ نکلتے ہیں یہ روپیہ اس وقت کے لینے چاہئے یا اس وقت کے؟

(۳) زید اپنی بچی ہوئی زمین بیچ رہا تھا اس وقت بکر نے کہا کہ آپ سے ایک گز چوڑی زمین ہمیں لینی ہے ایک گز زمین کم کر کے بیچنا زید نے وہ ایک گز چوڑی زمین بطور قیمت چھوڑ دی کیونکہ بکر اپنا مکان بنانے کے لئے بس رہے تھے لیکن مکان نہ

بنا کر تین یا چار سال کے پہلے وہ زمین بکر نے بیچ دی زید سے نہیں بتایا لیکن زید کو بعد میں پتہ چلا اب زید کو بکر سے اس زمین کے روپیہ لینے ہیں اس زمین کی قیمت اُس وقت کی لینی چاہئے یا اِس وقت کی؟

محمد اسحاق صدیقی محلّہ تھانہ سابق کاشی پور ضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

مذکورہ بالا تمام سوالات کے جوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱)صورتِ مسئولہ میں بکر کی زمین پر تیسرے فریق کا جبراً قبضہ کر لینا ازروئے شرع ناجائز و حرام ہے نیز بکر کا زید کو کمزور جانتے ہوئے اس سے اپنی مغصوبہ زمین کے حصہ کا مطالبہ کرنا بھی ازروئے شرع جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من اخذمن الارض شیئاًبغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الیٰ سبع ارضین ۔

جس شخص نے کسی کی تھوڑی سی زمین بھی ناحق لے لی قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسایا جائے گا۔[بخاری شریف]

لہٰذا بکر کی زمین غصب کرنے والے پر لازم ہے کہ بکر کی زمین فوراً بکر کو واپس کرے اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی بکر کو ادا کرے۔اور بکر پر بھی ضروری ہے کہ زید سے بیجا مطالبہ نہ کرے۔

البتہ اگر واقعی بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف نکلے تو اس صورت میں زید موجودہ قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے بکر کے حصہ کی ادائیگی کرے۔

(۲) بکر پر زید کے جو روپے اس وقت بچے تھے بس وہی لئے جائیں گے۔مثلاً زمین ایک لاکھ میں بیچی گئی اور زید اور بکر حصہ میں برابر کے شریک تھے بکر نے زید کو بیس ہزار روپے دیئے تو اب بکر پر زید کے تیس ہزار باقی رہے تو اب اُس وقت یا اِس وقت کی قید کے بغیر تیس ہزار روپے ہی ادا کیے جائیں گے۔

(۳)صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے زمین اس وقت قیمت طے کئے بغیر اس لحاظ سے چھوڑی تھی کہ بکر جب قیمت ادا کرے گا اس وقت بکر کو بیچ دوں گا تو اب بکر سے زید زمین کی موجودہ قیمت وصول کر سکتا ہے۔

ھٰذاماعندی و العلم عنداللّٰہ تعالی

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۰ رصفرالمظفر ۱۴۳۳ھ

باب الذبائح

وہابی کے ذبیحہ کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں دیوبندی کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام اور مسلمانوں کو اس کا کھانا کیسا؟

المستفتی حاجی اصغر حسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ از روئے شرع حرام ہے۔ مسلمان کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فلاتؤکل ذبیحة اهل الشرك والمرتد .

مشرک اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ [جلد ۵ ص ۲۸۵، کتاب الذبائح]

امام کاسانی نے بدائع الصنائع میں فرمایا:

فلاتؤکل ذبیحة اهل الشرك والمجوسي والوثني و ذبیحة المرتد .

مشرک اور آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ [بدائع الصنائع ۴/۱۶۴]

اور بحر الرائق میں کنز الدقائق کی عبارت "لامجوسي ووثني و مرتد" کے تحت ہے:

یعنی لاتحل ذبیحة هؤلاء

یعنی آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ [کتاب الذبائح، ۹/۳۰۶]

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزام کفر ہے...... اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصاً وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے طور پر حرام ومردار کا کھانا ہوگا لہٰذا احتراز لازم ہے۔" [فتاویٰ رضویہ جدید، ۲۰/۲۴۹]

مزید فرماتے ہیں: ”دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگر چہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے“[مرجع سابق]

ان عبارات مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ دیوبندی وہابی وغیرہما فرقہائے باطلہ کا ذبیحہ حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دیوبندی عقائد کفریہ تو نہیں رکھتے لیکن دیوبندی وسنّی دونوں جماعتوں میں گھلے ملے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ حرام نہیں ہے۔ البتہ بچنا مناسب ہے۔ هٰذا ما عندی و العلم عند اللّٰہ تعالیٰ ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۴/ربیع النور ۱۴۳۳ھ

باب الاضحیه

﴿خصی جانور کی قربانی افضل ہے﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی کی ہے؟

(۲) اور خصی جانور کی قربانی کرنا افضل ہے یا نہیں؟

مدلل جواب مرحمت فرمائیں

(حافظ) محمد خورشید بھو پور پیپل سانہ مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش ہیں:

(۱) جی ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی کی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، أَوْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ ، اشْتَرَى كَبْشَيْنِ عَظِيمَيْنِ ، سَمِينَيْنِ ، أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوأَيْنِ

حضرت عائشہ یا حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قربانی کا ارادہ فرمایا تو سفید وکالے رنگ کے موٹے تازے سینگ والے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے خریدے۔

[سنن ابن ماجہ،باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۲۲۵]

ددوسری حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوأَيْنِ .

حضرت جابر سے مروی ہے کہ قربانی کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگ والے سفید وکالے رنگ کے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے ذبح فرمائے" [سنن ابو داؤد، ۳۸۶/۲،باب مایستحب من الضحایا،]

(۲) علماء کرام کے نزدیک خصی جانور کی قربانی افضل ہے۔
تحفۃ الفقہاء میں اور مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی ہے:

عن الإمام إن الخصی أولی لأن لحمه ألذ و أطیب

امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ خصی بہتر ہے اس لئے کہ اس کا گوشت بہت زیادہ لذیذ اور بہت اچھا ہوتا ہے۔[تحفة الفقهاء لسمرقندی، ۳/۸۶، کتاب الاضحیه، مجمع الانهر، کتاب الاضحیه، ۴/۱۷۱] والله تعالیٰ اعلم ۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخه ۲۵/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

باب الحظر والاباحة

﴿کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے عوض رقم کا تقاضا کرنا کیسا؟﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص کرائے کے مکان پر رہتا ہے اب مکان مالک اس سے مکان خالی کرانا چاہتا ہے کرائے دار خالی کرنے کے عوض مکان مالک سے پیسہ مانگ رہا ہے کیا یہ جائز ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

حاجی محمد یعقوب انصاری محلہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلی علٰی حبیبہ الکریم

کرائے دار کا مالک مکان سے مکان خالی کرنے پر پیسہ مانگنا ازروئے شرع جائز نہیں۔ جب اجارہ کی مدت ختم ہوگئی تو مالک مکان کو مکان خالی کرانے کا مکمل اختیار ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعاً اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے....ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

فللموجر اخراجھامن یدہ اذا مضت مدۃ اجارتہ ۔

کرائے پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہوجانے پر دوکان (وغیرہ) کو کرائے دار کے قبضہ سے نکالنے کا حق حاصل ہے۔ [فتاوٰی رضویہ جدید:۲۰/۱۸۰]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

فاتحہ ونیاز میں آیات مختلفہ کی تلاوت کے جواز پر تفصیلی فتوی

مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

میں دار العلوم امام احمد رضا رتنا گیری میں رابعہ جماعت کا متعلم ہوں چند سال قبل آپ کے پاس بھی تعلیم حاصل کر چکا ہوں ،میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت نے فاتحہ میں مختلف سورتیں پڑھنا جائز لکھا ہے اور حدیث بھی پیش کی ہے ،لیکن علامہ عبدالحی نے اپنی کتاب معین المفتی والسائل میں اس کو نا جائز لکھا ہے اور انہوں نے بھی حدیث پیش کی ہے مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان دونوں میں سے کس کی بیان کردہ حدیث قابل قبول اور راجح ہے۔اور اس کی وجہ ترجیح کیا ہے۔مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد عبدالواجد

متعلم امام احمد رضا رتنا گیری متعلم جماعت رابعہ

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

فاتحہ و نیاز میں سور متفرقہ و آیات مختلفہ کی تلاوت معمولات اہلسنّت میں سے ہے اہلسنّت کے نزدیک یہ معمول جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔فاتحہ و نیاز کے جواز و استحسان کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے ابوداؤد کی ایک حدیث پیش کی ہے جب کہ علامہ عبدالحی نے اس کے برخلاف حدیث نقل کی ہے ہم یہاں دونوں حضرات کے بیان کردہ جوابات کو نقل کر کے اس پر قدرے گفتگو کرتے ہیں اعلیٰ حضرت سے جب سور و آیات مختلفہ پڑھنے کے سلسلے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے اس انداز میں جواب مرحمت فرمایا:

''یہ صورت بلا شبہ جائز و مباح ہے سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھا،اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت بلند آواز سے،اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سورت سے لیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

قداسمعت من ناجیت یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم اوقظ الوسنان واطرد الشیطان .

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کی:

کلام طیب یجمعه الله بعضه الی بعض .

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے اور کچھ وہاں سے ملا لیتا ہوں۔ ارادۂ الٰہیہ یوں ہی ہوتا ہے، فرمایا:

كلكم قد اصاب .

تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ الخ [فتاوی رضویہ جلد ۳ ص ۴۸۱]

اور علامہ عبدالحی سے جب اس معاملہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

هذا ممالا اصل له ولا اثر له في كتب المتقدمين وفي الاتقان في علوم القرآن فاما خلط سورة بسورة فعد الحليمي تركه من الآداب لما اخرجه ابو عبيد عن سعيد بن المسيب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر ببلال وهو يقرأ من هٰذه السورة فقال يابلال مررت بك وانت تقرأ من هٰذه السورة ومن هٰذه السورة فقال اخلط الطيب بالطيب فقال اقرء السورة على وجهها وقال على نحوها الخ .

[معین المفتی والسائل ص ۳۶۲]

یعنی سور مختلفہ و آیات متفرقہ پڑھنے کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حدیث کتب متقدمین میں موجود ہے اور الاتقان میں ہے کہ ایک سورۃ کو دوسری سورۃ سے ملانا حلیمی نے ترک آداب میں شمار کیا ہے، اس دلیل سے کہ ابوعبید نے سعید بن میتب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال کے پاس سے گزرے اور وہ کچھ اس سورت سے پڑھ رہے تھے اور کچھ اس سورت میں سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال! میں تمہارے پاس آیا اور تم اس سورت اور اس سورت میں سے پڑھ رہے تھے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں طیب کو طیب میں ملا رہا تھا سرکار نے فرمایا سورت کو اس کے مثل پڑھو یعنی ترتیب سے پڑھو۔

الحاصل: اعلیٰ حضرت کی متدل حدیث پاک سے جواز اور علامہ عبدالحی کی متدل حدیث پاک سے عدم جواز ثابت ہوا۔

اب آیئے ہم تفصیل سے دونوں حضرات کی متدل حدیث پاک کا جائزہ لیں تاکہ یہ بات منکشف ہوجائے کہ دونوں حضرات میں سے کس کی متدل حدیث کا معیار مقبول ہے۔

اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک سنن ابی داؤد جلد اص ۱۸۸، کے علاوہ سنن الکبریٰ ۳/۱۱، شعب الایمان للبیہقی ۵/۳۲۰، تاریخ بغداد ۱۳/۲۸۵، میں بھی متعدد اسناد سے مروی ہے۔ اس حدیث پاک کو حضرت ابوسلمہ سے روایت کرنے میں محمد بن عمرو متفرد ہے گویا تمام سندوں کا دارومدار محمد بن عمرو پر ہے۔

علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث پاک کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف ۲/۲۶۴، اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف ۲/۴۹۵، اور بیہقی نے شعب الایمان ۲/۴۳۰، میں متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔ان کی اسناد کا دارومدار عبدالرحمٰن بن حرملۃ پر ہے کیوں کہ اس حدیث کو سعید بن میتب سے صرف عبدالرحمٰن نے روایت کیا ہے۔

بالجملہ اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث کے اصل راوی محمد بن عمرو اور علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث کے راوی عبدالرحمن بن حرملہ ہیں دونوں کی حیثیت جانے بغیر حدیث پر کسی طرح کا کوئی حکم لگانا تحقیق کے خلاف ہے لہٰذا آیئے ہم پہلے محمد بن عمرو کے متعلق محدثین وائمہ نقاد کے آراء ونظریات کا جائزہ لے لیں۔

امام ذہبی نے محمد بن عمرو کے متعلق فرمایا:

الامام المحدث الصدوق ○○○ وحديثه في عداد الحسن قال النسائي وغيره ليس به بأس وقال ابوحاتم صالح الحديث ،وقال عبدالله بن احمد سمعت ابن معين سئل عن سهيل والعلاء بن عبدالرحمٰن ،وعبدالله بن محمدبن عقيل ،وعاصم بن عبيدالله فقال ليس حديثهم بحجة قيل له فمحمدبن عمرو؟قال هوفوقهم قلت روى له البخارى مقرونابآخروروى له مسلم متابعة ○○○○ وسئل يحيى بن سعيدعن محمدبن عمروفقال للسائل تريدالعفواورنشددقال بل شددقال ليس ممن تريد،قال الجوزجانى ليس بالقوى وهوممن يُشتهٰى حديثه قال ابن عدى: روى عنه مالك فى المؤطاوارجوانه لاباس به وروٰى احمدبن ابى مريم عن يحيى بن معين ثقة .

[سیر اعلام النبلاء ۶/۱۳۶، ۱۳۷]

ابن عدی نے کامل میں تحریر فرمایا:

قال يحيى القطان وامامحمدبن عمروفرجل صالح ليس باحفظ الناس للحديث واما يحيىٰ بن سعيدفكان يحفظ ويدلس،حدثناعلان ثناابن ابى مريم سمعت يحيىٰ بن معين يقول محمدبن عمربن علقمةثقة ○○○○ قال السعدى محمدبن عمرو ليس بقوى الحديث ويشتهى حديثه ○○○○○ ولمحمدبن عمروبن علقمة حديث صالح وقدحدث عنه جماعة من الثقات كل واحدمنهم ينفردعنه بنسخة ويغرب بعضهم على بعض ○○○○ وارجوانه لاباس به[۶/۲۲۴، ۲۲۵]

ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا:

شيخ مشهور،حسن الحديث ○○○○ اخرج له الشيخان متابعة وقال يحيى بن معين

كانوا يتقون حديثه وروى احمدبن ابى مريم عن ابن معين ثقة ۰۰۰۰۰۰وقال عبدالله بن احمد سمعت يحيىٰ بن معين يقول سهيل،والعلاء بن عبدالرحمن،وابن عقيل ليس حديثهم بحجةقال ومحمدبن عمروفوقهم .[۶۷۴،۶۷۳/۳]

علامہ جلال الدین سیوطی نے اسعاف المبطاً برجال الموٗطا میں فرمایا:

وثقه النسائى وابن المدينى وابنه يحيىٰ القطان و ابوحاتم .[۳۵۳/۲]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

"ابن المدينى قال سمعت يحيىٰ بن سعيد يقول محمدبن عمرواحب الى من ابن حرملة۰۰۰۰۰۰عبدالرحمٰن قال سالت ابى محمدبن عمروبن علقمه فقال صالح الحديث يكتب حديثه" (۳۱/۸)

کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی میں ہے:

قال يحيىٰ مازال الناس يتقون حديثه وقال مرة ثقة وقال السعدى ليس بقوى .[۸۸/۳]

ابن حبان کی ثقات میں ہے:

كان يخطىء .۳۷۷/۷

علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں فرمایا:

قال احمدبن ابى مريم عن ابن معين ثقة۰۰۰۰۰وقال الحاكم قال ابن المبارك لم يكن به باس وقال ابن سعد كثيرالحديث يستضعف .[۲۶۳/۳]

اورتقریب میں فرمایا:

صدوق له اوهام .[۴۹۹]

الغرض محمد بن عمرو کو امام ذہبی نے "حسن الحديث" اور صدوق فرمایا تو ابوحاتم نے "صالح الحديث" سے تعبیر کیا،ابن حجر نے "صدوق له اوهام" فرمایا،امام نسائی،ابن عدی اور ابن مبارک نے "ليس به بأس، ولا بأس به،ولم يكن به باس" کے ذریعہ عدم ضعف کی جانب اشارہ کیا امام سیوطی نے نسائی،ابن مدینی،یحییٰ قطان اور ابوحاتم کے حوالہ سے ثقاہت پر جزم فرمایا،یحییٰ قطان نے ثقہ فرمایا تو کبھی "رجل صالح ليس باحفظ الناس" فرمایا اور کبھی محمد بن عمرو کے تعلق سے سائل کے تشدد مراد لینے پر جواب میں "ليس ممن تريد" کے ذریعہ نرمی کا پہلو اختیار کیا،اور یحییٰ بن معین نے کہیں "كانوا يتقون" کے ذریعہ محدثین کا اس کی حدیث سے احتیاط برتنے کو بیان کیا تو کہیں ثقہ فرمایا اور کہیں سہیل،علاء بن عبدالرحمٰن اور ابن عقیل کی حدیث پر عدم حجت کا حکم لگا کر محمد ابن عمرو کو ان پر فوقیت دے کر گویا ابن عمرو کی حدیث کے لائق

حجت ہونے کی جانب اشارہ کیا۔امام بخاری ومسلم وامام مالک اور ثقات کی جماعت نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے۔
علاوہ ازیں امام جوزجانی، سعدی، یحییٰ بن سعید قطان اور ابن سعد نے " لیس بقوی ولیس بقوی الحدیث ویضعفه بعض الضعف، ویستضعف" کا حکم لگا کر قدرے ضعف سے متصف فرمایا ہے۔خلاصہ یہ کہ اکثر ائمہ نقاد کے نظریات بالا کی روشنی میں محمد بن عمرو حسن الحدیث وصالح الحدیث راوی ہے اور اس کی حدیث لائق حجت ہے۔
برخلاف عبدالرحمٰن بن حرملہ کے کہ اکثر ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور اس کی حدیث پر عدم حجت کا حکم لگایا ہے۔المغنی فی الضعفاء میں ہے:

"عبدالرحمن بن حرملة الاسلمی عن ابن المسیب قال ابن معین صالح قال یحییٰ القطان ضعیف وقال ابو حاتم لایحتج به ولینه البخاری"[۱/۵۳۴]

ابن جوزی کی کتاب الضعفاء والمتروکین میں ہے:

"ضعفه یحییٰ بن سعیدو البخاری"[۲/۹۲]

ابن حبان نے اپنی ثقات میں فرمایا:

کان یخطی[۷/۶۸]

تہذیب التہذیب میں ہے:

قال یحییٰ بن سعیدعنه کنت سیء الحفظ فرخص لی سعیدفی الکتابة قال یحییٰ بن سعیدمحمدبن عمرواحب الی من ابن حرملةوکان ابن حرملةیلقن وقال ابن خلادالباهلی سألت القطان عنه فضعفه ولم یدفعه وقال ابن اسحاق عن ابن معین صالح وقال ابوحاتم یکتب حدیثه ولایحتج به وقال النسائی لیس به باس وذکره ابن حبان فی الثقات وقال یخطیء ۰۰۰۰ وقال محمدبن عمر کان ثقة کثیرالحدیث ۰۰۰ وقال الساجی صدوق یهم فی الحدیث .[۲/۵۰۱]

الجرح والتعدیل میں ہے:

یکتب حدیثه ولایحتج به .[۵/۲۲۳]

تاریخ ابن معین بروایۃ دوری میں ہے:

حدثنایحییٰ قال حدثنایحییٰ بن سعید عن عبد الرحمن بن حرملة قال کنت سیء الحفظ اوکنت لااحفظ قال فرخص لی سعیدبن المسیب فی الکتاب .[۱/۱۵۳]

شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

وذکر ابن ابی خیثمة عن ابن معین عن یحییٰ عن ابن حرملة قال کنت سیء الحفظ فسالت سعید بن المسیب فرخص لی فی الکتاب .[۱۱۷]

المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ للذہبی میں ہے:

ابو حرملة ○○○ شیخ مالك لیس بالمتین عندھم .[۱/۱۷۱]

ابن حجر نے "صدوق ربما اخطا" فرمایا۔[تقریب التہذیب صفحہ ۳۳۹]

قطع نظر تضعیف سے بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے

تہذیب التہذیب میں ہے:

نقل ابن خلفون عن ابن نمیر انه وثقه[۲/۵۰۱]

امام غیتابی نے مغانی الاخیار میں فرمایا:

قال محمد بن عمر، وکان ثقة کثیر الحدیث .[۳/۲۱۰]

امام ذہبی کی کتاب من تکلم فیہ میں ہے:

وثق، وضعفه القطان، وقال ابو حاتم لایحتج به .[۳۲۸]

کاشف میں امام ذہبی نے فرمایا:

قال ابن معین صالح .[۱/۶۲۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ اکثر ائمہ نے ابن حرملہ کی تضعیف کی ہے اور اس کی حدیث کے لائق حجت ہونے سے انکار کیا ہے یعنی اس کی حدیث لکھی جائے گی لیکن اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا اور یہ بات خود ابن حرملہ سے ثابت ہوچکی ہے کہ وہ سوء حفظ کا شکار تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ سوء حفظ کے راوی کی حدیث کا اگر متابع نہ ملے تو اس حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ برخلاف محمد بن عمرو کے کہ اس کی حدیث لائق حجت ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے:

یحییٰ بن معین یقول سهیل، والعلاء بن عبدالرحمٰن، وابن عقیل لیس حدیثهم بحجة قال ومحمد بن عمرو فوقهم .[۳/۶۷۳، ۶۷۴]

بر سبیل تنزل ابن حرملہ کو ضعیف نہ بھی مانا جائے تب بھی محمد بن عمرو کو ابن حرملہ پر فوقیت حاصل ہے جیسا کہ شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

قال یحییٰ ومحمد بن عمرو اعلیٰ من سهیل بن ابی صالح وهو عندی فوق عبدالرحمٰن بن حرملة[۱/۴۴۷]

ضعفاء العقیلی میں ہے:

یحییٰ بن سعیدیقول محمدبن عمرواحب الی من بن حرملة ۔[۳۲۸/۲]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

ابن المدینی قال سمعت یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرواحب الی من ابن حرملة[۳۱/۸]

اور جب ابن حرملہ پر ابن عمرو کو فوقیت حاصل ہے تو ابن عمرو کی حدیث کو بھی ابن حرملہ کی حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی محمد بن عمرو کی حدیث کو امام ذہبی نے درجۂ حسن میں رکھا ہے لہٰذا ابن عمرو کے مقابلہ میں ابن حرملہ کی حدیث کو حسن سے کم درجہ پر محمول کیا جائے گا اور ابن عمرو کی حدیث کو حسن مقبول تسلیم کیا جائے گا۔

تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی مستدل حدیث علامہ عبدالحی کے مستدل حدیث سے چند وجوہات کی بنیاد پر قوی تر اور اس کے مقابلہ میں قابل قبول ولائق حجت ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت کی مستدل حدیث پاک کا راوی محمد بن عمرو علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن حرملہ سے زیادہ قوی اور ثقاہت میں زیادہ ہے۔

(۲) محمد بن عمرو لائق حجت راوی ہے برخلاف عبدالرحمٰن کے کہ اس کی حدیث کو صرف لکھنے کا حکم ہے اس سے احتجاج نہیں کرسکتے۔

(۳) یحیی قطان اور یحییٰ قطان کے قول کو مقام نقد میں رکھنے والے ائمہ نے محمد بن عمرو کو ابن حرملہ سے زیادہ مقبول مانا ہے اور اسے ابن حرملہ پر فوقیت دی ہے۔

(۴) نیز ابن حرملہ کی حدیث میں ایک راوی سعید بن المسیب ہیں جن کے بغیر کسی واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کی وجہ سے ان کی حدیث مرسل ہے، کیونکہ وہ تابعی ہیں، اور بغیر واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تابعی کی روایت مرسل ہوتی ہے جسے جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف کا درجہ ملا ہے۔ اس کے برخلاف محمد بن عمرو کی روایت کردہ حدیث متصل ہے جسے کم از کم حسن کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا جمہور محدثین کی اس رائے کے مطابق بھی اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی ذکر کردہ حدیث کو علامہ عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی، اور اسے ہی راجح قرار دیا جائے گا۔

سطور بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فاتحہ میں سور متفرقہ وآیات مختلفہ کی تلاوت کے جائز ہونے پر اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک ہی قابل قبول لائق ترجیح ہے اور علامہ عبدالحی کی بیان کردہ حدیث پاک مرجوح اور غیر مقبول ہے۔

هٰذاماعندی واللّٰہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/ رجب ۱۴۳۲ھ

دو احادیث کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں؛

(۱) کیا "من زار قبری وجبت له شفاعتی" حدیث ہے اگر ہے تو کن کتابوں میں ہے چند کتابوں کے نام بیان فرمائیں اور اس حدیث کا معیار کیا ہے؟

(۲) "انا مدینة العلم وعلی بابها" کا بھی حکم بیان فرمائیں کہ کیا یہ بھی حدیث ہے کن کتابوں میں ہے اور اس کا معیار کیا ہے؟ بینوا توجروا

محمد رضا مرآدباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

دونوں حدیثوں کی تحقیق بالترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ہاں یہ حدیث شریف ہے اور حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے:

سنن دارقطنی (۳۳۴/۳)، شعب الایمان للبیهقی فصل الحج والعمرة (۵۶/۶)، جامع صغیر للسیوطی باب حرف المیم (۳۲۹/۲)، کنزالعمال باب زیارة قبرالنبی صلی اللہ علیه وسلم، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لعلامة عبدالحی لکهنوی (۲۱۱/۱) ذخیرة الحفاظ لمقدسی (جلد۴) الفتح الکبیر للسیوطی الکبیر للسیوطی (۱۸۵/۳) الدرالمنثوره للسیوطی (۴۳۲/۱) فیض القدیر شرح جامع صغیرلمناوی (۱۸۱/۶) تیسیر شرح جامع صغیرلمناوی (۸۱۳/۲)

اور اس کے علاوہ بھی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے مزید تفصیل کے لیے الرفع والتکمیل لعلامہ عبدالحی ملاحظہ ہو۔

(۲) "انا مدینة العلم وعلی بابها" (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) حدیث ہے۔ اور درج ذیل کتب میں موجود ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی(۹/۲۶۸)المستدرك للحالم(۳/۱۲۶)الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (۱/۳۳۹)الحاوی للفتاوی(۲/۵۱)

یہ حدیث پاک حسن کے درجہ میں ہے۔امام جلال الدین سیوطی اپنی تصنیف لطیف "اللالی المصنوعه" میں امام ابن حجر کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وسئل شیخ الاسلام أبو الفضل بن حجر عن هٰذالحدیث فی فتیافقال هٰذالحدیث اخرجه الحاکم فی المستدرك وقال انه صحیح وخالفه ابو الفرج بن الجوزی فذکره فی الموضوعات وقال انه کذب والصواب خلاف قولهمامعاًوان الحدیث من قسم الحسن لایرتقی الی الصحة ولاینحطه الی الکذب وبیان ذلك یستدعی طولاًولکن هٰذاهو المعتمدفی ذالك انتهیٰ ۔

شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا فتیا میں تو آپ نے فرمایا حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی تخریج کی اور صحیح فرمایا حالانکہ ابوالفرج ابن جوزی نے ان کی مخالفت کی اور موضوعات میں اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ جھوٹی ہے اور ٹھیک ان دونوں کے اقوال کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ حدیث حسن کی قسم سے ہے نہ اس کو صحیح تک ترقی دی جائے گی اور نہ ہی اسے کذب تک گھٹایا جائے گا اس کا بیان طوالت چاہتا ہے لیکن یہی معتمد ہے اس سلسلے میں) [۱/۳۰۶،دارالکتب العلمیہ بیروت]

الحاصل: استفتاء میں مندرج عبارات احادیث ہیں اور متعدد کتب میں ہیں اور دونوں درجۂ حسن میں داخل ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ
محمدذوالفقارخان نعیمی
مؤرخہ ۵/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

﴿بہجۃ الاسرار کی صحت وتوثیق پر تفصیلی فتوی﴾

جناب مکرم مفتی صاحب وہابیہ غیر مقلدین کے مدرسہ جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور کے سہ ماہی رسالہ "نداء الجامعہ" بابت مارچ ۲۰۱۲ء میں عبدالرحمٰن ضیاء نامی شخص کا ایک مضمون بہجۃ الاسرار کے حوالہ سے شائع ہوا، مضمون کے مندرجات کا خلاصہ مع حوالہ پیش خدمت ہے:

"محققین علماء نے اس کتاب کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس پر اور اس کے مولف شطنوفی پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا شخص خود بھی جان سکتا ہے کہ اس میں کافی جھوٹی باتیں ہیں۔"

(سہ ماہی نداء الجامعہ، مارچ ۲۰۱۲: ۴۰)

☆ علامہ ذہبی نے کہا: لقد اتی بمصائب فی کتاب بهجة الاسرار یشهد القلب ببطلانه"

(لسان المیزان جلد ۴ ص: ۲۳۸)

☆ شیخ کمال الدین جعفر: حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے:
ذکر فیه غرائب و عجائب و طعن الناس فی کثیر من حکایات و اسانید فیه ۔

(الدرر الکامنہ، جلد ۳ ص: ۱۴۲)

☆ ابن الوردی کا قول: ان فی البهجة امورا لا تصیح و مبالغات فی شاذ الشیخ عبدالقادر لا تلیق الا بالربوبیة ۔ (کشف الظنون، ج ۱ ص ۲۵۷)

☆ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابوالحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث خود گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان، ج ۴، ص ۳۳۸)

☆ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی:
اقول و هذا الکتاب هو (بهجة الاسرار) و فیه نسب الحکایات الشرکیة التی لا تلائم حال الابرار (الی حضرت الشیخ علیه الرحمة) و هو مملو بالاکاذیب والاباطیل" (التاج المکلل: ۱۶۴، رقم الترجمة: ۱۵۹)

☆ شیخ عبدالرحمن واسطی: "شطنوفی کذاب متہم ہے اس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے خود شیخ عبدالقادر جیلانی کی شخصیت کے خدوخال انجانے لگتے ہیں۔"

(مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں از ڈاکٹر غلام قادر لون: ۵۰۷)

☆ کچھ کتب تصوف کا تعارف کروا کر ڈاکٹر لون صاحب لکھتے ہیں:
"لیکن ان میں سب سے بدتر حال بہجۃ الاسرار کا ہے اس کے مصنف علی بن یوسف شطنوفی ہیں جنہیں وضع حدیث کا مرتکب کہا گیا ہے۔" (ایضا: ۵۰۶)

☆ علامہ زین الدین ابن رجب لکھتے ہیں:
"ابوالحسن شطنوفی نے شیخ عبدالقادر کے اخبار و مناقب میں تین اجزاء جمع کیے ہیں جن میں غلط اور صحیح روایات لکھی ہیں اور انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔"

☆ مزید لکھتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کے بعض حصوں کو دیکھا میرا دل مجہول لوگوں سے لی گئی ان روایات پر اعتماد کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس کتاب میں شطحیات طامات دعاوی اور ایسا باطل کلام ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف اسے منسوب کرنا مناسب ہے۔'' (ذیل طبقات الحنابلہ طبع دارالمعرفہ بیروت جلد ۳ ص ۲۹۳)

☆ مزید کہا: '''شطنوفی نے اپنی اس کتاب بہجۃ الاسرار میں جو باتیں بیان کی ہیں ان کے بیان کرنے میں شطنوفی متہم ہے۔'' (ذیل الطبقات الحنابله لابن رجب، ج۳، ص: ۲۹۳)

برائے کرم مندرجہ بالا حوالہ جات اور مضمون نگار کی تنقید بر بہجۃ الاسرار و مولف بہجۃ الاسرار کی حقیقت واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ساجد رضا قادری لاہور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

مضمون نگار عبدالرحمٰن ضیا نے کتاب ''بہجۃ الاسرار'' کے بطلان اور اس کے مصنف امام شطنوفی کے کذاب ہونے پر جن حوالہ جات کا سہارا لیا ہے احقر نے جب ان حوالہ جات کی طرف مراجعت کی تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مضمون نگار نے جس بہجۃ الاسرار کے خلاف مذکورہ بالا عبارات کو پیش کیا ہے وہ امام شطنوفی کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' نہیں بلکہ علی بن عبداللہ بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار ہے۔

مضمون نگار نے خیانت کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً ان کے مکتبہ فکر سے وابستہ علما سے انہیں ورثہ میں ملا ہے اور وہ اپنے مکتبہ فکر کی جانب سے ضرور انعام کے مستحق ہیں۔ ہم یہاں عبدالرحمٰن ضیا کی پیش کردہ عبارات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مضمون نگار نے لسان المیزان کے حوالے سے علامہ ذھبی کا یہ قول بطور استدلال پیش کیا ہے:

لقد اتی بمصائب فی کتاب بهجة الاسرار یشهد القلب ببطلانها۔

ہم نے جب لسان المیزان کا مطالعہ کیا تو یہ عبارت ہمیں ملی تو ضرور، مگر جب سیاق وسباق پڑھا تو مضمون نگار کی علمی صلاحیت ولیاقت سامنے آگئی۔

ملاحظہ ہو:

علی بن عبدالله بن جهضم الزاهدابوالحسن شیخ الصوفیة بحرم مکة ومصنف کتاب بهجة الاسرارمتهم بوضع الحدیث قال ابن خیرون تکلم فیه قال وقیل انه کان یکذب وقال غیره اتهموه بوضع صلاۃ الرغائب توفی سنة ۴۱۴، ٥٥٥٥وقال المصنف فی تاریخ الاسلام ''لقداتی بمصائب فی کتابه بهجة الاسرار' یشهدالقلب ببطلانها وروی عن ابی بکرالنجادعن

ابن ابی العوام عن ابی بکر المروذی محنة احمدفاتی بهابعجائب وقصص لایشك من له ادنی ممارسة ببطلانهاوهی شبیة بماوضعه البلوی فی محنة الشافعی ۔

(لسان المیزان لابن حجر، ۵/۵۵۴، ۵۵۵)

ترجمہ: ''علی بن عبداللہ بن جہضم حرم مکہ کے صوفیا کا شیخ اور کتاب بہجۃ الاسرار کا مصنف وضع حدیث سے متہم ہے ابن خیرون نے کہا کہ وہ متکلم فیہ ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا تھا اوران کے علاوہ لوگوں نے اسے صلاۃ رغائب کے وضع کے سبب متہم قرار دیا ہے ۴۱۴ھ میں وفات ہوئی....اور مصنف (امام ذہبی) نے تاریخ الاسلام میں فرمایا کہ ''وہ کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

اور خود امام ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام میں جب اس عبارت کو تلاش کیا تو سیاق وسباق کے ساتھ عبارت کچھ اس طرح تھی:

علی بن عبدالله بن الحسن بن جهضم بن سعید ابو الحسن البورانی الصوفی نزیل مكة ومصنف كتاب بهجة الاسرارفی اخبار القومoooooooo ولقداتی بمصائب یشهد القلب ببطلانها فی كتاب بهجة الاسرار ۔

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیروالاعلام للذهبی مطبع دارالكتاب العربی بیروت لبنان، ۲۸، ص ۲۵۰، ۲۵۱)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

نیز سیر اعلام النبلا میں بھی علامہ ذہبی علی بن عبداللہ اوراس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے متعلق اسی طرح کا حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

علی بن عبدالله بن الحسن بن جهضم الهمدانی المجاورمصنف كتاب بهجة الاسرارooooلیس بثقة بل متهم یاتی بمصائب قال ابن خیرون قیل انه یكذب ۔

(سیراعلام النبلاء للذهبی، ۳۳/۲۶۵)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم بہجۃ الاسرار کا مصنف ثقہ نہیں ہے بلکہ متہم ہے اپنی کتاب میں مصائب لایا ہے ابن خیرون نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان لابن حجر تاریخ الاسلام وسیر اعلام النبلا لذھبی کی مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ

علامہ ذہبی نے جس کتاب کے بطلان کا حکم فرمایا ہے وہ علی بن عبداللہ بن جہضم کی ''بہجۃ الاسرار'' ہے نہ کہ امام شطنوفی کی بہجۃ الاسرار۔

مضمون نگار نے مزید حافظ ابن حجر کے حوالے سے بہجۃ الاسرار سے متعلق شیخ کمال الدین جعفر کا درج ذیل قول نقل کیا ہے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے: **ذکر فیه غرائب و عجائب و طعن الناس فی کثیر من حکایات و اسانید فیه۔**''

اس کے جواب میں ''**الاعلام للزرکلی**'' ملاحظہ ہو جس میں امام شطنوفی کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر کی اس عبارت کو نقل کیا گیا اور حاشیہ میں اس کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اعلام کے متن میں ہے

علی بن یوسف بن حریزبن معضاداللخمی ابو الحسن الشطنوفی عالم بالقراء ات کا ن شیخ الدیار المصریة فی عصره من فقهاء الشافعیة oooooo قال ابن حجر ذکر فیه غرائب و عجائب وطعن الناس فی کثیرمن حکایاته و اسانیده فیه''

ترجمہ: شطنوفی قراءات کے عالم اپنے دور میں دیار مصر کے شیخ شافعی فقیہ تھے.... ابن حجر نے فرمایا کہ شطنوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار میں غرائب وعجائب بیان کیے ہیں اور لوگوں نے ان کی بیان کردہ حکایتوں اور سندوں پر طعن کیا ہے۔

حاشیہ میں ہے:

قلت هذاخلط بین ترجمة الشطنوفی الذی عاش ومات بمصر، وترجمة ابن جهضم علی بن عبدالله الهمدانی المجاور بالحرم المکی المتوفی قبله بثلاثة قرون .

(الاعلام للزرکلی، ۵/۳۴)

ترجمہ: یہ خلط ہے شطنوفی جنہوں نے مصر میں زندگی گزاری اور وہیں انتقال فرمایا اور ابن جہضم علی بن عبداللہ ہمدانی حرم مکہ کے مجاور کے درمیان جو شطنوفی سے تین قرن قبل وصال پا چکے تھے۔'' یعنی امام ابن حجر نے امام شطنوفی کے ترجمہ میں علی بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار کا ذکر کر دیا ہے اور یہ ان کا سہو ہے۔

مزید یہ کہ شیخ کمال الدین کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس میں دو باتیں ہیں ایک بہجۃ الاسرار میں غرائب وعجائب کا ہونا تو یہ تو ہمیں بھی مسلم ہے اس لئے کہ کرامات غرائب وعجائب کے زمرے ہی میں آتی ہیں اور دوسری بات یہ کہ لوگوں نے بہجۃ الاسرار کی بہت سی حکایتوں اور سندوں میں طعن کیا ہے تو شیخ کی یہ بات مبہم ہونے کے سبب لائق اعتبار نہیں ہے کیوں کہ شیخ نے نہ تو ان واقعات کا ذکر فرمایا نہ طعن کرنے والوں کا اور نہ ہی طعن کا وہ کس انداز کا طعن ہے تو بھلا اس کتاب کے معتبر ہونے

پر اکثر اسلاف کی صراحت کے خلاف شیخ کا قول مبہم کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔
نیز یہ بھی خیال رہے کہ حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کے درج بالا قول سے قبل یہ عبارت "کان الناس یکرمونه ویعظمونه وینسبونه الی الصلاح" اور اس قول کے بعد "کان عالما تقیا مشکور السیرة" بھی تحریر فرمایا ہے۔
جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام شطنوفی کذاب یا وضاع نہیں ہیں اور جب ایسا ہے تو پھر شیخ کمال الدین کا قول لائق اعتنا نہیں رہتا کیوں کہ ان کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہجۃ الاسرار کتاب میں مندرج واقعات پر لوگوں نے طعن کیا ہے تو اگر انہوں نے واقعات کے جھوٹا یا من گڑھت ہونے کا طعن کیا ہے تو پھر مصنف کا کذاب یا وضاع ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ امام ابن حجر کی مذکورہ بالا دونوں عبارتیں اس کے برخلاف گواہی دے رہی ہیں۔
علاوہ ازیں شاید مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب مستطاب غبطة الناظر فی ترجمة الشیخ عبدالقادر نہیں دیکھی ورنہ وہ امام سے متعلق غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتے کیوں کہ امام نے اپنی اس کتاب میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے جو واقعات درج فرمائے ہیں وہ اسی بہجۃ الاسرار سے ماخوذ ہیں جا بجا امام نے بہجۃ الاسرار کا حوالہ دیا ہے اور بیشتر مقامات پر قال الشیخ نور الدین الشطنوفی تحریر فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن حجر کے نزدیک امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار دونوں ہی درجۂ اعتبار میں تھے ورنہ وہ امام شطنوفی اور ان کی بہجۃ الاسرار سے استفادہ کیوں کرتے؟
مضمون نگار نے آگے کشف الظنون کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کے خلاف ابن الوردی کا قول نقل کیا ہے لیکن اس کے آگے کی عبارت جو ابن الوردی کے جواب میں لکھی گئی ہے اور جس سے مضمون نگار کے مدعا پر بجلیاں گرتی نظر آ رہی ہیں مضمون نگار نے اس کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ کشف الظنون میں مندرج ابن الوردی کا قول اور اس کی تردید میں صاحب کشف الظنون کا جواب ملاحظہ ہو:

> ذکر ابن الوردی فی تاریخه ان فی البهجة امور الاتصح و مبالغات فی شان الشیخ عبدالقادر لاتلیق الابالربوبیةومثل هذه المقالة قیل عن الشهاب ابن حجر العسقلانی واقول ما المبالغات التی عزیت الیه ممالایجوزعلی مثل وقدتتبعت فلم اجد فیهانقلاًالا وله فیه متابعون وغالب مااورده فیهانقله الیافعی فی اسنی المفاخروفی نشرالمحاسن وروض الریاحین وشمس الدین بن الزکی الحلبی ایضافی کتاب الاشراف واعظم شی نقل عنه انه احیی الموتی کاحیائه الدجاجة ولعمری ان هذه القصة نقلهاتاج الدین السبکی و نقل ایضاعن ابن الرفاعی وغیره وانی لغبی جاهل حاسدضیع عمره فی فهم مافی السطور .

(کشف الظنون، ۲۵۶/۱)

ترجمہ: ابن وردی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ بہجۃ الاسرار میں ایسے اُمور ہیں جو صحیح نہیں ہیں اور ایسے شیخ

عبدالقادر کی شان میں ایسے مبالغے ہیں جو ربوبیت کے لائق ہیں اور اسی مقالہ کے مثل ابن حجر عسقلانی سے بھی روایت کیا گیا ہے میں کہوں گا کہ وہ کون سے ناجائز مبالغے ہیں جو ان کے شیخ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں میں نے تلاش کے باوجود اس میں کوئی ایسی نقل نہیں پائی جس کے متابع نہ ہوں اور اس میں اکثر وہ روایتیں ہیں جن کو امام یافعی نے اسنی المفاخر اور نشر المحاسن اور روض الریاحین میں اور شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں نقل کیا ہے بڑی چیز جو شیخ سے نقل کی گئی ہے وہ ہے ان کا مردے مثلاً مرغی زندہ کرنا مجھے میری زندگی کی قسم اس قصہ کو علامہ تاج الدین سبکی نے نقل کیا ہے نیز یہ قصہ ابن رفاعی وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ بلاشبہ بیوقوف جاہل حاسد جس نے اپنی عمر کتاب میں لکھے ہوئے کو سمجھنے میں ضائع کی۔

آگے مضمون نگار نے صاحب بہجۃ الاسرار کے وضاع حدیث ہونے پر درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

''حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابوالحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔''

حوالے میں مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب لسان المیزان کا حوالہ پیش کیا ہے احقر نے جب لسان المیزان کا مطالعہ کیا تو کہیں بھی احقر کو یہ عبارت نظر نہیں آئی۔ جس طرح مضمون نگار نے شروع میں لسان المیزان کا مغالطہ دیکر قارئین کو بہکانے کی کوشش کی تھی وہی ناپاک کوشش یہاں بھی کارفرما ہے احقر کے مطالعہ کے مطابق لسان المیزان میں صرف علی بن عبداللہ بن جہضم کے کذاب اور وضاع ہونے اور اس کی کتاب کے باطل ہونے کا ذکر ہے امام شطنوفی کے کذاب یا غیر ثقہ ہونے یا ان کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' کے غیر معتبر ہونے کا ذکر پوری کتاب میں نہیں ہے اور ان شاء اللہ مضمون نگار کبھی دکھا بھی نہیں پائے گا۔

مضمون نگار نے آگے نواب صدیق حسن بھوپالی کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کو اکاذیب و اباطیل سے بھرا ہوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مضمون نگار کو یہ اچھی طرح سے معلوم ہوگا کہ علمائے اہلِ سنت کے نزدیک نہ اس کا کوئی وقار ہے اور نہ ہی اس کی کتابوں کا یہ وہی نواب بھوپالی ہے جس نے اسی کتاب

التاج المکلل صفحہ ۲۰۷ پر لکھا ہے:

فعل الصحابی لایصلح للحجة .

صحابی کا فعل لائق حجت نہیں۔

یہ وہی نواب ہے جس نے بدور الاہلۃ صفحہ ۱۷۵ پر دبر میں وطی کرنا جائز لکھا ہے، صفحہ ۱۸ پر گدھی کتیا اور سورنی کے دودھ کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۶ پر سور کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۵ پر شراب کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۳۹ پر عورت کا تنہا یا باپ بیٹے بھائی چچا ماموں

کیا مضمون نگار کے نزدیک یہ شخصیات مسلم نہیں؟
کیا امام شطنوفی کی جلالت علم کو یہ اقوال کافی نہیں ہیں؟
اور کیا ان مذکورہ بالا علما کی توثیق وتائید کے بعد بھی امام حنبلی کی جرح کو ترجیح دینا تنگ نظری نہیں ہے؟
مضمون نگار اگر تعصب کی عینک اتار کر کتب صوفیا ومحدثین میں تتبع کریں گے تو یقیناً امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار کی توثیق وتائید ہی پائیں گے۔

مزید برآں امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار سے متعلق خود مضمون نگار اور ڈاکٹر لون کا ذاتی نظریہ ان اکابر علما وصوفیا کے اقوال وآراء ونظریات کے سامنے کوئی وقعت وحیثیت نہیں رکھتا ہے۔ اس لئے اس پر کوئی تبصرہ بے سود ہے۔

الحاصل: مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام شطنوفی اور ان کی کتاب بہجۃ الاسرار علما کے نزدیک معتبر ومسلم الثبوت ہے اور اس پر مضمون نگار کے لگائے گئے الزامات باطل وبے بنیاد ہیں۔

هٰذا ما عندی و العلم عندالله تعالیٰ۔

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
مؤرخہ ۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

موبائل پر آیت سجدہ و درود سننے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علما کرام درج ذیل مسائل میں:
(۱) کیا موبائل سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے؟
(۲) آیت درود "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" اگر موبائل سے سنی تو کیا درود پڑھنا ضروری ہے؟ شریعت کی روشنی میں جوابات مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد مقبول رامپور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحیم - نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

دونوں سوالوں کے جواب بالترتیب حاضر ہیں:
(۱) موبائل پر آیت سجدہ سننے کی دو صورتیں ہیں

ایک یہ کہ ریکارڈ کی ہوئی آواز ہو۔
دوسری یہ کہ بات کرنے والا آیت سجدہ تلاوت کرے یا اس کے برابر میں کوئی شخص قرآن کی تلاوت کے دوران آیت سجدہ پڑھے اور اس کی آواز دوسری طرف موبائل سے بات کرنے والے کے کان میں پہنچے۔
احقر کے نزدیک دونوں صورتوں میں سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اس لئے کہ ریکارڈ سے سننا اور موبائل سے سننا دونوں سماع معاد کے حکم میں ہیں اور سماع معاد پر سجدہ واجب نہیں۔
حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
''سجدہ سماع اول پر ہے نہ معاد پر اگر چہ خاص اس سامع کی نظر سے مکرر نہ ہو۔'' [الکشف شافیا، فتاوی رضویہ ۹/۲۲]
(۲) اس کا حکم مثل سجدۂ تلاوت ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کو سجدہ تلاوت کے مثل مانا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:
وجوب الصلاۃ مرۃ فی کل مجلس کسجود التلاوۃ۔ [فتاوی شامی ۲/۲۲۷]
لہٰذا سجدہ تلاوت میں حکم وجوب سماع اوّل پر ہے تو یہاں بھی اگر ریکارڈ شدہ آیت درود سنی یا موبائل کے ذریعہ سنی، دونوں صورتوں میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔
البتہ دونوں صورتوں میں درود پڑھ لینا مجرد عن الثواب نہیں ہے۔

کتبہ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

قیمتی موبائل کا استعمال اسراف نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ آج کل عموماً لوگ مہنگے موبائل استعمال کر رہے ہیں کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

محمد مقتصد خان ککرالہ بدایوں

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم
قیمتی موبائل کے خریدنے میں اگر قصد معصیت نہ ہو تو اسکا خریدنا اور استعمال میں لانا جائز ہے، اور یہ اسراف نہیں ہے

کیونکہ اسراف غیر حق میں صرف کرنے کا نام ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''اسراف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے غیر حق میں صرف کرنا۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن معسود رضی اللہ عنہ نے فرمائی:

الفریابی وسعید بن منصور و ابوبکربن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفرد وابناء جریروالمنذر وابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ لابن جریر کلهم عنه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ولاتبذرتبذیرا قال التبذیر فی غیرالحق وهوالاسراف .

اسراف دو صورتوں میں منحصر ہے معصیت اور اضاعت اگر ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو اسراف ہوگا۔

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''وہ قطب جن پر ممانعت کے افلاک دورہ کرتے ہیں دو ہیں ایک مقصد معصیت، دوسرا بیکار اضاعت اور حکم دونوں کا منع وکراہت''

آگے اس کی مثال میں فرماتے ہیں:

''معاصی میں صرف معصیت ہونا تو بدیہی ہے زید نے سونے چاندی کے کڑے اپنے ہاتھوں میں ڈالے یہ اسراف ہوا کہ فعل خود گناہ ہے اگر چہ تھوڑی دیر پہننے سے کڑے خرچ نہ ہو جائیں گے اور بلاوجہ محض اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو اسراف نہیں کہ نہ فعل خود گناہ ہے نہ مال ضائع ہوا اور اگر دریا میں پھینک دئے تو اسراف ہوا کہ مال کی اضاعت ہوئی اور اضاعت کی ممانعت پر حدیث صحیح ناطق۔'' الخ [فتاویٰ رضویہ جلد ۱/ص ۱۸۰، ۱۸۴]

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۹/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

معتکف یا غیر معتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی ودنیاوی بات کرنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا مسجد میں موبائل سے دنیوی بات کرنا صحیح ہے؟

(۲) معتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی یا دنیاوی ضروری باتیں کرنا کیسا؟

محمد جاوید رضا خان کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

(۱) مسجد میں موبائل یا بغیر موبائل دنیاوی بات کرنا جائز نہیں ہے۔ آیت کریمہ

وان المساجد للّٰہ فلاتدعوامع اللّٰہ احدا ۔

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو [ترجمہ کنز الایمان]

کی تفسیر میں ملاجیون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ھٰذہ الأیة وان کانت تحمل المعانی واختلف فیھاالآراء الاانھاعلی ظاھرھا مما یستدل به علی انه لایجوزفی المسجدالتکلم بکلام الدنیاooooo وقدقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم من تکلم بکلام الدنیافی خمسة مواضع احبط اللّٰہ تعالیٰ منه عبادة اربعین سنة الاول فی المسجدالخ

یہ آیت اگرچہ چند معانی پر محمول ہے اور اس میں آراء مختلف ہیں مگر اس کا ظاہر یہی ہے کہ دنیاوی کلام مسجد میں جائز نہیں ہے.....اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ مقامات پر دنیاوی بات کرنے والے کیا اللہ تعالیٰ چالیس سال کی عبادت باطل فرمادیتا ہے جس میں سے پہلا مقام مسجد ہے۔

[تفسیرات احمدیہ، پارہ ۲۹، ص ۴۸۹]

غنیۃ المستملی میں ہے:

یجب ان تصانooooo عن حدیث الدنیا ۔

مسجد میں دنیاوی بات سے بچنا واجب ہے۔ [فصل فی احکام المسجد ص ۵۲۶]

فتاویٰ عالمگیری باب فی آداب المسجد میں ہے:

الجلوس فی المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق لان المسجدمابنی لامورالدنیاوفی خزانة الفقه ما یدل علی ان الکلام المباح من حدیث الدنیافی المسجد حرام قال ولا یتکلم بکلام الدنیا ۔

مسجد میں بات کرنے کے لیے بیٹھنا بالاتفاق جائز نہیں اور خزانۃ الفقہ میں جو ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ دنیاوی جائز بات مسجد میں حرام ہے کہا اور دنیاوی بات نہ کرے۔ [جلد ۵/۳۲۱]

فتاویٰ رضویہ میں حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کے حوالے سے ہے:

کلام الدنیا اذا کان مباحاصدقافی المساجدبلاضرورةداعیة الی ذالك كاالمعتكف يتكلم فی حاجته اللازمة مكروه كراهة تحريم .

یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنا حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لیے بات کرے۔[جلد۶/۴۰۳]

(۲) دینی باتیں یا دنیاوی جائز ضروری باتیں مسجد میں کرسکتا ہے۔

درمختار کتاب الصوم باب الاعتکاف میں ہے:

وتكلم الابخير وهومالااثم فيه ومنه المباح عند الحاجة اليه لاعندعدمها

بہتر کلام کرے اور بہتر وہ ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اوراسی میں سے ضرورت کے وقت جائز بات کرنا ہے نا کہ بغیر ضرورت۔[جلد۳/۴۴۱،۴۴۲]

ردالمحتار میں اس عبارت کے تحت ہے:

كره تكلم الاتكلمابخير .

سوائے خیر کے کوئی بات کرنا مکروہ ہے۔[جلد۳/۴۴۱]

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولايتكلم الابخيرهذايتناول المعتكف وغيره الا انه فی المعتكف اشد

بہتر کلام کرے یہ حکم معتکف وغیرمعتکف دونوں کے حق میں ہے مگر معتکف کے حق میں زیادہ مؤکد ہے۔[جلد۱/۲۱۴]

اوراگر بات دینی نہ ہو اور نا ہی ضروری ہو تو پھر معتکف کے لئے حکم کراہت ہے اگرچہ بات جائز ہی ہو۔

فتاوی شامی میں ہے:

فيكره للمعتكف التكلم بالمباح .

(معتکف کے لیے جائز بات کرنا بھی مکروہ ہے)[جلد۱/۲۱۴]

مراقی الفلاح میں معتکف کے لئے مسجد میں جائز بات کرنے کے تعلق سے فرمایا:

الكلام المباح مكروه . [ص ۷۰۵]

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۵/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

موبائل کے مسائل پر مشتمل تفصیلی فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں؛

(۱) اجنبیہ عورتوں سے موبائل پر بات چیت کرنا کیسا اور (customercare) موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے موبائل کے تعلق سے جانکاری حاصل کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۲) موبائل پر گیم کھیلنا کیسا؟

(۳) موبائل کے کیمرے سے کسی جاندار کی تصویر کھینچنا اور اس کو اپنے موبائل کی اسکرین پر رکھنا یا پھر اس کو اندر کسی فولڈر میں چھپا کر رکھنا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں، کیسا ہے؟

(۴) موبائل میں گانے قوالیاں سننا فلمیں دیکھنا کیسا؟

(۵) کیا موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا جائز ہے؟ اور اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ بالا سوالات کے تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

محمد نسیم القادری متعلم الجامعۃ الرضا بریلی شریف

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ و نصلّی علٰی حبیبہ الکریم

بالترتیب جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) اجنبیہ عورتیں چاہے وہ موبائل آفس میں ہوں یا کہیں بھی ان سے بلا ضرورت بات چیت کرنا ناجائز ہے۔ کیوں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"نوازل امام فقیہ ابواللیث میں ہے:

"نغمة المرأة عورة" (عورت کی آواز عورت ہے)

کافی امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

"لاتلبی جهرا لان صوتها عورة" (عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے اس لیے کہ اس کی آواز عورت ہے)[فتاوی رضویہ، ۹/ ۱۴۷]

جب عورت کی آواز بھی عورت ہے تو جس طرح اجنبیہ عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے اس سے بات کرنا بھی جائز نہ ہوگا ہاں اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت بات کرنے کی اجازت ہے، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح اور رد المحتار میں ہے:

فانا نجیز الکلام من النساء الاجانب ومحاورتھن عندالحاجة ۔

ہمارے نزدیک ضرورت کے وقت اجنبیہ عورتوں سے بات کرنے کی اجازت ہے۔

[حاشیہ طحطاوی ص ۲۴۲، ردالمحتار، ۲/ ۷۹]

اور ردالمحتار ہی میں مذکور ''یجوز الکلام المباح مع امرأة اجنبیة'' [۹/ ۵۳۰] (اجنبیہ عورتوں سے جائز بات کرنا جائز ہے) ان عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف ضرورت متحقق ہونے کے وقت بقدر ضرورت اجنبیہ عورتوں سے گفتگو کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

علاوہ ازیں موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے گفتگو کرنے میں ضرورت موجود نہیں کیوں کہ فون کاٹ کے دوبارہ لگانے پر کسی نہ کسی لڑکے سے بات ہو جاتی ہے۔

(۲) حدیث پاک میں ہے:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کل مایلھو به المرء المسلم باطل الارمیه بقوسه وتادیبه فرسه وملاعبته امرأته فانھن من الحق ۔

ہر وہ کھیل جس سے مسلمان آدمی کھیلتا ہے باطل ہے مگر اس کا اپنی کمان سے تیراندازی کرنا اور اپنے گھوڑے کو تربیت دینا اور اپنی بیوی سے چھیڑ چھاڑ پس یہ کھیل حق ہیں)

• [سنن النسائی، باب الرمی فی سبیل اللّٰه، ص ۲۰۲]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفی معناھا کل مایعین علی الحق من العلم والعمل اذاکان من الامور المباحة کالمسابقة بالرجل والخیل والابل والتمشیة لتنزہ علی قصد تقویة البدن وتطریة الدماغ ۔

حدیث میں بیان کردہ کھیلوں میں ہر وہ کھیل داخل ہے جو علم وعمل کے لیے معاون بنتا ہو اور فی نفسہ جائز کاموں میں اس کا شمار ہوتا ہو جیسا کہ پیدل دوڑ، گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ، یا بدن کی تقویت اور دماغ کی تراوٹ کے ارادہ سے چہل قدمی۔ [مرقاة المفاتیح ۷/ ۳۹۶]

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''لذت لعب شرع کریم وعقل سلیم کے نزدیک فائدہ معتد بہا نہیں مگر جبکہ لہو مباح ہو اور تعب کے بعد اس سے ترویح قلب مقصود اب نہ وہ عبث رہے نا حقیقت لعب اگرچہ صورت لعب ہو۔

ولہٰذا حدیث میں ہے، حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الھوا والعبوا فانی اکرہ ان یرمی فی دینکم غلظة، رواہ البیھقی فی شعب الایمان

(کھیلو کودو کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی تمہارے دین میں سختی دیکھے اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)

امام ابن حجر مکی کف الرعاع پھر سیدی عارف باللہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

"اللهو المباح ماذون فیه منه صلی اللہ علیه وسلم

(جائز کھیل کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجازت ہے۔)

[فتاوی رضویہ قدیم جلد ۱/۲۰۱]

ان عبارات سے یہ نتیجہ نکلا کہ موبائل پر ہر وہ گیم کھیلنا جائز ہے جس میں دینی یا دنیوی فائدہ ہو یا بدن کی تقویت اور دماغ کی تراوٹ مقصود ہو اور اس میں خلاف شرع کوئی امر جیسے جاندار کی تصویر وغیرہ نہ ہو۔ اور ایسے گیم جس میں جاندار کی تصاویر ہوں اور اس گیم سے کوئی دنیوی یا دینی فائدہ بھی نہ ہو اور نہ ہی اس سے بدن یا دماغ کو تازگی میسر آئے اس میں اپنا وقت ضائع کرنا خالی از کراہت نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"ہر کھیل اور عبث فعل جس میں نہ کوئی غرض دین نہ کوئی منفعت جائزہ دنیوی ہو سب مکروہ و بے جا ہیں کوئی کم، کوئی زیادہ الخ۔ [فتاوی رضویہ قدیم ۹/۴۴]

(۳) موبائل کے کیمرے سے ہو یا کسی اور چیز کے ذریعہ کسی بھی جاندار کی تصویر کشی ناجائز و حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اصحاب هذه الصور یعذبون یوم القیامة ویقال لهم احیوا ما خلقتم

روز قیامت مصورین عذاب دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جو تم نے بنائی ہیں جان ڈالو) [بخاری شریف ۲/۸۸۱]

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرهم من العلماء: تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وهو من الکبائر لانه متوعدا علیه بهذا الوعید المذکور فی الاحادیث سواء صنعه فی ثوب او بساط او درهم او دینار او غیر ذالك.

ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے فرمایا حیوانات کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور بڑے گناہوں میں سے ہے اس لئے کہ اس پر شدید وعید آئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے، چاہے کسی کپڑے پر تصویر بنائی جائے، یا بستر پر یا درہم و دینار پر یا اس کے علاوہ پر۔ [مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب التصاویر جلد ۸/۳۲۳]

ردالمحتار میں ہے:

فعل التصویر فھو غیر جائز طلقا لانہ مضاھاۃ لخلق اللّٰہ

تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ وہ تخلیق الٰہی سے مشابہ ہے۔[جلد۲/۴۲۰]

لہٰذا جب تصویر کشی ہی حرام ٹھہری تو پھر اس کا اسکرین پر رکھنا کب روا ہوگا کہ اس میں ایک شیٔ حرام کی حفاظت ہے جو حرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ناجائز تصویریں حفاظت سے رکھ چھوڑنا خود ہی منع ہے۔[عطایا القدیر فی حکم التصویر ۵۴]

رہا تصویر کا کسی فولڈر میں محفوظ کرلینا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں یہ بھی ناجائز ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول ولاقرۃ عین فیہ لمن یتمسك التصاویر فی صندوقہ لینظر فیھامتی شاء فانھا وان کانت مستورۃ ما دامت فی الصندوق لکنہ یفتحہ ویخرجھا فتظھر فیاتی التحریم والامساك لامر ممنوع کمن امسك امراۃ لیفجر بھا فی اثم الفجور حین لا یفجر لان الاعمال بالنیات .

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگرچہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کر نکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذا تحریم کا حکم ہوگا اور ممنوع چیز کو رکھنا بھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لئے روک لے تو اس پر بدی کا گناہ ہوگا اگرچہ وہ بدی نہ کررہا ہو اور اعمال کا اعتبار نیت سے ہے[مرجع سابق ص،۵۶]

(۴) گانے سننا مروجہ قوالیاں سننا ناجائز و حرام ہے۔

درمختار میں ہے:

قال ابن مسعود صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کماینبت الماء البنات .

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ کھیل اور گانے کی آواز دل میں نفاق پیدا کردیتی ہے جس طرح پانی گھاس اگادیتا ہے)[جلد۵/۳۵۲]

درمختار ہی میں بزازیہ کے حوالے سے ہے:

وفی البزازیہ استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام استماع الملاھی معصیۃ .

اور بزازیہ میں ہے کہ گانے کے آلات کی آواز جیسے بانسری بجنے کی آواز اور اس کے مثل سننا حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''ملاہی کا سننا گناہ ہے'' کی وجہ سے)[جلد۹/۵۰۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

قال رحمه الله تعالىٰ السماع والقول والرقص اللذی یفعله المتصوفه فی زماننا حرام لایجوز القصد الیه والجلوس علیه .

حلوانی، اللہ رحمت فرمائے ان پر، انہوں نے فرمایا کہ سماع اور قول اور ناچ وہ جسے (نام نہاد) صوفیہ کرتے ہیں ہمارے زمانے میں حرام ہے اس کی طرف ارادہ اور اس میں بیٹھنا جائز نہیں۔ [باب الغناء واللہو، جلد۵/۳۵۲]

عباراتِ بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ گانا اور قوالیوں کا سننا ناجائز و حرام ہے۔ اب رہا یہ کہ موبائل میں سننا تو موبائل ہو یا موبائل کے علاوہ میں ہر طرح حرام ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''شک نہیں کہ طبلہ، سارنگی، ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورات کا گانا یا فحش گیت وغیرہ جن آوازوں کا فونو کے باہر سننا حرام ہے بلاشبہ ان کا فونو سے بھی سننا حرام ہے۔ [فتاوی رضویہ ۹/۱۸]

اور رہا فلم کا دیکھنا تو اس کے ناجائز و حرام ہونے میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجموعۂ مفاسد اور مفضی الی النار ہے اس میں ناچ گانے مرد و زن کا اختلاط و عریانیت جیسے بے شمار امور ممنوعہ پائے جاتے ہیں۔

(۵) موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا ناجائز و حرام ہے کہ یہ اعانۃ علی المعصیۃ یعنی گناہ پر مدد کرنا ہے قرآن میں ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان .

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [ترجمہ کنز الایمان سورہ مائدۃ آیۃ ۲]

فتاوی عالمگیری کتاب الشہادات میں ہے:

الاعانة علی المعاصی والفجور والحث علیهامن جملة الکبائر .

گناہوں اور برائیوں پر مدد کرنا اور اکسانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ [جلد۳/۴۵۱]

اور اس کی آمدنی بھی ناجائز و حرام ہے۔ فتاوی عالمگیری کتاب الاجارۃ میں ہے:

لا تجوز الاجارة علی شیء من الغناء والنوح والمزامیر والطبل وشی ء من اللهو

گانا، نوحہ کرنا، ڈھول تاشے اور کھیل کود کے کسی بھی چیز پر مزدوری جائز نہیں۔ [جلد۴/۴۴۹] **هٰذا ماعندی والعلم عند الله تعالیٰ .**

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۸ ربیع النور ۱۴۳۴ھ

﴿مسجد کے نیچے دوکان میں قرآن وغیرہ کا رکھنا﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں مسجد کی دوکان ہے جو کہ عام راستہ پر ہے زید اس میں کتابیں اور قرآن پاک فروخت کرتا ہے دوکان کے پیچھے سے زینہ ہے اور دوکان کے اوپر لیٹرین بنی ہے حجرے کا راستہ بھی ہے بکر کہتا ہے کہ دوکان میں قرآن وغیرہ رکھے ہیں ان کی بے حرمتی ہو رہی ہے جبکہ دوکان کا رخ اور راستہ عام راستہ کی طرف ہے ان ساری چیزوں کا راستہ دوسرے رخ سے تو کیا اس طرح بے حرمتی ہو رہی ہے بالدلیل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی خلیل احمد محلہ وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں قرآن مجید اور اس کے علاوہ جو بھی کتب شرعیہ دینیہ دوکان میں موجود ہیں ان کی توہین و بے حرمتی لازم نہیں آرہی ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر ومستند کتاب ''محیط برھانی'' میں ہے:

لو وضع فی البیت لاباس بالنوم علی سطحہ ००००واذا حمل المصحف او شیء من کتب الشریعۃ علی دابۃ فی جوالق ورکب صاحب جوالق علی الجوالق لا یکرہ ۔

اگر گھر میں قرآن رکھا ہو تو چھت پر سونے میں کوئی حرج نہیں ....اور جب قرآن شریف یا کتب شرعیہ بورے میں کر کے سواری کے جانور پر رکھدی جائیں اور سوار اس بورے پر بیٹھ جائے تو کوئی کراہت نہیں) [الفصل الخامس، ۵/۱۵۴] وھکذافی الھندیہ، ۵/۳۲۲]

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

لو جعل المصحف فی الجوالق وھو یرکب علیہ لاباس بہ للحفظ ولغیر الحفظ یکرہ ۔

اگر قرآن بورے میں رکھا اور وہ اس پر سوار ہو گیا تو کوئی حرج نہیں جب کہ یہ بیٹھنا حفاظت کی غرض سے ہو ورنہ مکروہ ہے) [کتاب الطھارۃ،باب الحیض، ۱۴۸] ھذاماعندی والعلم عنداللہ تعالی ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۹؍ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا، اور قیامت ملک شام میں واقع ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں:

(۱) کیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا اگر نہیں تو پھر حضرت کے والد کا نام کیا تھا؟

(۲) میدانِ قیامت ملکِ شام ہے یا میدانِ عرفات؟

حاجی اصغر حسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا باپ نہیں۔حضرت کے والد گرامی کا نام نامی اسم گرامی تارخ یا تارح ہے۔حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں آیت کریمہ "واذقال ابراھیم لابیہ آزر" کے تحت فرماتے ہیں:

"قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے امام علامہ جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے"۔

[پارہ ۷، سورہ انعام آیت ۷۵]

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ اسی آیت کریمہ کے تحت رقم طراز ہیں:

"امام جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں نیز مفردات میں امام راغب نے تفسیر کبیر میں امام رازی نے علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا آزر بت پرست تھا۔آپ کے والد کا نام تارح ہے جو مومن وموحد تھے تفسیر ابن کثیر نے بھی یہی کہا ہے۔"

[تفسیر نعیمی پارہ ۷ سورہ انعام، ص ۶۰۵]

علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالے **مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ**، میں علامہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

الامام فخر الدین الرازی فقال فی کتابہ"اسرار التنزیل"مانصہ'قیل ان آزر لم یکن والدابراھیم بل کان عمہ،واحتجوا علیہ بوجوہ منھا ان آباء الأنبیاء ماکانوا کفاراً، الخ۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں فرمایا کہ کہا گیا کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔اور اس پر چند وجوہ سے احتجاج کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ کہ انبیاء کے آباء کافر نہیں تھے۔

[مسالک الحنفاء، ص ۲۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اہل تواریخ واہل کتابین (یہود ونصاریٰ) کا اجماع ہے کہ آزر باپ نہ تھا سید خلیل علیہ السلام الجلیل کا چچا تھا''

[فتاویٰ رضویہ جدید،۳۰/۲۸۴

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تحقیق یہ ہے کہ آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، چچا تھا۔ان کے والد ماجد کا نام تارخ تھا۔

[فتاویٰ شارح بخاری، ج ا ص ۵۴۹

نیز علامہ عینی نے شرح بخاری میں تارح بالحاء اور تارخ بالخاء دونوں کو نقل کیا ہے

[عمدۃ القاری شرح بخاری ۵۲/۱۱

الحاصل: اکثر علماء اہلسنّت کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم حضرت تارخ یا تارح ہیں اور آزر چچا ہے۔

(۲) قیامت کا میدان ملک شام ہے۔حضور صدر الا فاضل فرماتے ہیں:

''آخر حشر روزِ قیامت کا حشر ہے کہ آگ سب لوگوں کو سرزمین شام کی طرف لے جائے گی اور وہیں ان پر قیامت قائم ہوگی۔''

[تفسیر خزائن العرفان پارہ ۲۸ سورہ حشر آیت ۲]

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:

''یحشر الناس احیاء الی الشام''

لوگ زندہ کر کے ملک شام کی طرف جمع کئے جائیں گے۔[جلد ۱۰/۱۹۰ باب الحشر]

واللہ تعالیٰ اعلم باالصواب ۔

کتبہ

محمدذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۶/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن کا شرعی حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں سر پر اگر بال کم ہوں کچھ جگہ خالی ہو تو کیا بالوں کی ٹرانسپلانٹیشن یعنی خالی

جگہ پر اپنے یا کسی اور کے بال لگوا سکتے ہیں۔
شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد ناظم رضوی منصوری، قصبہ پیپل سانہ مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن (پیوندکاری) سے متعلق کوئی حکم بیان کرنے سے پہلے ہم اس سے متعلق احادیث کریمہ ونصوص محدثین وفقہاء کا جائزہ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

عن اسماء بنت ابی بکران امراۃجاء ت الی رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلّم فقالت انی انکحت ابنتی ثم اصابھاشکوی فتمرق رأسھا و زوجھا یستحثنی بھا افاصل رأسھافسب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الواصلۃ والمستوصلۃ ۔

ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ میری بیٹی کے چیچک کی وجہ سے بال جھڑ گئے ہیں اور میں نے اس کا نکاح کردیا تو کیا میں اس کے بال جوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ بال جوڑنے والی اور جڑوانی والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لعن اللّٰہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور گودنے اور گودوانے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔[البخاری باب الوصل فی الشعر ۲/۸۷۸،۸۷۹]

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ "الواصلۃ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ای التی تصل الشعرسواء کان لنفسھاام لغیرھا"

واصلہ وہ ہے جو بال جوڑے خواہ اپنے یا اپنے غیر کے

اور

المستوصلۃ"ھی التی تطلب وصل شعرھا ۔

مستوصلہ وہ ہے جو اپنے بال جڑوائے۔

[فتح الباری فی شرح البخاری،باب وصل الشعر، ۱۷/۳۵،۴۳]

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے

نقل ابو عبیدعن کثیرمن الفقهاء ان المنع فی ذالك وصل الشعربالشعر

ابوعبید نے بہت سے فقہاء سے نقل کیا کہ بال کا بال سے جوڑ نا منع ہے۔[**باب الوصل فی الشعر**]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے:

وقال القرطبی هٰذانص فی تحریم وصل الشعربشعر .

امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ نص بال کو بال سے ملانے کی حرمت میں ہے۔[**فیض القدیر شرح جامع صغیر،حرف اللام،۵/۲۷۳**]

احکام جراحۃ التجمیل فی الفقہ الاسلامی میں ہے:

اتفق الفقهاء علی تحریم وصل الشعرفی الجملة .

فقہا نے بال ملانے کی حرمت پر بالکلیہ اتفاق کیا ہے۔[ج۱،ص۳]

مذکورہ بالا احادیث اور عبارات علماء سے سے صرف یہ مفہوم مستفاد ہورہا ہے کہ بالوں کو بالوں سے ملانا حرام ہے۔ البتہ محدثین کرام وفقہاء عظام کے آراء ونظریات سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ مطلقاً بالوں کا ملانا حرام نہیں بلکہ اپنے یا غیر کے بال دوسرے کے بال سے ملانا حرام ہے۔ملاحظہ ہو۔

شرح نووی میں ہے:

اماالواصلةفهی التی تصل شعر المرأة بشعر آخر ٥٥٥٥ وهٰذه الاحادیث صریحة فی تحریم الوصل ولعن الواصلة والمستوصلة مطلقاً وهٰذاهوالظاهر المختار٥٥٥٥وفی هٰذاالحدیث ان الوصل حرام سواء کان لمعذورةاوعروس اوغیرهما

واصلہ وہ ہے جو عورت کے بال دوسرے کے بال کے ساتھ ملائے اور یہ احادیث بال ملانے کی حرمت کے سلسلے میں صریح ہیں اور واصلہ اور مستوصلہ کی لعنت مطلق ہے یہی ظاہر پسندیدہ ہے اور اس حدیث میں وصل حرام ہے خواہ وہ معذورہ کے لئے یا دلہن یا ان دونوں کے علاوہ کے لئے ہو)[ج۷ص ۲۳۶ ،**باب تحریم فعل الواصلة**]

حاشیة السندی علی ابن ماجة میں ہے:

الواصلةهی التی تصل الشعر بشعر آخرسواء اتصل بشعرهااوبشعرغیرها .

واصلہ وہ ہے جو دوسرے کے بال سے بال ملائے خواہ اپنے بال یا دوسرے کے)[۱۷۵/۴]

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے:

"الواصلة"ای التی تصل الشعرسواء کان لنفسهاام لغیرها .

واصلہ وہ ہے جو بال سے بال سے ملائے خواہ اپنے یا دوسرے کے)[تحفة الاحوذی، ۳۶۸/۵، باب ماجاء فی مواصلةالشعر]

احکام جراحة التجمیل فی الفقه الاسلامی میں ہے:

الواصلة فی الاحادیث هی التی تصل شعرامرأةبشعراخری لتکثربه شعر المرأة ۰۰۰۰ ان الوصل حرام لان اللعن لایکون علی امرغیرمحرم و دلالة اللعن علی التحریم من اقوی الدلالات۰۰۰۰۰۰اتفق فقهاء الحنفیه و المالکیة والحنابلة و الظاهریة و الشافعیة علی تحریم وصل شعر المرأة بشعر آدمی بقصدالتجمل و التحسین سواء اکان الشعرالذی تصل به شعرها ام شعرزوجهاام محرمهاام امرأة اخری غیرهالعموم الاحادیث الواردة فی النهی عن الوصل ولانه یحرم الانتفاع بشعرالادمی وسائر اجزائه لکرامته بل یدفن شعره وظفره وسائراجزاءہ .

واصلہ احادیث میں وہ عورت ہے جو عورت کے بال دوسری عورت کے بال سے ملائے تا کہ اس سے عورت کے بال زیادہ ہو جائیں.....وصل حرام ہے اس لئے کہ لعنت نہیں ہوتی ہے غیر حرام معاملہ پر اور لعنت کی دلالت وصل کی حرمت پر دلیلوں میں سب سے مضبوط ہے....فقہاء حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور شوافع عورت کے انسان کے بال کے ساتھ بال ملانے کی حرمت پر متفق ہیں۔ زینت اور خوبصورتی کے ارادے سے خواہ وہ بال جو وہ عورت جوڑ رہی ہے اسی کا بال ہو یا اس کے شوہر کا یا اس کے محرم کا یا دوسری عورت کا ان احادیث کے عمومیت کی وجہ سے جو بال ملانے کی نہی میں وارد ہوئیں ہیں اور اس لئے کہ نفع حاصل کرنا آدمی کے بال سے اور اس کے تمام اجزا سے اس کی بزرگی کے سبب ہے۔ بلکہ اس کے بال اور ناخون اور تمام اجزاء دفن کئے جائیں گے)[ا/ص۴]

مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ویکره وصل الشعربشعرآدمی سواء کان شعرها اوشعرغیرها

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا مکروہ ہے خواہ وہ عورت کے بال ہوں یا اس کے غیر کے)[فصل فی المتفرقات، ۲۱۱/۸]

شرح بھجۃ الوردیۃ میں ہے:

وصلها شعرها بشعر آدمی حرام قطعا لانه يحرم الانتفاع بشیء منه لكرامته سواء كان شعرها او شعر غيرها اذن فيه الزوج او لا لانه بانفصاله من الآدمی تجب مواراته كذا فی الروضة .

عورت کا اپنے بال آدمی کے بال کے ساتھ جوڑنا حرام قطعی ہے اس لئے کہ حرام ہے نفع حاصل کرنا آدمی کی کسی جز سے اس کی بزرگی کی وجہ سے خواہ وہ بال عورت کا ہو یا اس کے غیر کا اس کے شوہر نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اس لئے کہ اس کا آدمی سے الگ ہونا واجب کر دیتا ہے اس کی تکریم کو۔

[۲۵۵/۳، فصل فی بیان شروط الصلاۃ

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها كذا فی الاختيار شرح المختار"

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا حرام ہے خواہ وہ بال عورت ہو یا غیر کا۔

[الفتاوی الهندیه کتاب الکراهیة ۔۳۵۸/۵]

بدائع الصنائع میں ہے:

يكره للمرأة ان تصل شعر غيرها من بنی آدم بشعرها لقوله عليه السلام لعن الله الواصلة والمستوصلة .

عورت کے لیے اپنے بال دوسرے آدمی کے بال کے ساتھ ملانا مکروہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لعن الله الواصلة والمستوصلة" کی وجہ سے)[کتاب الاستحسان باب حکم الخلوة باالمرأة]

فتاوی شامی میں تاتارخانیہ کے حوالے سے ہے:

لكن فی التاتارخانيه واذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهو مكروه

لیکن تاتارخانیہ میں ہے کہ جب عورت اپنے غیر کے بال اپنے بال کے ساتھ ملائے تو مکروہ ہے۔

[کتاب الحظر والاباحة ۵۳۵/۹]

مزید واصلۃ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الواصلة التی تصل الشعر بشعر الغير .

واصلہ وہ ہے جو بال غیر کے بال سے ملائے۔[کتاب الحظر والاباحة، ۵۳۶/۹]

مذکورہ بالا عبارات محدثین وفقہاء کی روشنی میں صاف ظاہر ہوگیا کہ اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے کے بالوں کو ملانا حرام ہے۔

رہا اپنے بالوں میں اپنے ہی بال ملانے کا حکم تو اس سلسلے میں اس وقت کوئی صریح جزیہ فقیر کی نظر میں نہیں آیا۔ البتہ احادیث کے تناظر میں بیان کردہ علماء کے ارشادات سے ماخوذ حکم شرع (بالوں کا دوسرے کے بالوں سے جوڑنا حرام ہے) سے یہی مستفاد ہو رہا ہے کہ اپنے بالوں کا اپنے ہی بالوں سے جوڑنا حرام نہیں ہے مزید یہ کہ اپنے بالوں میں اپنے ہی بال جوڑنے سے متعلق شرعاً ممانعت نہ ہونا ہی جواز کے لیے کافی ہے۔

لہٰذا بالوں کی پیوندکاری (ٹرانسپلانٹیشن TRANSPLANTAION) اگر اپنے ہی بالوں سے ہے یعنی اپنے بال اپنے ہی بالوں میں جوڑے جائیں تو احقر کے نزدیک جائز ہے۔

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ صلّی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۸/ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿داڑھی منڈے کا شرعی حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ منبر رسول پر داڑھی منڈے کو بٹھانا کیسا ہے؟ اور اس کے بارے میں نورانی چہرہ والا کہنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی محمد ناظم قاضی باغ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

ایک مشت داڑھی رکھنا ازروئے شرع واجب ہے اس سے کم کرنے والا شرعاً فاسق و گنہگار ہے۔ اس کو منبر پر بٹھانا اس کے مکروہ چہرہ کو نورانی کہہ کر اس کی تعریف کرنا کسی بھی طور پر اس کی تعظیم وتکریم کرنا ناجائز وحرام مستوجب غضب الٰہی اور عذاب شدید کا باعث ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انھکوا الشوارب واعفوا اللحی

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مونچھیں پست کرواور داڑھیاں بڑھاؤ۔

[صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی، ۸۷۵/۱

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

حلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج و ہنود وجو القیان است کہ ایشانرا قلندریہ گویندو گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است۔

داڑھی منڈانا حرام ہے اورانگریزوں، ہندوؤں اورقلندروں کا طریقہ ہے اورایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔[کتاب الطہارۃ باب السواک، ج ۱ ص ۲۱۳]

شعب الایمان للبیہقی میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل یغضب اذامدح الفاسق فی الارض۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں جوحضرت انس سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذامدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اوراس کی وجہ سے عرشِ الٰہی کانپ جاتا ہے۔[شعب الایمان للبیہقی ج۴ ص ۲۳۱،باب فی حفظ اللسان]

اس کی تعظیم تو درکنار علمانے تواس کی توہین کا حکم فرمایا ہے۔صاحب تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق فاسق کی توہین کوواجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

الفاسق ۰۰۰۰ وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔

لوگوں پرازروئے شرع فاسق کی توہین ضروری ہے۔

[۱۵۷/۲ ،باب الاحق بالامامۃ]

لہٰذاجس شخص نے بھی داڑھی منڈے کومنبرپربٹھایااورنورانی چہرہ والاکہااسے چاہیے توبہ کرے اورآئندہ ایسی خلاف شرع بات زبان پرنہ لائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۲/ذی الحجۃ ۱۴۳۳ھ

﴿غیر مسلم سے گوشت بنوانا﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں ایک مسلمان نے لڑکی کی شادی میں ایک غیر مسلم جس کی جھٹکے کے گوشت بیچنے کی دوکان ہے اس سے مرغہ کا گوشت بنوایا اس نے اپنے گوشت رکھنے کے سارے برتن چھریاں کرا کری کا استعمال کیا مرغہ ذبح کرنے کے لئے ایک مسلمان لڑکا لگا رکھا تھا۔ اس گوشت کو جن مسلمانوں نے کھایا ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

شہاب الدین محلہ کٹورہ تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ غیر مسلم کی دوکان سے گوشت بنوانا اس وقت جائز ہوگا جب کہ ذابح (ذبح کرنے والا) مسلمان ہو اور وذبح کے وقت سے لیکر گوشت بنوانے والے مسلمان کے ہاتھوں میں گوشت پہنچنے کے وقت تک گوشت کسی لائق اعتبار مسلمان آدمی کے نگاہ کے سامنے رہے۔ ورنہ اس گوشت کا خریدنا بنوانا کھانا اور کھلانا، سب ناجائز وحرام ہوگا اور کھانے اور کھلانے والوں پر توبہ ضروری۔

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ میں ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا۔“ [فتاوی رضویہ جدید ۲۰/۲۸۲]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”اگر ذبح کر کے اسے (یعنی کافر کو) دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا اس نے گوشت بنایا اور

مسلمانوں کو دیا تو اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا "فان الکافر لایقبل قولہ فی الدیانات" دین کے امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں" [فتاوی رضویہ جدید، ۲۰/۳۰۹]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۲/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

روٹی چومنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماے کرام درج ذیل مسئلہ میں لوگ روٹی کو چومتے ہیں اس کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ذیشان کٹ گھر مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

روٹی کی تعظیم وتکریم جائز بلکہ مستحب ہے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی کی تعظیم وتکریم کا حکم عطا فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لاتقطعوا الخبز بالسکین اکرموہ فان اللہ اکرمہ ۔

روٹی کو چھری سے مت کاٹو اس کی تکریم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنایا ہے۔[مسند الفردوس للدیلمی، ۱/۴۸۸]

اور روٹی چومنے سے متعلق درمختار میں ہے:

اماتقبیل الخبز فحرر الشافعیة انه بدعة مباحة وقیل حسنة وقالوا یکرہ دوسه لابوسه ۔

رہا روٹی چومنا تو شوافع نے بدعت مباحہ لکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ بدعت حسنہ ہے اور انہوں نے کہا کہ اس کا کچلنا مکروہ ہے نہ کہ چومنا۔[باب الاستبراء، ۹/۵۵۲]

عقود الدریة فی تنقیح الفتاوی لابن عابدین میں ہے:

کون تقبیل الخبز بدعة فصحیح ولکن البدعة لاتنحصر فی الحرام بل تنقسم الی الاحکام الخمسة ولا شك انه لایمکن الحکم علی هٰذا بالتحریم لانه لادلیل علی تحریمه ولا بالکراهة لان المکروه ماورد فیه نهی خاص ولم یرد فی ذالك نهی والذی یظهر ان هٰذا من البدع المباحة فان قصد بذلك اکرامه لاجل الاحادیث الواردة فی اکرامه فحسن ۔

[۴۳۶/۷]

روٹی چومنا بدعت ہے صحیح ہے لیکن بدعت حرام میں منحصر نہیں ہے بلکہ بدعت پانچ احکام میں منقسم ہوتی ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس پر حرام کا حکم ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے حرام اور مکروہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں اس لئے مکروہ وہ ہے جس کے سلسلے میں کوئی نہی خاص وارد ہوا اور اس سلسلے میں کوئی نہی وارد نہیں ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بدعت مباحہ ہے پس اگر روٹی چومنے سے اس کی تعظیم کا ارادہ کرلے ان احادیث کے سبب جو روٹی کی تعظیم میں وارد ہیں اچھا ہے۔

واللہ تعالی اعلم۔

کتبه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخه ۲/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

(اورل سیکس) ہم بستری کا غلط طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں

(۱) کیا شوہر اپنی حائضہ بیوی کی شہوت کی تسکین کے لئے اس کی شرمگاہ میں اپنی انگلی کا استعمال کرسکتا ہے؟

(۲) اورل سیکس (یعنی میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو چوسنا) شرعاً کیسا ہے؟

(۳) بیوی اگر حالت حیض میں ہو تو کیا وہ شوہر کی منی اپنے ہاتھ سے نکال سکتی ہے؟

شریعت کی روشنی میں جوابات عنایت فرمائیں۔

(مفتی) محمد کاشف رضا بنگلور

۱۲/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی حبیبه الکریم

(۱) یہ عمل ازروئے شرع جائز نہیں ہے کیوں کہ شوہر کے لئے حائضہ بیوی کی شرمگاہ یا ناف سے گھٹنے تک کسی حصہ کا چھونا جائز نہیں ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

یحرم علیه الاستمتاع بمابین السرة والرکبة ۔

مرد کو ناف اور گھٹنے کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ [باب الحیض، ۱/۳۴۴]

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

فیجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها والرکبة وماتحتهاوالمحرم الاستمتاع بمابینهما ۔

ناف اور ناف کے اوپر اور گھٹنا اور اس کے نیچے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور ان دونوں کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے) [باب الحیض، ۱/۱۴۹]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''کلیہ یہ ہے کہ حالتِ حیض ونفاس میں زیرِ ناف سے زانو تک عورت کے بدن سے بلاکسی ایسے حائل کے جس کے سبب جسم عورت کی گرمی اس کے جسم کو نہ پہنچے تمتع جائز نہیں یہاں تک کہ اتنے ٹکڑے بدن پر شہوت سے نظر بھی جائز نہیں اور اتنے ٹکڑے کا چھونا بلاشہوت بھی جائز نہیں اور اس سے اوپر نیچے کے بدن سے مطلقاً ہر قسم کا تمتع جائز یہاں تک کہ تحق ذکر کر کے انزال کرنا۔ [فتاوی رضویہ جدید،۴/۳۵۳]

(۲) علماء کرام نے اس عمل کو مکروہ قرار دیا ہے

محیط برہانی میں ہے:

''اذاادخل الرجل ذکره فی فم امرأته فقدقیل یکره لانه موضع قراءة القرآن فلایلیق به ادخال الذکر فیه''

جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منھ میں داخل کرے تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے اس لیے کہ منھ قرآن پڑھنے کی جگہ ہے۔ پس اس وجہ سے آلہ کا منھ میں داخل کرنا مناسب نہیں ہے۔ [۱/۱۳۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فی النوازل اذا ادخل الرجل فی فم امرأته قدقیل یکره ۔

نوازل میں ہے کہ جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منھ میں داخل کرے تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے۔ [۵/۵۷۲]

(۳)ہاں یہ عمل جائز ہے۔فتاوٰی شامی میں ہے:

یجوزان یستمنی بیدزوجته او خادمته"

اپنی بیوی یا خادمہ(لونڈی) کے ہاتھ سے منی نکالنا جائز ہے۔واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصّواب ۔

[کتاب الحدود، ۶/۳۹]

کتبه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه۲۶/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

﴿سیکس ڈول﴾(SEX DOLL)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ قضائے شہوت کے مصنوعی طریق اختیار کرنا کیسا ہے؟ مشت زنی اور زنا کے علاوہ یورپی تہذیب کے اثرات سے نت نئے ذرائع سامنے آرہے ہیں۔یورپی کمپنی کا ایک پروڈکٹ Sex Doll ہے یعنی مصنوعی لڑکی جو کہ ویب سائٹ پر فروخت کے لیے پیش کی جارہی ہے جو کہ جسامت اور قد و قامت میں مثل انسان ہے اور ویب سائٹ پر دی گئی Promo Vedio کے مطابق تمام حرکات وسکنات میں بھی مثل جسم انسانی ہے۔ایسے آلات کا بنانا،فروخت کرنا،خریدنا اور استعمال کرنا عندالشرع کیسا ہے؟

گلزاراحمدقادری،پاکستان

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

اس مصنوعی لڑکی کا استعمال ازروئے شرع ناجائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے بیوی اور باندی کو تسکین قلب ونفس کا ذریعہ بنایا ہے مرد کے لیے ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے استمتاع جائز نہیں۔فتاوی شامی میں ہے:

فلوادخل ذکره فی حائط او نحو حتی امنی اواستمنی بکفه بحائل یمنع الحرارة یاثم ایضاویدل ایضا علی ما قلنافی الزیلعی حیث یستدل علی عدم حله بالکف بقوله تعالیٰ والذین هم لفروجهم حافظون الآیة وقال فلم یبح الاستمتاع الابهمای بالزوجة والامة"فافادعدم حل الا ستمتاع ای قضاء الشهوة بغیرهما ۔[کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف،۳/۳۷۱]

اگر مرد نے اپنے ذکر کو دیوار یا اس کے مثل کسی چیز میں داخل کیا یہاں تک کہ منی نکل آئی یا حرارت کو روکنے والی کسی چیز کے ہوتے ہوئے ہاتھ سے منی نکالی تو وہ گنہگار رہوگا زیلعی میں ہاتھ سے منی نکالنے کے جائز نہ ہونے پر قرآن کی آیت:

والذین هم لفروجهم حافظون

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ بیوی اور باندی کے سوا کسی سے استمتاع جائز نہیں ہے تو اس بحث نے استمتاع یعنی بیوی اور باندی کے سوا شہوۃ پوری کرنے کے حلال نہ ہونے کا نفع دیا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ علماء نے شہوت کے اس حد تک برانگیختہ ہوجانے پر کہ زنا یا کسی اور امر حرام کے ارتکاب کی نوبت آجانے کا قوی اندیشہ ہو مشت زنی کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

و کذاالاستمناء بالکف و ان کره تحریمالحدیث ناکح الیدملعون ولو خاف الزنا یرجی ان لا وبال علیه .

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والا ملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر زنا کا اندیشہ ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

اس کے حاشیہ میں امام شامی فتح کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فان غلبته الشهوة ففعل ارادة تسکینها به فالرجاء ان لایعاقب

اگر مرد پر شہوۃ کا غلبہ ہو اور وہ تسکین شہوۃ کی غرض سے جلق کرلے تو امید ہے کہ عذاب نہیں دیا جائے گا۔

مزید فرماتے ہیں:

وفی السراج ان اراد بذلك تسکین الشهوة المفرطة الشاغلة للقلب و کان عزبالازوجة له ولا امة او کان الاانه لایقدرعلی الوصول الیهابعذرقال ابو اللیث ارجوان لاوبال علیه .

سراج میں ہے کہ اگر جلق کے ذریعہ حد سے بڑھی ہوئی اور دل کو بہکانے والی شہوۃ کی تسکین مقصود ہو اور وہ کنوارا ہو اس کی کوئی بیوی اور باندی نہ ہو یا ہو مگر کسی عذر کے سبب ان سے مطلب براری ممکن نہ ہو تو فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی وبال نہ ہوگا۔

لیکن اس کو اس مصنوعی گڑیا پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ یہ گڑیا مجموعۂ منکرات و مفسدات ہے۔ شہوۃ کو برانگیختہ کرنے اور لذت اندوزی کا آلہ ہے اور جہاں تک شہوۃ کو حاصل کرنے اور لذت کی تحصیل کا معاملہ ہے ہرگز ہرگز سوائے بیوی اور باندی کے کسی بھی چیز سے شہوۃ اور لذت حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار رہوگا۔

ردالمحتار میں ہے:

واما اذافعله لاستجلاب الشهوة فهو آثم .

اور جب مشت زنی شہوۃ کو حاصل کرنے کے لیے کی تو گنہگار ہوگا۔[مرجع سابق]

لہٰذا اس مصنوعی گڑیا کا استعمال اور اس کا بنانا اور اس کی خرید وفروخت

از روئے شرع بالکل نا جائز ہے۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ .

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۱۳/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

مچھر مارنے کی مشین کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ مچھروں کو مارنے کے لئے ایک مشین مارکیٹ میں آئی ہے جس میں کرنٹ ہوتا ہے اور وہ بجلی سے چارج ہوتی ہے اس کا استعمال مچھر کو مارنے کے لئے کیا جاتا ہے از روئے شرع اس کا استعمال کیسا؟

جواب عنایت فرمائیں۔

محمد انیس عالم رضوی پاکبڑا مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم – نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اس آلہ کا کام ہے مچھروں کو جلادینا ہے اور کسی بھی جاندار کو جلانے سے شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي سَفَرٍ ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ ، فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا ، فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ ، فَجَعَلَتْ تُعَرِّشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ، فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا ؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا ، فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ ؟ قُلْنَا نَحْنُ ، قَالَ إِنَّهُ

لاَ یَنْبَغِی أَنْ یُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والدگرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ قضائے حاجت کوتشریف لے گئے ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے تو چڑیا پر بچھانے لگی اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ نے فرمایا اسے اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تڑپایا ہے اس کے بچے اسے واپس کردو اور پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا بل دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا فرمایا کہ اسے کس نے جلایا؟ ہم نے کہا کہ ہم نے جلایا ہے فرمایا کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا آگ پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔

[سنن ابو داود، کتاب الادب،باب فی قتل الذر،۲/۷۱۴]

اس حدیث مبارک سے صاف ثابت ہے کہ جاندار کوجلانے کا اختیار صرف اللہ کو ہے بندے کواس کی اجازت نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وأما فی شرعنا فلا یجوز احراق الحیوان بالنار الا فی القصاص بشرطه

ہماری شریعت میں جاندار کوجلانا جائز نہیں ہے البتہ قصاص میں اس کی شرط کے ساتھ اجازت ہے)

[فتح الباری شرح صحیح بخاری،۶/۳۵۸]

درمختار میں ہے:

في المبتغی یکره احراق جراد وقمل وعقرب ولابأس بأحراق حطب فیمانمل

مبتغی میں ہے کہ ٹڈی اور گھن اور بچھو جلانا مکروہ ہے اور اگر لکڑی میں ہوتو اس لکڑی کوجلانے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ شامی نے اس کراہت کوکراہت تحریمی قرار دیا ہے "یکره احراق جراد" کے تحت فرماتے ہیں:

ای تحریما

(یعنی ٹڈی وغیرہ کوجلانا مکروہ تحریمی ہے)[کتاب الخنثی، ۱۰/۴۸۲]

محیط برہانی میں ہے:

وفی فتاوی أهل سمرقندإحراق القمل والعقرب بالنار مکروه، جاء فی الحدیث لا یعذب بالنار إلا ربها ۔

فتاویٰ اہل سمرقند میں ہے ٹڈی اور بچھو کوجلانا مکروہ ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آگ سے عذاب نہیں دے

گا مگر آگ کا پیدا کرنے والا۔[۵/۲۵۴، الفصل الثالث والعشرون]

مذکورہ بالا حدیث مبارک اور فقہی عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ کسی جاندار کو جلانا جائز نہیں ہے کیوں کہ جلا کر عذاب دینا صرف اللہ کے لئے ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مچھر مہلک جانور ہے اس کے کاٹنے سے انسان کے جسم میں ڈینگو بخار، ملیریا اور ٹائی فائڈ جیسی بہت ساری مہلک بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں اور ان بیماریوں کے سبب انسان کا بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن مچھروں کو بھگانے اور مارنے کے اور بہت سارے طریقے موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے اس طریقہ کار کو اپنانا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہونا چاہیے۔

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۳/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

﴿۲۵ سوالات کے تفصیلی جوابات﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں:

(۱): اہلسنّت و جماعت کسے کہتے ہیں؟

(۲): سنّی کی پہچان کیا ہے؟

(۳): محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اللہ کے ولی ہیں لگ بھگ سبھی مسلمان آپ سے محبت کرتے ہیں مگر آپ کے طریقے پر چلنے والوں کو ''وہابی'' کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہی لوگ آپ کے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

(۴) کتابوں میں پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے کہ چاروں امام (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) حق پر ہیں ان میں سے کسی ایک امام کی پیروی کرنا واجب ہے مگر ان کے ماننے والوں میں شدید اختلاف کیوں؟

(۵) محفل میلاد کا انعقاد کرنا کیسا؟

(۶) نماز سے فارغ ہونے کے بعد، محفل میلاد اور قرآن خوانی کے بعد ایک طرف ترچھا ہو کر کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا کیسا؟

(۷) بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنا کیسا ہے۔؟

(۸) احباب و عام مسلمین کو کھانا کھلانا نیاز یا فاتحہ کے طور پر کیسا ہے۔

(۹) کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانا۔ کہاں سے ثابت ہے۔

(۱۰) شب برأت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) اذان وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا؟

(۱۲) فرض نماز کی اذان کے بعد صلاۃ پڑھنا کیسا؟

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے اندر سنت ہے یا دروازے پر اور مسجد کے اندر اذان پڑھنا کیسا؟

(۱۴) تکبیر بیٹھ کر سننا چاہئے یا کھڑے ہو کر؟

(۱۵) وتر کی نماز فرض، واجب، سنت کیا ہے اس کی قضا پڑھی جانی چاہئے یا نہیں؟

(۱۶) نماز پڑھنے کے لئے جب کھڑے ہوں تو اپنے اور دوسرے مقتدی کے پاؤں کے درمیان کیا چار انگلیوں کا فاصلہ

رکھا جائے گا؟

(۱۷) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منھ پھیر لینا اور دعا مانگنا کیسا؟

(۱۸) فجر کی نماز کے بعد پابندی کے ساتھ مصافحہ کرنا کیسا؟

(۱۹) داڑھی منڈانا کیسا ہے اور داڑھی منڈے کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں

(۲۰) شریعت میں داڑھی کی مقدار کیا ہے؟

(۲۱) مونچھیں بالکل صاف کر دینا کیسا ہے؟

(۲۲) قربانی کا گوشت غیر مسلم دوستوں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲۳) مرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲۴) قبر کے اندر عہد نامہ رکھنا کیسا؟

(۲۵) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر اذان پڑھنا کیسا؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد مقبول انصاری
کوارٹر نمبر ۶۹۶، پنت نگر ضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الكریم

تمام سوالات کے ترتیب وار جوابات تحریر کیے جا رہے ہیں:

(۱) اہلسنّت و جماعت کی تعریف

جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے طریقہ پر ہیں اصطلاح شرع میں انہیں اہلِ سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم كطريقة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم واصحابه رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم . [كتاب المناقب باب ثواب هذه الامة ج ١١ ص ٢١١]

اہل سنت وہ ہیں کہ ان کا طریقہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کی طرح ہے۔

(۲) سنّی کی پہچان

موجودہ دور میں سنّی کی پہچان یہ ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے قرآن وحدیث اور صحابہ ودیگر اسلاف سے جو عقائد ثابت ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کو جھوٹ وغیرہ عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ونظیر کو محال ماننا نبی کو علوم غیبیہ کا عالم ماننا، حاضر وناظر تسلیم کرنا اللہ کے حکم سے مختار کونین جاننا، اور وہ شعائر جو قرآن وحدیث یا صحابہ واسلاف سے ثابت ہوں جیسے متبرک مقامات واوقات کا احترام، جشن عید میلاد النبی ومجلس میلاد نبی اور اولیاء کرام کا اعراس کا انعقاد اور نیاز وفاتحہ کرنے اور بہت سے شعائر جو اسلاف سے اب تک چلے آرہے ہیں ان کو جائز اور باعث برکت سمجھنا، مزید یہ کہ علامہ فضل حق خیرآبادی، علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ کفایت اللہ کافی، حضور اعلیٰ حضرت، حضور صدر الافاضل وغیرہم علمائے اہلسنّت کے عقائد ونظریات وتعلیمات کو مانے موجودہ دور میں اسی کو سنّی کہتے ہیں۔ اور یہی سنی ہونے کی پہچان ہے۔

(۳) وہابی غوث پاک کے طریقہ پر نہیں

یہ بات سراسر غلط ہے کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ وہابی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد ونظریات کی تقلید کرتے ہیں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی جس کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''یہ ناپاک ترکہ اسی بے باک اخبث امام اول دین مستحدث یعنی ابن عبدالوہاب نجدی علیہ ماعلیہ کا ہے کہ اپنے موافقان ناخردمند نفرے چند بے قید وبند آزادی پسند کے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتا اور خود اپنے باپ دادا اساتذہ مشائخ کو بھی صراحتہً کافر کہہ کر پوری سعادت مندی ظاہر کرتا.....اگر چہ بظاہر ادعائے حنبلیت رکھتا مگر مذاہب ائمہ کو مطلقاً باطل جانتا اور سب پر طعن کرتا اور اپنے اتباع ہر کندہ ناتراشیدہ کو مجتہد بننے کا حکم دیتا۔''

اعلیٰ حضرت ابن عبدالوہاب نجدی سے متعلق مزید فتاوی شامی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

كما وقع في زماننا في اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون، واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتى كسر الله تعالىٰ شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين وألف ۔

یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروان محمد بن عبدالوہاب نجدی سے واقع ہوا جنہوں نے نجد سے خروج کرکے حرمین محترمین پر تغلب کیا اور وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ

مسلمان بس وہی ہیں اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ سب مشرک ہیں اس وجہ سے انہوں نے اہلسنّت کا قتل اوران کے علماء کا شہید کرنا مباح ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اوران کے شہر ویران کیے اور لشکر مسلمین کو ان پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔

[النیر الشهابی علی تدلیس الوهابی، ص ۶، ۷]

اور دیوبندی مولوی حسین احمد مدنی اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں لکھتے ہیں

''محمد بن عبد الوہاب نجدی .....خیالات باطلہ اورعقائد فاسدہ رکھتا تھا... الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خونخوار فاسق شخص تھا الخ'' [الشہاب الثاقب ص ۵۴]

اور مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔''

[فتاوی رشیدیہ ۲۴۱، ۲۴۲]

الحاصل: وہابی محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متبعین کو کہا جاتا ہے نا کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کو۔ رہا یہ کہنا کہ وہ غوث پاک کے طریقہ پرنماز پڑھتے ہیں تو ایسا بھی نہیں ہے غوث پاک تو مسلکاً حنبلی تھے یعنی مسائل میں امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے اوران وہابیوں کے نزدیک تو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید جائز نہیں یہی نہیں بلکہ ان کی تقلید کرنے والا ان کے نزدیک کافرومشرک ہے۔تو بھلاوہ غوث پاک کے طریقہ پر کہاں ہوئے ان کا طریقہ تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا طریقہ ہے۔یہ الگ بات کہ ظاہراًان کی نماز کا طریقہ تھوڑا بہت حنبلی مسلک سے ملتا جلتا ہے لیکن یہ حنبلی نہیں ہیں۔

(۴) مقلدین کا آپس میں کوئی ذاتی اختلاف نہیں

ائمہ اربعہ کے مقلدین و پیروکار حضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں البتہ مسائل میں ضرور اختلاف ہے اور وہ بھی فروعی مسائل میں نا کہ مسائل عقائد میں اور مسائل میں اختلاف تو صحابہ کے درمیان بھی رہا ہے یہ کوئی معیوب بات نہیں۔

(۵) محفل میلاد کا انعقاد باعث برکت ہے

جائز و مستحسن اور باعث برکت ہے۔حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حضور نعمة الله ہیں قرآن عظیم نے ان کا نام نعمة الله رکھا۔ان الذین بدلو انعمة الله كفرا کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نعمة الله محمد ہیں۔ولہٰذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ امتثال (بمطابق) امر الٰہی ہے۔قال تعالیٰ و امابنعمة ربك فحدث اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔حضور کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے ......رب کی نعمتوں

کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے.... مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کو حضور اقدس کی تشریف آوری وفضائل جلیہ کمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے"

[المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ]

منکرین مجلس میلاد کے مسلّم پیشوا حضرت علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی محدث لکھنوی کے فتاوی پر مشتمل کتاب جو مکتب تھانوی دیوبند سے چھپی ہے اور جس پر مدرسہ دیوبند کے ایک مدرس عالم کا مقدمہ بھی موجود ہے۔اس میں علامہ عبدالحی نے مجلس میلاد پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور اس کے مستحب و مستحسن باعث برکت ہونے کا حکم فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

"سرور انبیاء کی ولادت کا ذکر جو لاکھوں برکتوں اور مسرتوں کا سبب ہے وہ بغیر کسی وقت کی خصوصیت کے ہر مسلم کے رگ وریشہ میں جاگزین ہے"

آگے فرماتے ہیں:

"اور لوگوں کا خود بخود جمع ہو کر مجلس و محفل کی صورت اختیار کر لینا بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو یا ایک دوسرے کو دعوت دینا کہ فلاں جگہ مجلس میلاد منعقد ہوگی سب لوگ اس میں شریک ہوں اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس قسم کا ذکر خود صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین تبع تابعین کے دور میں نہیں تھا.... مگر یہ چونکہ نیک کام ہے اور بظاہر سبب گناہ نہیں اور خوشی کے موقع پر اجتماع کی نظیرین شریعت سے ثابت ہیں بلکہ گاہ گاہ حضرت بلال آں حضرت کے مواعظ کا گلی کوچوں اور بازاروں میں اعلان کیا کرتے تھے اس لئے علماء اس کی اجازت دیتے ہیں اور اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ جس کا فاعل مستحق ثواب ہوگا۔......البتہ مہینہ دن تاریخ اور وقت متعین کرنے کی صورت میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جس زمانہ میں بھی یہ عمل مستحب طریقہ پر کیا جائے گا تو باعث ثواب ہوگا حرمین شریفین بصرہ یمن شام اور دوسرے شہروں کے رہنے والے ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشیاں مناتے ہیں مال کثیر خیرات کرتے ہیں۔ ذکر ولادت بیان کرنے اور سننے اور مجالس منعقد کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔[فتاوی عبدالحی ص،۹۵،۹۶]

مزید تفصیل کے لئے علماء اہلسنّت کی تصانیف ملاحظہ فرمائیں خصوصاً حضرت علامہ بیدل سہارنپوری علیہ الرحمہ کی کتاب لاجواب "انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ" اور صدر الافاضل کے استاذ گرامی حضور علامہ محمد گل علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب "ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ" ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) نماز وغیرہ کے بعد کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھنا

جائز اور باعثِ برکت ورحمت ہے۔قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی یأیھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

[ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۲۲، سورہ احزاب]

اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ ایمان والوکو درود اور خوب خوب سلام پڑھنا ہے اب جس کا جس طرح، جہاں، جب دل چاہے درود وسلام پڑھے۔ کسی خاص نوعیت پر سلام پڑھنے کے لئے کسی دلیل خاص کی ضرورت نہیں علاوہ ازیں اس کی ممانعت پر دلیل شرعی نہ ہونا اور مسلمانوں کی اکثریت کا اس پر بنیت حسن عامل ہونا ہی اس کے جائز اور مستحسن ہونے کے لیے کافی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ " اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامۃ" ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنے کا ثبوت

اموات مسلمین کے لئے صدقہ وخیرات کرنا جائز بلکہ سنت اور باعث ثواب ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن انس قال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا نتصدق عن موتانا وندعولھم فھل یصل ذالک الیھم فقال نعم انہ لیصل لیفرحون بہ کما یفرح احدکم بالطبق اذا أھدی الیہ ۔

حضرت انس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اپنے مردوں کی جانب سے صدقہ دیتے ہیں اور اُن کے لئے دعا مانگتے ہیں تو کیا اس کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ثواب پہنچتا ہے اور مردے اس سے خوش ہوتے ہیں، جیسا کہ تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے جب اسے کوئی طبق ہدیہ کیا جاتا ہے)

[حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ۶۲۱، عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، ۵۹۹/۲]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

رجل تصدق عن المیت ودعالہ قالوایجوز ذالک ویصل الی المیت لماجاء فی الاخبار ان الحی اذاتصدق عن المیت بعث اللہ تعالی تلک الصدقۃ الیہ علی طبق من النور ۔

[فتاوی قاضی خان ملحق بفتاوی عالمگیری، فصل فی الصدقۃ، ۲۸۴/۳]

کسی شخص نے میت کی جانب سے صدقہ دیا اور اُس کے لئے دُعا بھی مانگی تو یہ جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ زندہ اگر میت کی جانب سے صدقہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نور کے طبق اُس کے

پاس بھیجتا ہے۔

نیز عالمگیری میں ہے:

رجل تصدق عن الميت و دعاله يجوز و يصل الى الميت ۔

یعنی اگر کوئی شخص میت کی جانب سے صدقہ دے اور اُس کے لئے دُعا مانگے، جائز ہے اور میت کو پہنچتا ہے۔

[فتاوی عالمگیری،۴/۴۰۸]

(۸) مسلمانوں کو کھانا کھلانا موجب ثواب ہے

مسلمانوں کو کھانا کھلانا موجب ثواب اور باعث برکت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الاسلام خير قال تطعم الطعام وتقرء السلام على من عرفت ومن لم تعرف

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کونسا کام بہتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس کو جسے پہچانو اور جسے نہ پہچانو۔

[صحيح بخاری، ۱/ ۶،باب اطعام الطعام من الاسلام]

اور نیاز و فاتحہ میں چونکہ قرآن شریف وغیرہ کی تلاوت ہوتی ہے اس لئے عامل دو اجر کا مستحق ہے ایک قرآن کی تلاوت اور دوسرا کھانا کھلانا۔ البتہ اہل میت کا تقریب کے طور پر دعوت کر کے لوگوں کو کھلانا شرعاً منع ہے۔

(۹) کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانے کا ثبوت

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور اسے بانٹنا بخاری شریف کی حدیث پاک سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے نکاح فرمایا تو ام سلیم نے بطور ہدیہ کھجور، گھی اور پنیر کا حلوہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا حضرت انس جب وہ حلوہ لے کر سرکار کی بارگاہ میں حاضر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب لوگوں کو بلالاؤ جب سب آگئے تو حضرت انس فرماتے ہیں:

فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يديه على تلك الحيسة وتكلم بهاماشاء الله ثم جعل يدعو عشرة عشرة ياكلون منه ويقول لهم اذكروا اسم الله وليأكل كل رجل ممايليه ۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کھانے پر اپنا دست اقدس رکھا اور جو اللہ کو منظور تھا آپ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا پھر آپ نے دس دس آدمیوں کو کھانے کے لئے بلایا اور ان سے فرمایا کہ اللہ کا نام

لے کر اپنے سامنے سے کھاؤ۔[بخاری، ۲/۷۷۶، کتاب النکاح باب الهدية للعروس]
مذکورہ بالا حدیث سے کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا بھی اور اس کا بانٹنا بھی ثابت ہو گیا۔

(۱۰) شب براءت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانے کا حکم

شب براءت میں حلوہ پکانا اور موم بتی جلانا بلا شبہ جائز ہے۔ البتہ آتش بازی ضرور ناجائز و حرام ہے۔
حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
''حلوہ وغیرہ پکانا فقراء پر تقسیم کرنا احباب کو بھیجنا جائز ہے اللہ کے فضل و نعمت پر خوشی کرنے کا قرآن مجید میں حکم ہے جائز خوشی ناجائز نہیں آتش بازی اسراف و گناہ ہے۔''[فتاوی رضویہ جدید، ۲۳/۷۴۴]
حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ شب برأت میں حلوہ بنانے کے جواز پر تفسیر مدارک سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
''تفسیر مدارک میں ہے
وعن عمر بن عبدالعزيز انه كان يشترى اعدال السكر ويتصدق بهافقيل له لماتتصدق بثمنهاقال لان السكراحب الى فاردت ان انفق مما احب .
حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ فرمایا کرتے تھے ان سے کہا گیا کہ آپ اس کی قیمت کیوں صدقہ نہیں کر دیتے؟ فرمایا: شکر مجھے پسند ہے تو میں چاہتا ہوں کہ وہی چیز خرچ کروں جو مجھے پسند ہے۔
ثابت ہوا شے مرغوب و محبوب کا خرچ کرنا اس آیت کی تعمیل ہے۔ حلوہ مسلمانوں کو مرغوب و محبوب ہے اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں تو اس آیت کے مصداق ہیں ''اور اللہ سے اجر پائیں گے۔''[فتاوی صدر الافاضل، ۲۳۵]
علامہ عبد الحی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:
''اس بارہ میں کوئی نص اثبات یا نفی کی صورت میں وارد نہیں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازم ہوگی ورنہ کوئی حرج نہیں اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے تمام مباحات، مندوبات اور بدعات میں۔''[فتاوی عبد الحی مترجم، ۱۰۱]
اور مخصوص اوقات میں روشنی سے متعلق حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
تزئین مذکور شرعاً جائزاست قال تعالیٰ قل من حرم زینة اللّٰه التی اخرج لعبادہ همچناں روشنی

بقدر حاجت ومصلحت نیز۔

مذکورہ زیب وزینت شرعاً جائز ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرمادیجئے کہ اس زینت وزیبائش کو کس نے حرام ٹھہرادیا ہے جو اس نے بندوں کے لیے ظاہر فرمائی ہے اسی طرح ضرورت ومصلحت کے مطابق روشنی کرنا بھی جائز ہے۔) [فتاوی رضویہ جدید، ۲۳/ ۲۵۸]

(۱۱) اذان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے والا کبھی اندھا نہیں ہوگا

یہ امر مستحسن ومستحب ہے۔ نام گرامی سن کر انگوٹھیں چومنے والا نہ کبھی اندھا ہوگا نہ ہی اس کی آنکھوں میں کوئی بیماری ہوگی۔

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھدان محمدرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمدبن عبداللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھماعلی عینیہ لم یرمدابدا ۔

جو شخص مؤذن سے اشھدان محمد رسول اللّٰہ سن کر ”مرحبابحبیبی وقرۃ عینی محمدبن عبداللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم “ پھر دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

[المقاصدالحسنہ، ص ۳۸۴]

انگوٹھا چومنے سے انکار کرنے والوں کے مسلم پیشوا ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

”اس تقبیل کو بعض کتب فقہ میں مستحب لکھا ہے“ [فتاوی عبدالحی، مترجم، ۱۰۰]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ منیفہ ”منیر العین فی تقبیل الابھامین، اور ”نھج السلامۃ فی حکم تقبیل الابھامین فی الاقامۃ“ کا مطالعہ کریں۔

(۱۲) اذان کے بعد صلاۃ پڑھنے کا شرعی ثبوت

اذان کے بعد جو صلاۃ پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح شرع میں ”تثویب“ کہتے ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک صلاۃ پڑھنا جائز بلکہ مستحسن اور موجب ثواب فعل ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

''اسے فقہ میں تثویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاع مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے۔ [فتاوی رضویہ جدید ۵/۳۶۱]

فقہ کی مشہور و معروف کتاب مستطاب فتاوی ہندیہ میں ہے:

التثویب حسن عند المتأخرین فی کل صلاۃ الافی المغرب ○○○○○○ وھو رجوع المؤذن الیٰ الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ ۔

صلاۃ پکارنا علماء متاخرین کے نزدیک سوائے مغرب کے ہر نماز میں اچھا ہے۔ اور تثویب مؤذن کا اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے لئے دوبارہ اعلان کرنے کا نام ہے اور کل شہر کی تثویب وہ ہے جس سے لوگ متعارف ہوں۔ [ج، ا ص ۵۶ الباب الثانی فی الاذان] وھکذا فی اکثر کتب الفقہ ۔

علاوہ ازیں دیوبندی مکتبہ فکر کی مسلمہ شخصیت علامہ عبدالحی لکھنوی کی کتاب معین المفتی والسائل میں بھی تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

التثویب بعد الاذان احدثہ علماء الکوفۃ ولم یر ابو یوسف بہ بأساً لمن یشغل لمھمات الامور کالامیر والقاضی واستحسنہ المتأخرون فی جمیع الصلوات کذافی الکفایۃ ۔

اس عربی عبارت کا ترجمہ دیوبندی مفتی عتیق مظاہری استاد حدیث دارالعلوم جامع الھدیٰ گل شہید مراد آباد نے اس طرح کیا ہے

اذان کے بعد تثویب کو علماء کوفہ نے ایجاد کیا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی حرج نہیں ہے جو اہم امور میں مشغول ہیں جیسا کہ امیر اور قاضی اور متاخرین نے اس کو تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ کفایہ میں ہے۔

[معین المفتی والسائل، ص ۱۷۱]

تثویب (صلاۃ) کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو حضور اعلیٰ حضرت کے فتاوی رضویہ اور آپ کے شہزادے حضور مفتی اعظم ہند کی کتاب ''القول العجیب فی جواز التثویب'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے

خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے:

قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد ۔[سنن ابو داود، کتاب الصلاۃ باب النداء یوم الجمعۃ، ص ۱۵۵]

علامہ ابن رجب شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وقدخرج ابو داؤد هٰذا الحديث من طريق ابی اسحاق○○○○ففی هذه الرواية زيادة ان هٰذا الاذان لم يكن فی نفس المسجدبل علیٰ بابه بحيث يسمعه من كان فی المسجدومن كان فی الخارج ليترك اهل الاسواق البيع ويسرعوا الی السعی الی المسجد .

(ابوداؤد نے ابواسحاق کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کی .... تو اس روایت میں یہ زیادہ ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے دروازے پر ہوتی تھی تا کہ جولوگ مسجد میں ہیں اور جو خارج مسجد ہیں اذان سنیں بازار والے خرید وفروخت چھوڑ کر جلد مسجد میں آنے لگیں۔]

[فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن رجب الحنبلی، کتاب الصلاۃ باب الاذان یوم الجمعة،۶/۲۰۴]

اور اندرونِ مسجد اذانِ خطبہ بلکہ ہر اذان ممنوع و مکروہ خلاف سنت ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وينبغی ان يؤذن علی المأذنة اوخارج المسجد ولا يؤذن فی المسجدكذافی فتاوی قاضی خان .

اذان مئذنہ یا خارج مسجد دینا چاہیے مسجد میں اذان نہیں دینا چاہئے ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے)

[الباب الثانی فی الاذان، ۱/۵۵]

حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ويكره ان يؤذن فی المسجد كمافی القهستانی .

مسجد میں اذان مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔ [باب الاذان، ص۱۹۷]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”فتاوٰی امام اجل قاضی خاں و فتاوی خلاصہ و بحرالرائق شرح کنزالدقائق وشرح نقایہ للعلامۃ عبدالعلی البرجندی و فتاوی عالمگیریہ و حاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح و فتح القدیر شرح ہدایہ وغیر ہا میں اس کی منع و کراہت کی تصریح فرمائی الخ“ [فتاوی رضویہ جدید،۶/۳۶۳]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ ” **اوفی اللمعة فی اذان يوم الجمعة** “ اور ” **شمائم العنبر فی النداء بازاء المنبر** “ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۴) تکبیر بیٹھ کر ہی سننا چاہیے

تکبیر بیٹھ کر سننا چاہیے کہ سنت ہے، کھڑے ہو کر سننا مکروہ و ممنوع خلاف سنت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اذااقیمت الصلاۃ فلاتقوموا حتی ترونی .

جب نماز قائم ہو تو جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے مت ہو۔

[صحیح البخاری،باب متی یقوم الناس ، ۱/۸۸]

ملا علی قاری اس حدیث شریف کی شرح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولعله علیه السلام کان یخرج من الحجرة بعدشروع المؤذن فی الاقامة ویدخل فی محراب المسجدعندقوله حی علی الصلاة ولذاقال ائمتناویقوم الامام والقوم عندحی علی الصلاة

غالبًا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے موذن کے اقامت شروع کر دینے کے بعد نکلتے تھے اور موذن کے قول حی علی الصلاۃ کے وقت مسجد کی محراب میں داخل ہوتے تھے اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ امام اور قوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،باب الاذان، ۲/۳۱۸]

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

عن ابی حنیفة یقومون اذاقال حی علی الفلاح .

ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔

[فتح الباری لابن حجر،باب متی یقوم الناس، ۲/۵۱]

تحفۃ الملوک لزین الدین الرازی الحنفی میں ہے:

السنة قیام الامام والقوم عند قول المؤذن حی علی الفلاح .

امام اور قوم کا موذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا سنت ہے۔[جلد ۱ ص ۶۸ ،باب موضع تکبیر الامام]

امام کاسانی فرماتے ہیں:

ان المؤذن اذاقال حی علی الفلاح فان کان الامام معهم فی المسجدیستحب للقوم ان یقوموا فی الصف

مؤذن جب حی علی الفلاح کہے تو اگر امام مقتدیوں کے ساتھ ہو مسجد میں تو قوم کے لئے صف میں کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔ [بدائع الصنائع]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

اذاقال المؤذن فی الاقامة حی علی الصلاة قام الامام و الجماعة عندعلمائناالثلاثة للاجابة ٥٥٥٥وفی الوقایةو یقوم الامام و القوم عندحی علی الصلاة .

جب مؤذن اقامت میں حی علی الصلاۃ کہے تو امام اور جماعت ہمارے تینوں علما کے نزدیک جواب دینے کے لئے.....اور وقایہ میں ہے کہ امام اور قوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہو جائیں۔ [۲۱۱/۱]

محیط برہانی میں ہے:

یقوم الامام و القوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثةرحمهم الله .

ہمارے تینوں علما کے نزدیک امام اور قوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

[آداب الصلاة، ۲/ ۱۶]

کتاب المبسوط للشیبانی میں ہے:

اذا کان الامام معهم فی المسجدفانی احب الیهم ان یقوموافی الصف اذاقال المؤذن حی علی الفلاح .

جب امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مجھے محبوب ہے کہ وہ مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت صف میں کھڑے ہو جائیں۔

[باب افتتاح الصلاة، ج ۱/ص ۶]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اذادخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظارقائماولکن یقعده ثم یقوم اذابلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح ٥٥٥٥٥٥ کان القوم مع الامام فی المسجدفانه یقوم الامام و القوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عندعلمائناالثلاثة وهو الصحیح .

جب کوئی شخص داخل ہوا قامت کے وقت تو اس کو کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو.....اور اگر قوم امام کے ساتھ ہو مسجد میں ہو تو ہمارے تینوں علما کے نزدیک امام اور قوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

[۱/ ۵۷، الفصل فی کلمات الاذان و الاقامة]

ردالمحتار میں ہے:

یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح

کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو۔

[باب الاذان، ۲/۷۱]

علاوہ ازیں کتابوں میں کہیں حی علی الصلاۃ اور کہیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے متعلق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں

اقول ولاتعارض عندی بین قول الوقایة واتباعها یقومون عند حی علی الصلاۃ والمحیط والمضمرات ومن معهما عند حی علی الفلاح فانا اذا حملنا الاول علی الانتهاء والآخر علی الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاۃ ویأتی علی الفلاح۔

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک صاحب وقایہ اور ان کے متبعین کا حی علی الصلاۃ پر قیام کے قول اور صاحب محیط ومضمرات اوران کے متبعین کا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے قول میں کوئی تعارض نہیں ہم پہلے کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کرلیں تو دونوں قول متحد ہو جائیں گے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ پوری کرلے اور حی علی الفلاح شروع کرے تو سب کھڑے ہوں۔ [۵/۳۸۰]

(۱۵) وتر کی نماز واجب ہے اور اس کی قضا بھی واجب

مجمع الزوائد للہیثمی میں ہے:

عن عبداللّٰہ بن مسعود عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال الوتر واجب علی کل مسلم۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔

[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۲/۲۸۳، رقم ۳۴۴۰]

فتاویٰ کی مشہور و معتبر کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

عن ابی حنیفة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فی الوتر ثلاث روایات فی روایة فریضة وفی روایة سنة مؤکدة وفی روایة واجب وهی آخر أقواله وهو الصحیح کذا فی محیط السرخسی

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وتر سے متعلق تین روایتیں ہیں ایک روایت میں فرض دوسری میں سنت مؤکدہ اور تیسری میں واجب آخری قول صحیح ہے (یعنی وجوب کا) ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔

[باب صلاۃ الوتر ۱/۱۱۰]

نماز وتر اگر وقت پر ادا نہ ہوئی تو اس کی قضا واجب ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذااصبح احدكم ولم يوتر فليوتر .

اور حضرت ابوسعید خدری سے مروی حدیث کچھ اس طرح ہے:

عن ابی سعيدالخدری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نام عن وتره اونسيه فليصله اذااصبح اوذكره .

ان احادیث کوذکر کرنے کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں:

وفي كل ذالك دلالة على قضاء الوتر .

[معرفة السنن والآثار للبيهقي باب وقت الوتر،رقم،۱۴۲۱]

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

مذهب ابی حيفة انه يجب قضاء الوتر .

ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ وتر کی قضاء واجب ہے۔

[مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح،باب الوتر:۳/۲۰۱]

امام کاسانی فرماتے ہیں:

لزمه قضاء الوتر كمايلزمه قضاء العشاء . [بدائع الصنائع]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ويجب القضاء بتركه ناسياًاوعامداًوان طالت المدة . [باب صلاة الوتر، ۱/۱۱۱]

(۱۶) نماز میں دوسرے مقتدی سے مل کر کھڑے ہونا چاہیے

حالت نماز میں ہر مقتدی کو دوسرے مقتدی کے کاندھے سے کاندھا اور قدم سے قدم ملانا چاہیے اور چار انگلیوں کا فاصلہ رکھنا ثابت نہیں، احادیث رسول وآثار صحابہ اور اقوالِ فقہاء سے یہی ثابت ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

قال النعمان بن بشير رأيت الرجل منايلزق كعبه بكعب صاحبه

نعمان بن بشیر نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنے ٹخنوں کو اپنے ساتھی کے ٹخنوں سے ملائے ہوئے ہے۔

[۱/۱۰۰ باب الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فى الصف]

مزید بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه ۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو برابر کرو میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم سبھی لوگ اپنے کاندھے اور ٹخنے اپنے برابر والے کے کاندھے اور ٹخنوں سے ملا دیتے تھا۔(مرجع سابق)

بخاری کی اوّل الذکر عبارت کی شرح فرماتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں:

"الزاق منکب بمنکب وکعب بکعب" کے معنی یہ مراد لئے ہیں کہ خوب مل کر کھڑے ہوں اور یہ اتصال صفوف میں مبالغہ پر محمول ہے انسان کے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ مونڈھوں سے مونڈھے اچھی طرح ملانے کے بعد بھی ٹخنوں سے ٹخنے ملانے میں کافی تکلف و مشقت اُٹھانی پڑے گی .... بالکل چپکنا مراد نہیں ہوتا ہے.... تو اب "الزاق کعب بکعب" کا مطلب ہوا کہ ایک کے ٹخنے دوسرے سے اتنے قریب ہوتے جو نمازی کے حال کے مناسب ہے۔" [نزهة القاری شرح بخاری ۳،/۱۸۳]

امام علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں:

روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال فی تسویة الصفوف ألصقوا الكعاب بالكعاب والمناكب بالمناكب ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے آپ نے صفوں کو سیدھا کرنے کے سلسلے میں فرمایا ٹخنوں سے ٹخنے ملاؤ اور مونڈھوں سے مونڈھے ملاؤ۔

[تحفة الفقهاء، ۱/۱۱۱] وهکذا فی بدائع الصنائع ایضاً ۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ورد کان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه ۔

وارد ہوا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے اور قدم کو دوسرے کے مونڈھے اور قدم سے ملاتا تھا۔

[ص،۳۰۶، کتاب الصلاۃ]

حبیب الفتاوی میں ردالمحتار کے حوالہ سے ہے:

ومعنی المحاذاة بالقدم المحاذاة بعقبه

قدم سے قدم ملانے کا مطلب ایڑی سے ایڑی کو ملانا ہے۔[ص ۳۶۰]

مذکورہ بالاتحریر کا ماحصل یہ ہے کہ شرع میں ہر ایک مقتدی کا اپنے برابر والے مقتدی سے بغیر مشقت اس طرح مل کر کھڑا ہونا کہ دونوں کے بیچ خلا نہ رہے ضروری ہے قدم سے قدم چپکانا ضروری نہیں چار اُنگل کا فاصلہ رکھنا بھی مشروع نہیں ہے۔

(۱۷) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منھ پھیر لینا سنت ہے

بعد نماز قبلہ سے منھ پھیر لینا اور دعا کرنا دونوں باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے

عن البراء قال کنااذاصلینا خلف رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ یقبل علینابوجھہ قال فسمعتہ یقول رب قنی عذابك یوم تبعث اوتجمع عبادك .

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے طرف کھڑے ہونا زیادہ پسند کرتے کیونکہ آپ (بعد نماز) ہماری طرف متوجہ ہوتے اور حضرت براء کہتے ہیں کہ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا وہ کہہ رہے تھے اے رب مجھے اس دن کے عذاب سے محفوظ رکھ جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا اور جمع فرمائے گا۔

[۱/۲۴۷ باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال]

اس حدیث سے صاف ظاہر کہ نماز کے بعد نبی علیہ السلام قبلہ سے انحراف فرماتے اور دعا فرماتے۔ اسی کتاب مستطاب کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے

عن عبداللّٰہ لایجعلن احدکم للشیطان من نفسہ جزءاً لایریٰ الا ان حقاً علیہ ان لاینصرف الاعن یمینہ اکثرمارأیت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن شمالہ .

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی طرف سے شیطان کے لیے کوئی حصہ مقرر نہ کرے ضروری ہے اس کے لئے کہ وہ داہنی طرف پھر جائے اور بسااوقات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف بھی پھرتے دیکھا ہے۔[مرجع سابق]

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے بعد دائیں بائیں دونوں طرف پھرنا ثابت ہے۔ مزید امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابی الاوبرالحارثی قال سمعت اباھریرۃ یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینحرف من صلاتہ عن یمینہ وعن شمالہ .

حضرت حارثی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم اپنی نماز سے (فراغت کے بعد) دائیں اور بائیں پھرتے تھے۔ [معرفة السنن والاثار للبيهقي الباب الانصراف المصلى]

ہم ان ہی احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اس موضوع پر اور بھی احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جن سے صاف ظاہر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں یا بائیں یا سامنے متوجہ ہوتے اور پھر دعا فرماتے تھے۔

(۱۸) نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا جواز

مصافحہ مطلق سنت مستحبہ ہے چاہے کسی وقت ہو۔ ہاں خاص فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کی عادت مسنون نہیں البتہ نفس مصافحہ کے سبب سنت کا ثواب عامل ضرور پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام وفقہاء عظام نے فجر اور عصر ہی نہیں بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کے جواز بلکہ اس کے مسنون ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ کہ اس میں نفس مصافحہ ملحوظ وموجود ہے۔

علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ بخاری شریف کی شرح ''فتح الباری'' میں امام نووی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

قال النووی ''واما تخصيص المصافحة بمابعد صلاتي الصبح والعصر فقد مثل ابن عبدالسلام في ''القواعد'' البدعة المباحة منها قال النووی واصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها في بعض الاحوال لا يخرج ذالك عن اصل السنة .

[فتح الباری ، کتاب الاستئذان باب المصافحة]

امام نووی نے فرمایا صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کی تخصیص کو ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب قواعد میں ''بدعت مباحہ'' بتایا ہے اسی لئے امام نووی نے فرمایا کہ مصافحہ کی اصل سنت ہے اور لوگوں کا بعض حالتوں میں اس کی محافظت کرنا (یعنی پابندی کرنا) اسے اصل سنت سے نہیں نکال دے گا۔

صاحب ردالمحتار امام نووی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال الشيخ ابوالحسن البكری ''وتقييده بمابعدالصبح والعصر على عادة كانت في زمنه والافعقب الصلوات كلها كذالك كذافي رسالة الشرنبلالي في المصافحة ونقل مثله عن الشمس الحانوتي .

شیخ ابوالحسن بکری نے فرمایا: امام نووی نے مصافحہ کو صبح اور عصر کے بعد کی قید کے ساتھ اس لئے بیان کیا کہ ان کے زمانے میں یہی معمول تھا ورنہ مصافحہ تو تمام نمازوں کے بعد ایسا ہی ہے (یعنی سنت ہے) ایسا ہی شرنبلالی کے رسالہ میں جو مصافحہ کے بیان میں ہے اور ایسا ہی شمس حانوتی سے منقول ہے۔

[ردالمحتار ، کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء ۹/۵۴۷]

نیز درمختار میں عصر کے بعد مصافحہ کو "بدعت مباحہ حسنہ" قرار دیا ہے[مرجع سابق]

علامہ طحطاوی بھی ہر نماز کے بعد مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

المصافحة فهي سنة عقب الصلاة كلها وعند كل لقى

مصافحہ تمام نمازوں کے بعد اور ملاقات کے وقت سنت ہے۔

[حاشیه مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، ۵۳۰

امام نووی شارح جامع صغیر نے بدعت کی پانچ قسمیں فرماتے ہوئے فجر وعصر کے بعد مصافحہ کو "بدعت مباحہ" قرار دیا ہے لکھتے ہیں

البدعة خمسة انواع ٥٥٥ مباحة كالمصافحة عقب صبح وعصر .

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (چوتھی) مباحہ جیسے صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا۔

[فیض القدیر شرح جامع صغیر، ۱، ۵۶۸

علامہ ابن حجر اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة .

نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز بدعتوں میں سے ہے۔[فتاوی حدیثیہ، ۱/۱۵۰]

علاوہ ازیں منکرین کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے رسالہ نذور میں بھی فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کو "بدعت حسنہ" (اچھی بدعت) تحریر کیا ہے

همه اوضاع ازقرآن خوانی و فاتحه خوانی وخورانیدن طعام سوائے کندن چاه وامثاله دعاواستغفارواضحیه بدعت است بدعتِ حسنه بالخصوص است مثل معانقه روز عیدومصافحه بعدنماز صبح یاعصر۔

کنواں کھودنے اور دعا و استغفار اور قربانی اور اس کے مثل (جو احادیث سے ثابت ہوں) کے علاوہ قرآن خوانی فاتحہ خوانی کھانے کھلانا سب طریقے بدعت ہیں۔ خاص کر عید کے دن گلے ملنا فجر وعصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعت حسنہ ہیں)[رسالہ نذور بحوالہ فتاوی رضویہ جدید، ۸/۶۱۴]

حاصل کلام: مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا من حیث الاصل سنت اور من حیث الخصوص جائز اور نیک نیتی کے سبب محمود و مستحسن ہے، یعنی مصافحہ چونکہ مطلقاً سنت ہے اس لئے سنت اور خاص اسی وقت چونکہ حدیث سے ثابت نہیں اس لئے جائز کہ اس کے منع پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اور نیک ارادے سے مصافحہ کرنا اچھا اور پسندیدہ ہے۔

(۱۹) داڑھی منڈانا حرام اور اس کے مرتکب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

داڑھی کا مقدار سے کم رکھنا یا بالکل منڈا دینا ناجائز و حرام باعث عذاب شدید ہے اس کا مرتکب فاسق ہے اسے امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث شریف میں ہے:

قال ذکر رسول الله صلى الله عليه وسلم المجوس فقال انهم يؤفرون سبالهم ويحلقون لحاهم فخالفوهم .

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تو تم ان کی مخالفت کرو۔

[السنن الكبرى للبيهقي، ۱/۱۵۱]

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عشر خصال عملها قوم لوط بها أهلكوا ٥٥٥٥ قص اللحية .

(قوم لوط دس عادتوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے ان میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔

[فيض القدير شرح جامع صغير، ۴/۴۱۱]

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وكان من عادة الفُرس قص اللحية فنهى الشرع عن ذالك وقد ذكر العلماء في اللحية عشر خصال مكروهة بعضها اشد قبحا من بعض احداها ٥٥٥٥٥ حلقها

فارسیوں کی عادت تھی داڑھی منڈانا شریعت نے اس سے منع فرمایا اور علماء نے داڑھی کے سلسلے میں دس مکروہ عادتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض بعض سے بُری ہیں انہیں میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔[۱/۴۱۴]

علامہ مناوی فرماتے ہیں:

فلايجوز حلقها ولا نتفها ولا قص الكثير منها كذا في التنقيح

داڑھی کا مونڈنا اکھیڑنا اور زیادہ تراشنا (کہ حد شرع سے کم ہو جائے) جائز نہیں ہے ایسا ہی تنقیح میں ہے۔

[فيض القدير شرح جامع صغير ۱/۲۵۶]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ریش ایک مشت یعنی چار اُنگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۵۸۱]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب''

[مرجع سابق، ۶/۶۰۳]

اور حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے .....اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہو اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی کمافی عامۃ المتون والشروح ولفتاوی من کراھۃ امامۃ الفاسق اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے'' [فتاوی صدر الافاضل ۴۲۴]

(۲۰) داڑھی کی شرعی مقدار

داڑھی کی کم سے کم مقدار ایک مشت یعنی چار اُنگل ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت مروان بن سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

رأیت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھمایقبض علی لحیتہ فیقطع مازادعلی الکف .

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ داڑھی کو مٹھی میں لیکر ایک مشت سے زائد کو کاٹ دیتے۔ [سنن ابو دائود کتاب الصیام باب القول عندالافطار، ص ۳۲۱]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں علامہ مناوی فرماتے ہیں:

و کان بعض السلف یقبض علی لحیتہ فیأخذماتحت القبضۃ .

بعض سلف اپنی داڑھی پکڑ کے مٹھی کے نیچے کی کاٹ دیتے۔ [جلد ۵، صفحہ ۲۵۳ رقم ۶۹۳۳]

ملا علی قاری علیہ الرحمہ امام محمد غزالی کی کتاب مستطاب احیاء العلوم کے حوالے سے شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

ان قبض الرجل علی لحیتہ و أخذماتحت القبضۃ فلا بأس بہ و قدفعلہ ابن عمرو جماعۃ من التابعین و استحسنہ الشعبی و ابن سیرین .

آدمی کا اپنی داڑھی کو مٹھی میں لینا اور مٹھی سے زائد کو کاٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے عبداللہ بن عمر اور تابعین کی جماعت نے ایسا ہی کیا اور شعبی و ابن سیرین نے بھی اس کو اچھا جانا۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ۸/۲۸۵، کتاب الباس باب الترجل]

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

و کان ابوھریرۃ یقبض علی لحیتہ فیاخذمافضل .

حضرت ابوہریرہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے کر زائد کو کاٹ دیتے۔

[عمدۃ القاری شرح بخاری، ۱۵/۹۱ ،کتاب اللباس باب اعفاء اللحی]

مذکورہ بالا عبارات سے صحابہ اور تابعین کا ایک مشت داڑھی رکھنا ثابت ہے اس سے کم کا کہیں ثبوت نہیں اسی لئے علماء کرام خصوصاً احناف کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

گزاشتن آں بقدر قبضه واجب است

داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔[اشعۃ اللمعات]

(۲۱) مونچھیں بالکل صاف کر دینا بہتر نہیں

مونچھ سے متعلق حدیث میں "احفوا الشوارب وقصو الشوارب" دونوں الفاظ وارد ہوئے ہیں علامہ ابن حجران دونوں سے متعلق فرماتے ہیں:

فان القص يدل على اخذالبعض و الاحفاء يدل على اخذالكل و كلاهما ثابت فيتخير فيما شاء

قص سے مراد بعض (بالوں) کالینا اور احفاء سے کل (بالوں) کالینا اور یہ دونوں ثابت ہیں تو جسے چاہو اختیار کرو۔[فتح الباری شرح البخاری، ۴۷۹/۱۶]

یعنی اگر چاہو تو بالکل صاف کرلو اگر چاہو تو کچھ باقی رکھو۔

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

فقال الطحاوى ذهب قوم من أهل المدينة الى ان قص الشارب هو المختار على الاحفاء قلت ارادبالقوم هؤلاء سالما و سعيدبن المسيب وعروة بن الزبير وجعفربن الزبير وعبيدالله بن عبدالله بن عتبة و أبابكربن عبدالرحمن بن االحارث فانهم قالوا المستحب هو ان يختارقص الشارب على احفائه واليه ذهب حميدبن هلال والحسن البصرى ومحمدبن سيرين وعطاء بن ابى رباح وهومذهب مالك أيضاً وقال عياض ذهب كثيرمن السلف الىٰ منع الحلق oooooo وقال الطحاوى و خالفهم فى ذالك آخرون فقالوا بل يستحب احفاء الشوارب ونراه افضل من قصهاقلت ارادبقوله الاخرون جمهورالسلف منهم اهل الكوفة و مكحول ومحمدبن عجلان ونافع مولىٰ بن عمروابو حنيفة وابويوسف و محمد رحمهم الله فانهم قالوا المستحب احفاء الشوارب

وھو افضل من قصھا"

امام طحاوی نے فرمایا: مدینہ والوں میں ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ مونچھ پست کرنا بالکل ختم کرنے سے بہتر ہے میں کہوں گا کہ یہاں "قوم" سے مراد سالم، سعید بن مسیّب، عروۃ بن زبیر، جعفر بن زبیر، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مونچھ بالکل ختم کرنے سے پست کرنا مستحب ہے اور اسی طرف حمید بن ہلال، حسن بصری، محمد بن سیرین اور عطاء بن ابی رباح گئے ہیں اور یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے اور حضرت عیاض نے فرمایا کہ بہت سے اسلاف مونچھ منڈانے کی ممانعت کی طرف گئے ہیں..... اور طحاوی نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ان لوگوں کی بہت سے لوگوں نے مخالفت کی کہا ان لوگوں نے کہ مونچھوں کا بالکل ختم کر دینا مستحب ہے اور وہ مونچھ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے میں کہوں گا کہ ان کے "قوم الاخرون" سے مراد جمہور سلف ہیں ان میں سے اہل کوفہ، مکحول، محمد بن عجلان، نافع مولیٰ بن عمر، ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد ہیں اللہ رحم فرمائے ان سب پر ان لوگوں نے فرمایا کہ مستحب مونچھ بالکل صاف کر دینا ہے اور وہ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

[عمدۃ القاری شرح البخاری، ۱۵/۸۸، باب قص الشارب]

نیز امام نووی مونچھ منڈانے سے متعلق فرماتے ہیں:

قص الشارب فسنة ایضاً ٥٥٥٥ واما حدمایقصه فالمختارانه یقص حتی یبدو طرف الشفة ولا یحفه من اصله واما روایات احفو الشوارب فمعناها احفوا ماطال علی الشفتین۔

مونچھ تراشنا بھی سنت ہے اور اس کی حد میں مختار یہ ہے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہونے تک تراشے اور بالکل نہ تراشے اور مونچھ کو تراشنے کی روایتوں کا معنی دونوں ہونٹوں سے جو بال لمبے ہوں انہیں تراشنا ہے۔

[شرح النووی علی المسلم، ۱/۱۴۴]

فیض القدیر میں ہے:

حلقه بالکلیة فمکروه علی الاصح عندالشافعیة و صرح مالك بانه بدعة۔

مونچھ بالکل منڈانا مذہب صحیح میں مکروہ ہے شوافع کے نزدیک اور امام مالک نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔[ج۱،ص/۲۵۵]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ فرماتے ہیں:

لیکن بودن مذہب حنفی افضلیت حلق شارب محل تردداست بآنکه ظاہر از کتب ایشاں

آنست کہ سنت قص اوست وساختن اومثل حاجب وگفتہ اند کہ بہ ناخذوعلیہ الفتوے۔

لیکن مذہب حنفی میں مونچھ منڈانا محل غور ہے علماء احناف کی کتب سے ظاہر یہ ہے کہ مونچھ پست کرنا سنت ہے اور کہا گیا ہے کہ اسی کو لیتے ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔

[شرح سفر السعادة ۴۹۴ فصل درقص شارب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم]

فقہ حنفی کی معتبر ومستند کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

قوله "اخذمن شاربه" اشارة الى القص وهو السنة فى الشارب لاالحلق وذكر الطحاوى فى شرح الآثار" ان السنة فيه الحلق ونسب ذالك الى أبى حنيفة وأبى يوسف و محمد رحمهم الله و الصحيح ان السنة فيه القص لما ذكرناأنه تبع للحية و السنةفى اللحية القص لاالحلق كذافى الشارب .

ان کے قول" اخذمن شاربه" کا اشارہ قص یعنی مونچھ کا پست کرنا ہے نا کہ حلق یعنی منڈانا اور امام طحاوی نے شرح آثار میں مونچھ کا منڈانا سنت بیان کیا ہے اور اسے امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح مونچھ کا پست کرنا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ مونچھ داڑھی کے تابع ہے اور داڑھی کا تراشنا سنت ہے نا کہ منڈانا، ایسا ہی مونچھ میں ہے۔[۲/ ۴۲۲، کتاب الحج]

- حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"لبوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ لبیں پست کرو کہ نہ ہونے کے قریب ہوں البتہ منڈانا نہ چاہیے اس میں علماء کو اختلاف ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید،۲۲/۶۰۶]

الحاصل: عبارات بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ مونچھ منڈانا سنت نہیں بلکہ مونچھ کا تراشنا یعنی پست کرنا سنت ہے۔

(۲۲) قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں

غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے

الخبيثٰت للخبيثين والخبيثون للخبيثٰت والطيبات للطيبين والطيبون للطيبات"

[فتاوی رضویہ جدید،۲۰/ ۴۵۷]

صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

''یہاں کے کفار کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں'' [فتاوی امجدیہ،۳/۳۱۸]

(۲۳) مرنے کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینے کا حکم

ضرورتاً بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے لیکن شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

فتاویٰ نوازل السمرقندی میں ہے:

والمرأة تغسل زوجها عند الضرورة لبقاء الزوجية من زوجه وهى العدة والزوج لايغسل زوجته .

عورت اپنے شوہر کو بوقت ضرورت غسل دے سکتی ہے شوہر کی جانب سے نکاح باقی رہنے کی وجہ سے اور وہ عدت ہے اور شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے۔[ص ۱۲۰: باب غسل المیت]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

يجوز للمرأة أن تغسل زوجها اذا لم يحدث بعد موته مايوجب البينونة من تقبيل ابن زوجها أو ابيه وان حدث ذالك بعد موته لم يجز لها غسله وأما هو فلا يغسلها عندنا كذافى السراج الوهاج .

عورت کے لئے اپنے شوہر کو غسل دینا جائز ہے جب کہ نکاح کو ختم کر دینے والی کوئی بات ظاہر نہ ہو جیسے اپنے شوہر کے بیٹے یا باپ کو بوسہ دینا اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو عورت کے لیے شوہر کو غسل دینا جائز نہ ہوگا اور رہی بات شوہر کو تو وہ ہمارے نزدیک بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے ایسا ہی سراجِ وہاج میں ہے۔

[الفتاوى الهندية، ۱/ ۱۶۰، الباب فى الجنائز، الفصل الثانى فى الغسل]

النہر الفائق میں ہے:

لايغسل الرجل امرأته

مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے گا۔[۱/۳۸۴]

درمختار میں ہے:

يمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر

ممنوع ہے شوہر کا بیوی کو غسل دینا اور چھونا البتہ دیکھنا منع نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

المرأة تغسل زوجها لأن اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى مابقى بالنكاح والنكاح بعد الموت باق الى أن تنقضى العدة ۔

عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اس لیے کہ غسل کا جوازِ نکاح سے مستفاد ہے تو جب تک نکاح باقی ہے حکم جواز باقی ہے اور نکاح شوہر کی موت کے بعد عورت کی عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے۔

[الدرالمختارمع ردالمحتار، ۳/۹۰،۹۱، باب صلاة الجنازة]

البتہ بوقت ضرورت شوہر بیوی کو بجائے غسل کے تیمّم کراسکتا ہے جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے:

الرجل فانه لايغسل زوجته لانقطاع النكاح واذالم توجد امرأة لتغسيلها ييممها

مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا نکاح منقطع ہونے کے سبب اور جب بیوی کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت موجود نہ ہو تو شوہر بیوی کو تیمم کرائے۔

[مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، کتاب الصلاة، ص، ۵۷۲]

(۲۴) قبر کے اندر عہد نامہ رکھنے سے عذاب قبر دور ہوتا ہے

عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز و مستحسن باعثِ برکت اور موجب نجات ہے۔ فتاویٰ بزازیہ لابن البزاز الکردری میں ہے:

وذكر الامام الصفار لو كتب على جبهة الميت أوعلىٰ عمامته أو كفنه عهدنامه يرجى ان يغفر الله تعالىٰ للميت و يجعله آمنامن عذاب القبر قال نصير هٰذه رواية فى تجويز وضع عهدنامه مع الميت ۔

امام صفار نے بیان کیا کہ اگر میت کی پیشانی، عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے عذاب قبر سے محفوظ فرمائے گا۔

[فتاوی بزازیہ مع الهنديه، کتاب الاستحسان، ۶/ ۳۷۹، ۳۸۰]

فتاویٰ رضویہ میں علامہ امام فقیہ ابن عجیل کے حوالے سے ہے:

”امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا ”اذا كتب هٰذا الدعاءُ وجعل مع الميت فى قبره وقاه الله فتنة القبر وعذابه“ (جب اس دعاء کو لکھ کر میت کے ساتھ رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ میت کو فتنۂ قبر اور عذاب قبر سے محفوظ و مامون فرمائے گا) [فتاوی رضویہ جدید، ۹/۱۰۹]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت کا رسالہ منیفہ

” الحرف الحسن فى الكتابة على الكفن “ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۵) دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا فعل مستحسن ہے

جائز و مستحسن ہے اور حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے۔

علاوہ ازیں اس کے جائز ہونے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں اللہ اور رسول کا ذکر مقدس ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا ذکر جب ہو جہاں ہو فائدہ سے خالی نہیں۔

مزید برآں کہ شرع میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہ ہونا بھی اس کے جواز کے لئے بہت ہے۔ پھر بھی ہم یہاں چند عبارات فقہاء و علماء بیان کرتے ہیں:

فتاوی شامی میں ہے:

قديسن الأذان لغير الصلاة كمافي اذان المولود ○○○○ وعندانزال الميت القبرقياساً على خروجه للدنيا

اذان نماز کے علاوہ بھی چند مقامات پر سنت ہے جیسا کہ بچہ کے کان میں......اور میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کی پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے۔ [ردالمحتار على درالمختار، باب الاذان، ۲/ ۵۰]

حاشیہ بیجوری میں امام ابن حجر علیہ الرحمہ کے حوالہ سے ہے:

قال ابن حجرورددته في شرح العباب لكن ان وافق انزاله القبراذان خفف عنه في السوال ۔

ابن حجر نے فرمایا: میں نے شرح عباب میں اذان کے مسنون ہونے کا رد کیا ہے لیکن اگر میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد اذان پڑھی جائے تو سوالات قبر میں آسانی ہوگی۔ [فتاوی نعیمیہ، ۱/۷۲]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ جو دیابنہ و اہل حدیث کے نزدیک بھی مسلم ہیں، فرماتے ہیں:

عمل مشائخ است كه اذان برقبر بعددفن می گویند

(دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا بزرگوں کا معمول ہے) [ملفوظات عزیزی فارسی ص ۸۴]

مزید تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کے رسالہ مبارکہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں۔

هذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ ورسوله صلى الله عليه وسلم .

كتبه

محمد ذوالفقار خان نعيمي

مؤرخہ: ۱۰ شعبان ۱۴۳۳ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی اوراس سے حاصل شدہ بچہ کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز وعدم جواز کا شرعی حکم کیا ہے

(۲) کیا شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا سکتے ہیں

(۳) اس سے حاصل شدہ بچہ کے نسب سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

حافظ محمد گلفام رضا
متعلم مدرسہ مرکز اہل سنت دار السلام
محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ ونصلّی علی حبیبہ الکریم

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی مرد وعورت کے مادوں کو باہم مخلط کر کے اولاد کی تحصیل کے جدید طریقہ کا نام ہے۔ محققین ومحتاطین علماء نے بحالت مجبوری چند درج ذیل شرائط کے ساتھ اس کی اجازت عطا فرمائی ہے۔

(۲) دونوں مادے میاں بیوی کے ہی ہوں اس لئے کہ اللہ تعالی نے اولاد کے حصول کا ذریعہ میاں بیوی کو ہی بنایا ہے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

یاایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھازوجھاوبث منھما رجالا کثیرا ونساء .

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیے۔ [ترجمہ کنز الایمان، پارہ ۴، سورہ نساء، آیت ۱]

(۲) شوہر کے مادے کو خود بیوی اپنی اندام نہانی میں داخل کرے۔ اس کا جواز درج ذیل فقہی جزئیہ سے ثابت ہے:

فی البحر المحیط اذاعالج الرجل جاریتہ فیمادون الفرج فانزل فاخذت الجاریۃ ماء ہ فی شئ فاستدخلتہ فی فرجھافی حدثان ذلک فعلقت الجاریۃ وولدت فالولدولدہ والجاریۃ ام ولدہ .

بحر محیط میں ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنی باندی سے بیرون شرمگاہ مباشرت کی اسے انزال ہوا باندی نے وہ مادہ منویہ لے کر کسی چیز میں رکھ لیا اور اپنی اندام نہانی میں ڈال لیا حمل ٹھہر گیا بچہ پیدا ہوا تو بچہ اسی

کا ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔[حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، ۲/۲۲۷،باب العدة]

وما قیل لایلزم من ثبوت النسب منه وطؤه لان الحبل قدیکون بادخال الماء الفرج بدون جماع مع انه نادر"

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ نسب ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عمل زوجیت کیا ہو بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت بغیر وطی کئے اپنی اندام نہانی میں مرد کا مادہ منویہ داخل کر لیتی اور حاملہ ہو جاتی ہے البتہ یہ صورت شاذ و نادر ہی پیش آتی ہے۔

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۴/۲۶۲،باب ثبوت النسب]

(۳) اس مادے کو خود شوہر اپنی بیوی کے اندام نہانی میں داخل کرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورت کو دیکھنا اور چھونا بغیر ضرورت شرعی جائز نہیں ہے۔

(۴) منی نکالنے کے لئے خود اپنے ہاتھ کا استعمال نہ کرے یہ جائز نہیں فقہاء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "ناکح الیدملعون" (جلق کرنے والے پر لعنت ہے)

کے پیش نظر اس عمل کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

وکذا الاستمناء بالکف وان کره تحریمالحدیث ناکح الیدملعون ○○○ الخ

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والا ملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے۔

[کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف، ۳/۳۷۱]

(۵) بذریعہ عزل اسے حاصل کرے یا پھر عورت کے ہاتھ سے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ فتاوی شامی میں ہے:

یجوز ان یستمنی بیدزوجته او خادمته

اپنی بیوی یا خادمہ کے ہاتھ سے منی نکالنا جائز ہے۔[کتاب الحدود، ۶/۳۹]

(۲) شوہر کے علاوہ اور کسی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا کر رحم میں ڈالنا ناجائز و حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لایحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخران یسقی ماء ه زرع غیره۔

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے پانی سے کسی دوسری کھیتی کو سیراب کرے۔[سنن ابوداود، کتاب النکاح، ۱/۲۹۳]

(۳) شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کے مادہ کے ذریعہ بچہ کی پیدائش ہو جائے تو اگرچہ یہ عمل زنا کے مترادف ہونے کے سبب ناجائز و حرام ہے لیکن بچہ زانی کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ شوہر ہی بچہ کا باپ کہلائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

فانه لایلحق به ولا یرث

بچہ زانی سے منسوب نہیں ہوگا اور نہ اس کا وارث ہوگا۔[سنن ابو داود، کتاب الطلاق، ۱/۳۰۸]

بخاری شریف میں ہے:

الولد للفراش وللعاهر الحجر .

بچہ شوہر سے منسوب ہوگا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔[الصحیح البخاری، کتاب الفرائض،۲/۹۹۹،]

هٰذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ .هٰذالفتوی ماخوذ من الکتب الفقهیه المعدوده خصوصًا الکتاب المستطاب بلغة الاردیة ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور شرعی نقطۂ نظر'' لمفتی السیدضیاء الدین شیخ الجامعة النظامیه حیدر آباد)

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۴/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

کسی سنی کو بدمذہب کہنا اور کسی مسلمان پر بہتان باندھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں زید حافظ وقاری حاجی اور اہل سنت پیغام رضا کا مہتمم ہے دیوبندیوں کو سنی بنانے کی غرض سے ان سے بات کرتا ہے ورنہ نہیں۔ کچھ دیوبندی سنی ہو بھی چکے ہیں زید کی سسرال سنی کے یہاں ہے جو کہ ہندوستان کے مشہور سنی عالم ہیں شیدائے اعلیٰ حضرت ہیں۔ زید نے سنیوں کی عیدگاہ کو دیوبندیوں سے واپس لیا۔ ساری مسجدوں میں نماز کے بعد صلاۃ پڑھوانا شروع کرائی۔ رد وہابیت زید کا محبوب مشغلہ ہے۔ کچھ لوگ خود کو سنی کہتے ہیں ان سے کسی بات پر بحث ہوئی تو زید نے کہا تم سے اچھے وہ لوگ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری حقانیت قبول کرتے ہیں ہم کو مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کا موقع دیتے ہیں۔ زید نے مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھ دی تو بکر نے کہا تم نے تکبیر کیوں پڑھی؟ تو زید نے کہا روز آپ پڑھتے ہیں آج میں نے پڑھ دی کیا ہوا؟ بکر نے کہا کہ آپ کے لئے جائز ناجائز سب حلال ہے کیا؟ تو زید نے کہا آپ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے ہیں اور شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے ہم آپ کی بات کو نہیں تسلیم کرتے ہم جائز و ناجائز کی تمیز رکھتے ہیں۔

کیا ان ساری باتوں کی بنیاد پر زید کے سنی ہونے میں کوئی شک ہے؟ جو لوگ زید پر الزام لگاتے ہیں اور اس سے متعلق جھوٹی باتیں گڑھ کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

نیز یہ بھی بتائیں کہ بکر مسجد کی دکان میں کرائے پر رہتا ہے اس سے سارے نمازیوں کو تکلیف ہے وہ آئے دن فساد کرتا رہتا ہے، اور اپنے ماموں کو ماں، بہن اور بیٹی کی گالیاں بھی دیتا ہے کیا ایسی حالت میں بکر کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا چاہئے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں عند اللہ ماجور ہوں

المستفتی: الحاج قاری محمد حنیف نوری

سربراہ اعلیٰ دار العلوم اہل سنت پیغام رضا سرلونظر پور ضلع مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

استفتاء میں درج مضمون اگر سچائی وصداقت پر مبنی ہے تو واقعی زید کے سنی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کی کوشش کرنا،

دیوبندیوں کو سنی بنانے میں کوشاں رہنا اور مراسم اہل سنت کو جاری رکھنے کے لئے جدوجہد کرنا نیز رد وہابیت کو اپنا مشغلہ بنالینا یہ ساری باتیں گواہی دے رہی ہیں کہ زید ایک سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔ البتہ زید کا مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھنا از روئے شرع درست نہیں ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور ومعتبر مجموعۂ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ان اذن رجل واقام آخران غاب الاول جاز من غیر کراھة وان کان حاضرا ویلحقه الوحشة باقامة غیرہ یکرہ وان رضی به لایکرہ عندنا کذافی المحیط"

(اگر کسی شخص نے اذان پڑھی اور دوسرے نے اقامت تو اگر اذان پڑھنے والا آدمی جماعت کے وقت حاضر نہیں تو بغیر کراہت جائز ہے اور اگر حاضر ہے اور اسے دوسرے شخص کے اقامت پڑھنے سے ملال ہے تو مکروہ ہے اور اگر وہ راضی ہے تو ہمارے نزدیک مکروہ نہیں ایسا ہی محیط میں ہے۔)

[فتاوی ہندیہ ۱/۵۴، باب الاذان]

اور جو لوگ زید پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں اور جھوٹی باتیں گڑھ کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں شریعت میں اسے بہتان کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"وان لم فیه ماتقول فقدبھته"

(جو باتیں تم بیان کررہے ہو اگر وہ اس کے اندر نہیں ہیں تو یہ بہتان ہے) [مسلم شریف]

اور بہتان بدترین جرم اور گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا"

(اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا)

[ترجمہ کنز الایمان، سورہ احزاب، آیت ۵۸]

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''حضرت فضیل نے فرمایا کہ کتے اور سور کو بھی ناحق ایذا دینا حلال نہیں تو مومنین و مومنات کو ایذا دینا کس قدر بدترین جرم ہے'' [تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، آیت ۵۸]

لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ زید سے متعلق جھوٹی باتوں کو بیان نہ کریں اور علماء و مفتیان کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر صلح کی سبیل پیدا کریں اہل سنت میں یہ آپسی اختلاف سنیت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل اہل سنت کے مابین اتفاق و اتحاد اور محبت پیدا فرمائے۔

اور رہا بکر کا معاملہ تو اگر بکر واقعی نمازیوں کو تنگ کرتا ہے، فتنہ و فساد پیدا کرتا ہے اور اپنے ماموں کو گالیاں دیتا ہے تو وہ فاسق، سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔

قرآن میں ہے

''وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ''

(اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے) (ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت ۱۹۱)

بخاری شریف میں ہے:

''سباب المسلم فسوق''

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

ایسے شخص کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے اہل کمیٹی کو چاہئے کہ جو شخص نمازیوں کی تکلیف کا سبب بنتا ہو فتنہ و فساد پیدا کرتا ہو ایسے شخص کو فوراً مسجد کی دکان سے نکال دیں۔

اور منکوحہ غیر کا نکاح پڑھانا حرام ہے۔ قرآن میں ہے:

''وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ''

(اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں) [ترجمہ کنز الایمان، سورہ نساء، آیت ۲۴]

اگر بکر نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا ہے تو بکر سخت گنہگار ہے بکر پر لازم ہے کہ علی الاعلان توبہ کرے۔ اور اس نکاح سے براءت کا اعلان کرے۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

مورخہ ۲۵/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے اور نماز میں ان کی اقتدا کرنے والے شخص کا حکم شرعی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں کہ زید جو ایک حافظ اور حاجی ہے خود کو اہل سنت سے بتاتا ہے مگر دیوبندیوں سے خوب تعلقات ہیں سسرال بھی دیوبندیوں میں ہے ان کی اقتدا میں نماز بھی ادا کر لیتا ہے اور ان کے یہاں دعوتوں میں بھی شریک ہوتا ہے کچھ دن قبل خود اعلان کیا کہ دیوبندیوں سے بچو اور ان کے کفن دفن نماز جنازہ سے سنیوں کو روکا مگر خود ہی ایک دیوبندی عالم کی شادی میں شریک ہو گیا۔وہابیوں نے زید کا بھی اور ہم سنیوں کا بھی خوب مذاق اڑایا۔جب زید سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواباً کہا کہ چپ رہو ان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں۔ایک دن مغرب کی نماز میں زید کا پائجامہ ٹخنوں کے کافی نیچے تھا نماز کے بعد جب زید معلوم کیا کہ کیا اتنا نیچا پائجامہ پہننا جائز ہے تو جواب میں کہا کہ میرے لئے سب جائز ہے سائل نے کہا تمہارے لئے سب جائز ہو گیا اور ہم ان پڑھوں کے لئے سب ناجائز بتاتے ہو تو زید مسجد سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ میرے لئے جائز ناجائز حرام حلال سب جائز ہے آپ اپنا دیکھئے۔مسجد کے بہت سے نمازی اس واقعہ کے گواہ ہیں۔اور زید داڑھی کٹواتا ہے کیا اس کی اذان واقامت درست ہے؟اور زید جب کسی عالم کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ آئے دین کے غدار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہتا ہے کہ ان سے غلطی ہوئی تو اللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا۔ان ساری باتوں کی بنیاد پر کیا زید کافر ہو گیا؟

نیز امام صاحب نے ایک ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس نے امام صاحب کے پوچھنے پر کئی لوگوں کے سامنے اپنے مطلقہ ہونے کا اقرار کیا۔زید کا کہنا کہ وہ مطلقہ نہیں ہے۔اور اس بات کو لے کر زید امام صاحب کی مخالفت بھی کر رہا ہے تو کیا امام صاحب کی مخالفت کرنا از روئے شرع جائز ہے؟جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

مصلیان جامع مسجد سڈلونظر پور ضلع مرادآباد

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم – نحمده ونصلي علىٰ حبيبه الكريم

استفتاء میں درج باتیں اگر واقعی حق ہیں اور سائلین اپنی ان باتوں میں سچے ہیں تو زید کے لئے شریعت کا بہت سخت حکم ہے۔

زید کا دیوبندیوں سے میل جول رکھنا ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنا اگر اس حد تک ہے کہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے متفق ہے اور انہیں مسلمان جانتا ہے تو پھر اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر ایسا نہیں بلکہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے دور ہے اور ان کے عقائد خبیثہ کو کفر ہی جانتا ہے اور ان کو کافر سمجھتے ہوئے بھی ان کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ سخت گناہگار ہے لیکن کافر نہیں،

البتہ دیوبندیوں سے میل جول رکھنے پر تنبیہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر جھڑک دینا ''ان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں'' مسلمانوں پر کافروں کو ترجیح دینا اور کفر کو پسند کرنا ہے اور یہ کھلا ہوا کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے ایمان کو اس کافر اکفر کے ایمان سے کم کہنا صریح کفر ہے، یہ کفر کو ایمان پر تفضیل دینا ہے، کافر میں ایمان کہاں اور وہ بھی مسلمانوں کے ایمان سے افضل'' [فتاوٰی رضویہ قدیم، ۶/۱۹۱]

صدرالشریعہ فرماتے ہیں

''شخص مذکور برائے آنکہ کفر را پسند کرد و کفر را بر اسلام ترجیح داد کافر باشد''

(شخص مذکور اس وجہ سے کہ اس نے کفر کو پسند کیا اور کفر کو اسلام پر ترجیح دی کافر ہو گیا)

[فتاوٰی امجدیہ ۴/۴۳۳]

اور زید کا داڑھی کٹوانا بھی از روئے شرع گناہ ہے اور ایسے شخص کو شریعت میں فاسق کہتے ہیں اور فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

'' یکرہ اذان الفاسق ''

[فتاوٰی عالمگیری، ۱/۵۴،]

نیز اس کی تعظیم کرنا اسے عزت دینا بھی جائز نہیں ہے۔

اور زید کا پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا از راہ تکبر ہے تو خلاف سنت ہونے کے ساتھ مکروہ تحریمی بھی ہے اس پر تنبیہ کرنے والے کے جواب میں زید نے جو یہ کہا ہے کہ '' میرے لئے جائز و ناجائز حلال حرام سب جائز ہے'' تو یہ جملہ کفر پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننا شریعت میں کفر ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں '' حلال کو حرام، حرام کو حلال ٹھہرانا ائمہ حنفیہ کے مذہب راجح میں مطلقاً کفر ہے، جبکہ ان کی حلت و حرمت قطعی ہو جیسے جائز کسب و تجارت و اجارت کی حلت مشرکین و وداد و انقیاد و اتحاد کی حرمت،.... اور اگر وہ حرام قطعی حرام لعینہ ہے، جیسے مذکورات جب تو اسے حلال ٹھہرانا باجماع ائمہ حنفیہ کفر ہے، اللہ عزوجل کفار کا بیان فرماتا ہے:

لایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ۔

جسے اللہ و رسول نے حرام فرمایا کافر اسے حرام نہیں ٹھہراتے۔ متن عقائد میں مسئلہ مصرحہ ہے، نیز فتاوٰی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

''من اعتقد الحرام حلالاو علی القلب یکفر هذااذاکان حرامابعینه و الحرمة قامت بدلیل مقطوع به امااذاکانت باخبار الاحاد لایکفر''

جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام مان لیا تو وہ کافر ہو جائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام لذاتہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر ثبوت خبر واحد سے ہو تو کافر نہیں ہوگا۔

بزازیہ و شرح وہبانیہ و در مختار میں ہے:

یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی

(حرام قطعی کے تصدق سے کافر ہو جائے گا) [فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۶ ص ۱۰۹]

صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے مطلقاً کہا ہے کہ میرے لئے سب ناجائز و حرام حلال ہے لہٰذا نصوص بالا کی روشنی میں زید پر حکم کفر عائد ہوگا۔

اور زید کا کسی بھی عالم کو دیکھ کر یہ کہنا کہ **"یہ آئے دین کے غدار"** اگر بسبب علم ہے تو کفر ہے اور اگر ذاتی رنجش کی وجہ سے ہے تو سخت گناہ اور اگر بلا وجہ ہے تو اس پر اندیشۂ کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"پھر اگر عالم کو اس لئے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق فاجر ہے اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ خلاصہ میں ہے "من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر" جو کسی عالم سے بغیر سبب ظاہری کے عداوت رکھتا ہے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ [فتاویٰ رضویہ قدیم، ۹/۱۴۰، کتاب الحظر والاباحہ]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زید کا یہ کہنا کہ **"ان سے غلطی ہوئی تو اللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا"** سراسر جھوٹ اور اللہ اور اس کے رسول پر کھلا افتراء ہے، اس لئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ جملہ انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک و منزہ ہیں۔

امام اعظم فرماتے ہیں:

"الانبیاء علیهم الصلاة والسلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر"

(تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہیں) [فقہ اکبر ص ۸]

ملا علی قاری فقہ اکبر کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں **"ای معصومون من جمیع المعاصی"** (یعنی انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک ہیں) [شرح فقہ اکبر ۶۸] اور جب نبی گناہوں سے پاک ہیں تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ کا کفارہ واجب کرنا چہ معنی دارد۔ لہٰذا زید کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھنا سخت گمراہی و بد دینی بلکہ کفر ہے۔

اور رہا امام صاحب کے نکاح پڑھانے کا مسئلہ تو جب امام صاحب نے معلوم کرلیا تو اب وہ بری الذمہ ہو گئے اب ان پر کوئی الزام نہیں ہے اس بنیاد پر یا کسی اور بلاوجہ شرعی کے زید کو امام صاحب کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ امام تو قوم کا رہبر ہوتا ہے اس کی مخالفت تو دور اگر کسی ادنی سے مسلمان کی بھی کوئی مخالفت کرتا ہے اور اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو از روئے حدیث وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقداذی اللّٰہ عزوجل"

(جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دی)[المعجم الصغیر للطبرانی، ۱/۲۸۴]

حاصل کلام:۔ استفتاء میں درج زید کے اقوال وافعال میں چند ناجائز، حرام فسق اور گمراہی پر مبنی ہیں اور چند کفر پر، لہٰذا زید پر لازم وفرض ہے کہ فوراعلی الاعلان توبہ، تجدید ایمان، تجدید بیعت اور تجدید نکاح کرے۔ درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"مایکون کفرااتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزناوما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ(ای تجدیدالاسلام) وتجدیدالنکاح"

(متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔)

[باب المرتد، ۶/۳۹۱]

مزید امام صاحب سے معافی طلب کرے۔ اور آئندہ ایسے اقوال وافعال خبیثہ کفریہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی کوشش کرے۔

اور اگر زید ایسا نہ کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ زید کا بائیکاٹ کریں اس سے اپنے تعلقات ختم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ"

(اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔)

[کنز الایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ .

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۳ر شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب المیراث

﴿میراث میں ماں باپ کا حق﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں اولاد کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی عبدالجبار محلّہ قانون گویان کاشی پور اودھم سنگھ نگر

۱۸؍جون ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملك الوهّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ اولاد بھی چھوڑی ہے تو ماں اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ قرآن پاک میں ہے:

ولابویه لکل واحدمنهماالسدس مماترك ان كان له ولد ۔

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو۔

[کنزالایمان، پارہ ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱]

اور اگر اولاد نہیں چھوڑی ہے تو ماں کو تہائی اور اگر ماں باپ کے ساتھ دو یا زیادہ بہن بھائی بھی چھوڑے ہیں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن میں ہے:

فان لم یکن له ولد وورثه ابوٰه فلامه الثلث فان کاله اخوة فلامه السدس ۔

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا۔

[مرجع سابق]

ماں کو کل مال کا تہائی اس وقت دیا جائے گا جب ماں کے ساتھ میت مذکر کی بیوی یا میت مؤنث کا شوہر نہ ہو اور اگر ان میں سے کوئی بھی ہوگا تو ماں کو ان کا حصہ نکالنے کے بعد تہائی ملے گا کل مال سے نہیں۔

[تفسیر خزائن العرفان، پارہ ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱، حاشیہ ۳۱]

اور میت نے باپ کے ساتھ اگر اولاد چھوڑی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اولاد میں کوئی بیٹا یا پوتا نیچے تک چھوڑا ہے تو باپ کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر اولاد میں بیٹی یا پوتی نیچے تک چھوڑی ہے تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور ساتھ میں اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا وہ بھی بطور عصبہ ملے گا۔ اور اگر میت نے اولاد نہیں چھوڑی مگر دوسرے اصحاب فرائض وغیرہ چھوڑے تو باپ کو اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا بس وہی بطور عصبہ ملے گا

یا میت نے باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو بطور تعصیب سب مال ملے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الاب ولہ ثلاثة احوال الفرض المحض وهو السدس مع الابن اوابن الابن وان سفل والتعصيب المحض وذالك ان لايخلف غيره فله جميع المال بالعصوبة وكذااذااجتمع مع ذی فرض ليس بولدولاولدابن كزوج وام وجدة فيأخذذوالفرض فرضه والباقی للاب بالعصوبة والتعصيب والفرض معاوذالك مع البنت وبنت الابن فله السدس فرضا oooo والباقی له بالتعصيب ۔

باپ کی تین حالتیں ہیں میت کے بیٹے یا پوتے نیچے تک کی موجودگی میں بطور فرض چھٹا حصہ، اور ایسے ہی میت نے جب باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو کل مال ملے گا بطور تعصیب یا اولاد کے علاوہ دیگر اصحاب فرائض جیسے شوہر یا ماں دادی کو چھوڑا تو باپ کو اصحاب فرائض سے تقسیم کے بعد جو بچے گا وہ ملے گا، اور اگر باپ لڑکی یا پوتی کے ساتھ ہو تو چھٹا حصہ بطور فرض اور تقسیم کے بعد جو بچے گا باپ وہ بھی پائے گا۔)

[فتاوی عالمگیریہ کتاب الفرائض، ۶/ ۴۴۸]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

میت کے وارثین میں ایک لاکھ روپئے کی تقسیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید کا انتقال ہو گیا اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوی اور ایک بچہ، ماں، باپ اور چار حقیقی بھائی چھوڑے ایک لاکھ روپیہ نقد چھوڑا اس روپیہ میں اور اس کے ماں باپ کی جائداد میں اس کی بیوی اور بچہ کا کیا حصہ نکلتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

حافظ عرفان مؤذن مدینہ مسجد چونا گلی کاشی پور اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں از روئے شرع شریف اگر بچہ سے مراد لڑکی ہے تو کل رقم سے لڑکی کو آدھا حصہ ملے گا۔
قرآن شریف میں ہے:
وان کانت واحدۃ فلھاالنصف ۔
اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا حصہ
بیوی کو آٹھواں حصہ
فان کان لکم ولدفلھن الثمن
(پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا (بیویوں کا) تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں)
ماں کو چھٹا حصہ نیز باپ کو چھٹا حصہ
ولابویہ لکل واحد منھماالسدس مماترك ان کان له ولد ۔
(اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو)
[ترجمہ کنز الایمان پارہ ۴ رکوع ۱۳]

اور جو باقی بچے گا وہ بھی باپ کو بطور عصبہ ملے گا۔
فتاوی عالمگیری میں ہے:
'التعصیب والفرض معاوذالك مع البنت ۔
باپ کو میت کی لڑکی کے ساتھ فرض حصہ اور بچا ہوا حصہ۔[۶/۴۴۸ کتاب الفرائض]
اور میت کے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا وہ باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے:
ویسقط الأخوۃ والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق
لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ کی موجودگی میں بھائی اور بہنیں محروم رہیں گی۔
[الباب الثانی فی ذوی الفروض، ۶/۴۵۰]

درمختار میں ہے:
ویسقط بنوالاعیان وھم الأخوۃ والأخوات لأب وأم بثلاثۃ بالابن وابنہ وان سفل وبالاب اتفاقا، الخ ۔
بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں بالاتفاق وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔[فصل فی العصبات، ۱۰/۵۳۰]
لبِّ لباب یہ ہے کہ کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔ پانچ ۵ حصے میت کے باپ کو چار بطور فرض اور ایک

بطور عصبہ، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بارہ (۱۲) حصے میت کی لڑکی کو۔ یعنی ایک لاکھ روپے میں لڑکی کو پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) ماں کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اور قریب سڑسٹھ پیسے، اور باپ کو بیس ہزار آٹھ سو تینتیس روپے اور قریب چونتیس پیسے۔ اور اگر بچہ سے مراد لڑکا ہو تو کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔ چار حصے میت کے باپ کو، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بقیہ تیرہ حصے میت کے لڑکے کو بطور عصبہ ملیں گے۔ یعنی ایک لاکھ روپے میں بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) باپ کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اور قریب سڑسٹھ پیسے، اور ماں کو بھی باپ کے برابر۔ اور باقی جو بچے وہ سب لڑکے کو ملیں گے۔

اور صورتِ مسئولہ میں میت کی بیوی اور لڑکی کا کوئی حصہ ماں باپ کی جائداد میں نہیں نکلے گا۔

ھٰذا ماعندی و العلم عنداللّٰہ تعالی

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۳ ربیع النور ۱۴۳۳ھ

جائیداد کا حق دار کون؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ تین سگے بھائی ہیں جس میں ایک کا انتقال ہوگیا ہے مرحوم کے ایک بیوی اور آٹھ بچے ہیں ۵ لڑکے اور ۳ لڑکیاں ہیں جس میں ایک لڑکا اپاہج ہے مرحوم کی جائداد کا حقدار کون ہے مرحوم کے بھائی یا بچے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری

محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں مرحوم کی جائداد میں بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہے مرحوم کی جائداد کے حق دار بیوی، لڑکے، لڑکیاں اور دیگر وارثین ہوں تو وہ ہیں۔ میت کے لڑکوں کی موجودگی میں میت کے بھائی محروم ہو جاتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

ویسقط بنوالاعیان وھم الأخوۃ والأخوات لأب وأم بثلاثۃ بالابن وابنہ وان سفل وبالاب

اتفاقا،الخ .

بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہوجائیں گے۔

[فصل فی العصبات، ۱۰/۵۳۰]

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویسقط الأخوة والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق[الباب الثانی فی ذوی الفروض،۶/۴۵۰]

محیط برھانی لاامام برھان الدین ابن مازہ میں ہے:

الأخوة لایرثون مع الابن

بھائی لڑکے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔[۹/۱۰]

واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

مآخذ و مراجع

القرآن الکریم

(الف)

احیاء العلوم .... امام محمد بن محمد غزالی ۵۰۵
اصول الشاشی .... اسحاق بن ابراہیم خراسانی شاشی ۳۲۵
الاعلام للزرکلی .... شیخ خیر الدین بن محمود زرکلی ۱۳۹۶
احکام جراحۃ التجمیل .... الدکتور محمد عثمان شبیر ....
اقامۃ القیامہ .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
اونی اللمعہ .... ایضا .... ایضا
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب .... شیخ یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر ۴۶۳
اشعۃ اللمعات .... شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۱۰۵۲
الانتقاد الرجیح .... محمد صدیق حسن بھوپالی ۱۳۰۷

(ب)

بدور الاہلہ .... بھوپالی .... ایضا
بنایہ شرح ہدایہ .... امام بدر الدین ابو محمد عینی ۸۵۵
البحر الرائق .... امام زین الدین بن ابراہیم بن نجیم ۹۷۰
بدائع الصنائع .... علاء الدین ابو بکر مسعود کاسانی ۵۸۷
بہار شریعت .... صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی ۱۳۶۷
البدایہ والنہایہ .... ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر ۷۷۴
بغیۃ الوعاۃ .... علامہ جلال الدین عبد الرحمن سیوطی ۹۱۱

(ت)

ترجمہ کنز الایمان .... امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۳۴۰
تفسیر قرطبی .... ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی ۶۷۱

تفسیرات احمدیہ	شیخ احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
تفسیر خزائن العرفان	صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی	۱۳۶۷
تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خاں نعیمی	۱۳۹۱
تلخیص المعین	شیخ محمد بن صالح عثیمین	
تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی	۵۳۹
تنویر الابصار	شیخ محمد بن عبداللہ تمرتاشی	۱۰۰۴
تیسیر شرح جامع صغیر	حافظ محمد عبدالرؤوف مناوی	۱۰۳۱
تاریخ الاسلام	شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸
التاج المکلل	محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷
تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی	محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳
تبیین الحقائق	امام فخر الدین عثمان بن علی زیلعی	۷۴۳
تحفۃ الملوک	شیخ محمد بن ابی بکر رازی	۶۶۶

(ج)

الجوہرۃ النیرۃ	شیخ ابوبکر بن علی بن ابوالمفاخر	۵۶۵
جامع العلوم والحکم	عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب	۷۹۵
جامع صغیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱

(ح)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	شیخ سید احمد طحطاوی	۱۳۰۲
حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح	ایضا	ایضا
حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ	شیخ محمد بن عبدالہادی سندھی	۱۱۳۸
حبیب الفتاوی	مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی	۱۳۹۵
الحرف الحسن	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
الحاوی للفتاوی	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱
حسن المحاضرۃ	ایضا	ایضا

(د)

درمختار	علاء الدین محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸
دلائل النبوۃ	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸

یادداشت

مطالعہ کے دوران کسی خاص مسئلہ کو محفوظ کرنے کے لئے کتاب کی کسی عبارت کو قلمزد کرنے کے بجائے اس صفحہ کا استعمال کریں۔

مضامین	صفحہ نمبر

گزارش

قارئین! یہ اللہ کا فضل واحسان اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے کہ میں دین کی خدمت میں کوشاں ہوں میری یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ اللہ اور اس کا حبیب ہی بہتر جانتا ہے
مجھے بارگاہ الٰہی سے جو یہ دین کی خدمت کی توفیق عطا کی گئی ہے یہ سب میرے والدین مرحومین کی دعاؤں کا ثمرہ ونتیجہ ہے جوانہوں نے ہر نماز کے بعد سجدہ ریز ہوکر بارگاہ الٰہی میں مانگی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ میری مشفقہ بہن جنہوں نے ماں کی وفات کے بعد اپنی زندگی کا اہم دور بچپن میری پرورش وتربیت کے لئے وقف کردیا۔ قارئین سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد میرے والدین کی مغفرت کے لئے، اور میری بہن اور ان کے شوہر واولاد کی لمبی کامیاب عمر کے لئے ضرور دعا فرمائیں نیز مجھے اور میرے اہل خانہ کو بھی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔

دعا گو

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی غفرلہ ولوالدیہ

ہماری چند دیگر مطبوعات



ناشر
اکبر بُک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور
Ph: 37352022

ہماری چند دیگر مطبوعات



ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور
Ph: 37352022